ضیائے حرم
ماہنامہ
لاہور
تحریک
ختمِ نبوّت
نمبر
انا خاتم النبیین لا نبی بعدی
گنبدِ خضرا کے فیضِ نور سے
کفر و باطل کے اندھیرے چھٹ گئے
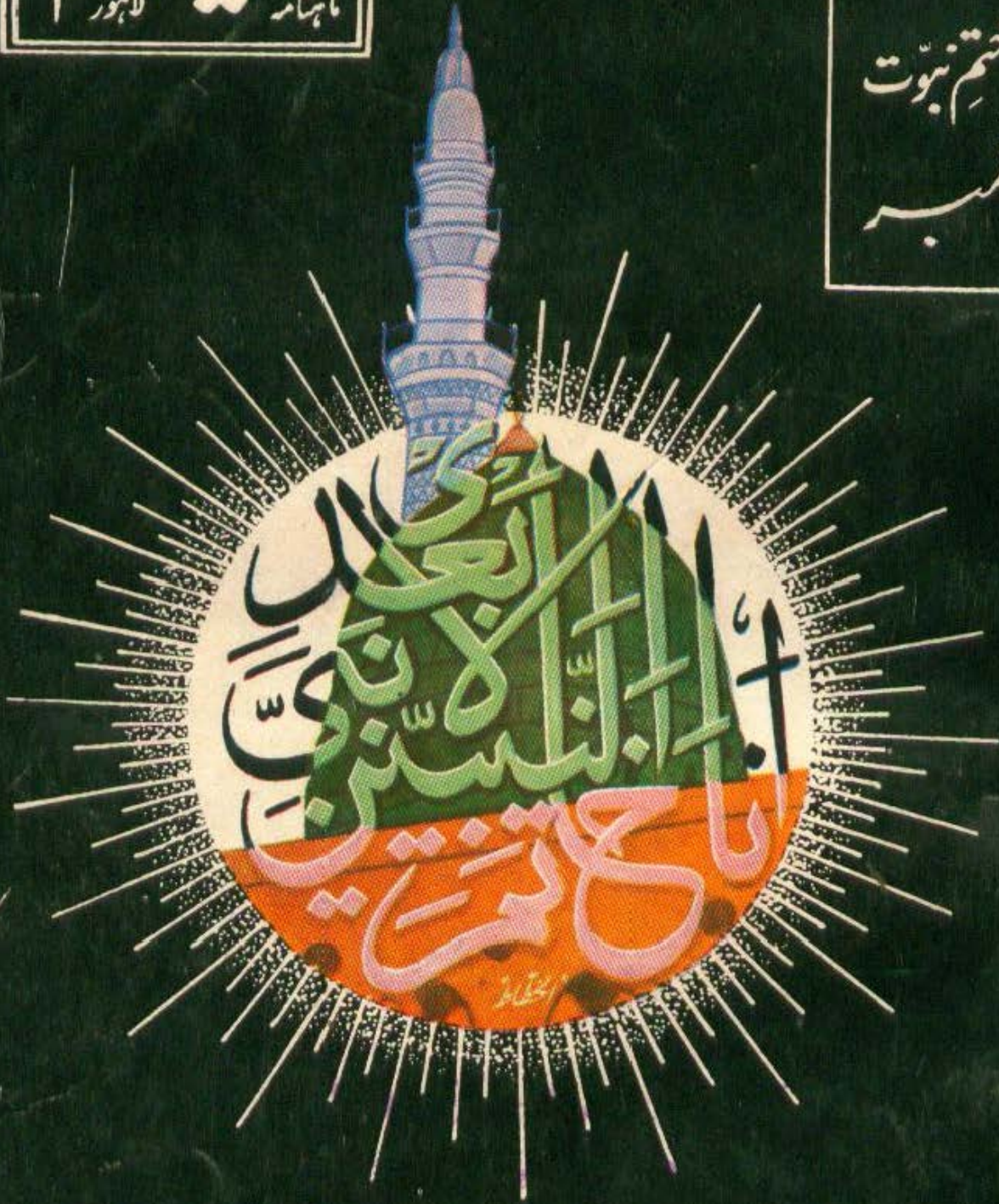
قال اللہ تعالی
فی کتابہ الکریم
بسم اللہ الرحمن الرحیم
ما کان محمد ابا احد من رجالکم
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین
یا رحمۃ للعالمین
یا شفیع المذنبین

ماہنامہ

ضیائے حرم

لاہور

جلد ۵
شمارہ ۳
قیمت ۵۰-۲
سالانہ ۱۰ روپے

دسمبر ۱۹۷۴ء ○ ذیقعد ۹۴ھ

تحریکِ ختمِ نبوّت نمبر

مدیر اعلیٰ:- پیر محمد کرم شاہ ایم اے آنرز (الازہر) سجادہ نشین بھیرہ شریف ○ مدیر معاون ابوزاہد نظامی

بیرونی ممالک میں بذریعہ ہوائی ڈاک

سعودی عرب فی پرچہ ۱/۲ ۱ ریال سالانہ ۱۲ ریال قطر ۱/۲ ۱ ریال سالانہ ۱۵ ریال
کویت ۱۰۰ فلس سالانہ ۱۰۰۰ فلس، دبئی ۱/۲ ۱ ریال سالانہ ۱۲ ریال
انگلستان ۲۰ نئے پنس

ناظمانِ اشاعت
ایم غلام مرتضےٰ، محمد سعید اسعد
تزئین:- اقبال اختر

انگلستان آفس:- صوفی محمد اکرم، ۴۰ گرین سٹریٹ ہائی ویکمب انگلینڈ

دفاتر:
کاشانۂ نظامی رضوی سٹریٹ فلیمنگ روڈ، لاہور
دارالعلوم قمرالاسلام سلیمانیہ پنجاب کالونی کراچی ○ شاہ امیر ٹریڈرز کوٹلی بہرام سیالکوٹ فون:- ۳۵۱۴

خط وکتابت اور ترسیل زر کا پتہ

مینجر:- ضیائے حرم بھیرہ شریف فون: ۱۴ ضلع سرگودھا

اس شمارے میں

اداریہ

انٹرویو

قومی اسمبلی میں

اسوۂ صدیقی

صوفیہ عظام کی خدمات

علمائے کرام کی خدمات

مشاہیرِ اسلام کی خدمات

جمعیت علمائے پاکستان

نوجوانانِ اسلام

جادۂ ہدایت

پیر محمد کرم شاہ ایم اے (الازہر) نے نثار آرٹ پریس لاہور سے باہتمام شیخ علی حسین چھپوا کر دفتر ضیائے حرم بھیرہ (ضلع سرگودھا) سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سِرِّ دلبراں

اللہ عزّاسمہ نے اپنے نبی مکرم، حبیب معظم، محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم پر سلسلہ نبوت کو ختم کردیا۔ وحیٔ نبوت کا نزول ہمیشہ کے لیے بند ہوگیا۔ ہر راہرو جو حق کا جویا ہے اس پر لازم ہوگیا کہ وہ اس نبی مکرم کے نقوشِ پا کو اپنا خضرِ راہ بنائے، یہی وہ چشمۂ فیض ہے جس سے تمام نوعِ انسانی کو روزِ قیامت تک سیراب ہونا ہے۔ اس کی بتائی ہوئی راہ کو چھوڑ کر کوئی بھی منزلِ مراد تک نہیں پہنچ سکتا۔ جو اس چشمۂ شیریں سے اپنی پیاس نہ بجھائے اس کے مقدر میں تشنہ لبی کے سوا کچھ بھی نہیں جس نے اس کے دامنِ رحمت کو چھوڑ دیا وہ ہمیشہ کے لیے شقاوت و محرومی کی دلدل میں پھنس کر رہ گیا۔

جب حقیقت یہ ہے تو پھر یہ کیونکر ممکن تھا کہ کاروانِ انسانیت کو یہ نبی ان تمام خطرات سے آگاہ نہ کردے جو قیام قیامت تک پیش آنے والے ہیں، ان فتنوں کی واضح طور پر نشاندہی نہ کردے جو ان کے خرمنِ ایمان پر بجلیاں بن کر گرنے والے ہیں اور انہیں ایسے موڑوں اور چوراہوں سے باخبر نہ کردے جہاں سے وہ بھٹک سکتے ہیں اور غلط ڈگر پر چل کر اپنے آپ کو برباد کرسکتے ہیں۔ اس لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شانِ ختمِ نبوّت کا یہ تقاضا تھا کہ حضور ان فتنوں اور فتنہ بازوں اور ان راہزنوں سے اپنی اُمّت کو مطلع فرمادیں جو کسی زمانہ میں لوگوں کی گمراہی اور تباہی کا سبب بننے والے تھے۔ چنانچہ کتبِ احادیث میں بکثرت ایسی احادیث صحیحہ موجود ہیں جن میں خاتم النبیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے ایسے فتنوں اور فتنہ بازوں کی مکمل طور پر نشاندہی فرمائی ہے۔

۱۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، جو صاحب سِرّ رسول اللہ (رازدانِ رسالت) صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کے لقب سے معروف ہیں سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا:

واللہ انی لاعلم الناس بکل فتنۃٍ ھی کائنۃٌ فیما بینی وبین الساعۃِ ومابی الا ان یکونَ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اَسَرَّ اِلَیَّ فی ذلکَ شیئاً لَمْ یُحَدِّثہُ غیری۔ لکن رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، قَالَ وھو یحدث مجلسًا انا فیہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو یَعُدُّ الفتنَ منھنَّ ثلاثٌ لایکدن یذرن شیئًا ومنھنَّ فِتنٌ کریاح الصیف منھا صِغَارٌ

ومنہا کبار قال حذیفۃ فذھب اولئک الرھط کلھم غیری ۔ (مسلم ج ۲ صہ ۳۹۰)

ترجمہ: بخدا ہر فتنہ جو قیامت تک برپا ہونے والا ہے میں اسے تمام لوگوں سے زیادہ جانتا ہوں۔ اس کی وجہ یہ نہیں کہ رسول اللہؐ نے مجھے ہی رازداری سے ان کے متعلق بتایا ہو بلکہ حضور نے ایک مجلس میں انہیں بیان کیا جس میں میں بھی حاضر تھا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فتنوں کا شمار کرتے ہوئے فرمایا ان میں سے تین ایسے فتنے ہیں جو کسی چیز کو نہیں چھوڑیں گے اور ان میں سے کئی فتنے موسم گرما کی آندھیوں کی طرح ہیں ان میں بعض چھوٹے ہیں اور بعض بڑے ہیں۔ حضرت حذیفہ نے فرمایا ان حاضرینِ مجلس میں سے اب میرے سوا کوئی باقی نہیں۔

۲۔ انہی حضرت حذیفہ سے مروی ہے۔ آپ نے فرمایا:

"واللہِ مَا ادری انسی اَصْحَابِی اَمْ تَنَاسَوْا، واللہِ مَاتَرَکَ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم من قائد الفتنۃ الی ان تنقضیَ الدنیا یَبْلُغُ مَنْ معہ ثلاثُ مائۃ فَصَاعِداً اِلَّا قَدْ سَمَّاہُ لَنَا بِاِسْمِہٖ وَ اِسْمِ ابیہ واسم قبیلتہٖ (ابوداؤد کتاب الفتن)

ترجمہ: حضرت حذیفہ کہتے ہیں بخدا میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھیوں نے اسے فراموش کر دیا یا دانستہ انجان بنے بیٹھے ہیں۔ بخدا اختتامِ دُنیا تک جتنے فتنے برپا ہونے والے ہیں ان کے ایسے قائد جن کے پیرو تین سو یا زائد ہوں گے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایسے قائد کا نام، اس کے باپ کا نام اور اس کے قبیلے کا نام ہمارے سامنے ذکر فرمایئے۔

ان ارشادات سے مقصد یہ تھا کہ اُمّت اسلامیہ ان فتنہ بازوں کے دامِ فریب میں پھنس کر راہِ حق سے منحرف نہ ہو جائے۔ کوئی بدقماش ان کی متاعِ ایمان کو لوٹ کر نہ لے جائے۔

ان تمام فتنوں میں سب سے زیادہ مہلک فتنہ وہ تھا جو انکارِ ختم نبوت کی صورت میں نمودار ہونے والا تھا۔ کئی طالع آزما اپنی ناموری اور شہرت کے لیے نبوت کا سوانگ رچانے والے تھے۔ ان لوگوں کی فتنہ انگیزیوں سے صرف یہی نہیں کہ مملکت اسلامیہ کا امن و سکون برباد ہونے والا تھا۔ لوگوں کے ایمان و یقین میں شک و ارتیاب کا زہر گھولا جانے والا تھا بلکہ اس سے بھی زیادہ یہ فتنہ ملّت اسلامیہ کی وحدت اور یکجہتی کو پارہ پارہ کرنے والا تھا اور اسلام میں تحریف و تغیّر کا ایسا دروازہ کھل لنے والا تھا۔ جس سے اس چشمۂ فیض کے مکدّر ہو جانے کا اندیشہ تھا، اس لیے سرورِ کونین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے خصوصیت سے اس فتنے کا ذکر کر کے اپنے غلاموں کو ہوشیار کر دیا کہ وہ ایسے جھوٹے اور کذّاب مدّعیانِ نبوت کے چنگل میں اسیر نہ ہو جائیں۔ حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ...... وَ اِنَّہ سَیَکُوْنُ فِی اُمّتی کذابون ثلاثون کُلُّھم یزعم انّہٗ نبیٌّ وانا خاتم النبیین لَا نبیَّ بعدی۔

ترجمہ: یعنی میری اُمّت میں تیس جھوٹے نمودار ہوں گے۔ ان میں ہر ایک دعویٰ کرے گا کہ وہ نبی ہے حالانکہ

میں خاتم النبیین ہوں، میرے بعد کسی قسم کا کوئی نبی نہیں آسکتا۔

اسی مفہوم کی ایک دوسری حدیث ہے جس کے راوی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں جس میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: لا تقوم الساعۃ حتیٰ یبعث دجالون کذابون قریبًا من ثلاثین کلھم یزعم انہ رسول اللہ۔ (مسلم ج ۲ ص ۳۹۷)

یعنی قیامت قائم نہیں ہوگی جب تک تیس کے قریب دجّال اور کذّاب نمودار نہ ہوں۔ ہر ایک ان میں سے یہ دعویٰ کرے گا کہ وہ رسول اللہ ہے۔

آپ ان احادیث میں مکرّر غور فرمایئے۔ ہادیٔ برحق نے کتنی فصاحت سے اپنی اُمّت کو ایسے بدبخت لوگوں کی شرانگیزیوں سے متنبہ فرما دیا۔ پہلی حدیث میں ارشاد فرمایا کہ وہ تیس کذاب دعویٰ کریں گے کہ وہ نبی ہیں حالانکہ میں خاتم النبیین ہوں۔ پھر خاتم النبیین کی تشریح بھی خود فرما دی کہ کوئی محرّف اس کی غلط تاویل کر کے لوگوں کو گمراہ نہ کردے، فرمایا "لا نبیّ بعدی" میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ دوسری حدیث میں ان جھوٹے مدّعیانِ نبوّت کو کذّاب کے ساتھ ساتھ دجّال بھی فرمایا گیا ہے۔ لغتِ عرب میں دجّال کی یہ تشریح کی گئی ہے۔ الدجال المموّہ۔ وسمی دجّالا لتمویھہ علی الناس وتلبیسہ وتزیینہ الباطل (لسان العرب)

یعنی دجّال ملمع ساز کو کہتے ہیں جو لوہے پر سونے کا پانی چڑھا کر لوگوں کو دھوکا دے۔ دجال کو دجال اس لیے کہا جائے گا کہ وہ لوگوں کے سامنے چکنی چپڑی باتیں کرے گا، باطل کو حق کا لباس پہنائے گا اور اس کو اپنی لن ترانیوں سے مزین و آراستہ کر کے لوگوں کے سامنے پیش کرے گا۔

ان واضح تصریحات کے بعد ہر وہ شخص جو نبی مکرم رسولِ معظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر صدقِ دل سے ایمان لایا ہے اور حضور کے جملہ ارشادات کو برحق اور سچ تسلیم کرتا ہے، وہ کبھی بھی کسی ملمع ساز کے دجل و فریب کا شکار ہو کر عقیدۂ ختمِ نبوّت سے انکار نہیں کرسکتا اور نہ کسی کی چرب زبانی سے متاثر ہو کر اس کی نبوّت کا اقرار کرسکتا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان روشن ارشادات سے تمام فرزندانِ اسلام پر حجّت تمام کردی۔ اب اگر کوئی گمراہی کے اس غلیظ اور گہرے گڑھے میں گرنا چاہتا ہے، تو اس کی مرضی۔ اس کے مرشدِ کامل نے تو اس کو سمجھانے کا حق ادا کردیا!

جب نبی صادق و مصداق نے یہ فرمایا کہ تیس دجّال، کذّاب قیامت سے پہلے نبوّت کا دعویٰ کریں گے، تو پھر یہ کیسے ممکن تھا کہ ایسا نہ ہوتا۔ چنانچہ اُمّتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا افضل الصلوٰۃ والسلام کی چودہ صد سالہ تاریخ حضورؐ کی اس پیش گوئی کی تصدیق کر رہی ہے۔ جھوٹے مدّعیانِ نبوت کا سلسلہ خلافتِ صدیقی میں ہی شروع ہوگیا تھا اور یہ سلسلہ مسلسل جاری رہا یہاں تک کہ مرزا غلام احمد قادیانی آنجہانی تشریف فرما ہوئے۔ ان کے دعاوی، ان کی تعلیمات، ان کے فرمودات اور ان کے طریقہ کار کا بنظرِ غائر مطالعہ کیا جائے تو ان میں ہمیں کوئی جدّت نظر نہیں آتی۔ ایسے معلوم ہوتا ہے کہ اُنہوں نے اپنے سابقہ پیشروؤں کی تعلیمات اور نظریات سے پُوری طرح استفادہ کیا ہے۔ اور متفرق لوگوں سے متفرق چیزیں لے کر اپنی نبوّت کی دکان سجائی ہے۔ مرزا صاحب ختمِ نبوّت کے قائل بھی ہیں اور ساتھ ہی اپنے آپ کو نبی بھی کہتے ہیں۔ اس تضاد کو انہوں نے

یہ کہہ کر دُور کیا ہے کہ حقیقی نبی تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں اور میں ظلی اور بروزی نبی ہوں۔ درحقیقت یہ تاویل کتنی ہی بھونڈی کیوں نہ ہو بہرحال مرزا صاحب کی ذہنی سطح سے بلند تر ہے۔ ظاہر بین شخص ضرور اس ندرتِ آفرینی پر حیران ہو جاتا ہے لیکن درحقیقت یہ مرزا صاحب کا سرقہ ہے جو اُنہوں نے اپنے ایک پہلے پیشرو اسحاق افرس مغربی مدعیٔ نبوت سے کیا ہے۔ یہ کمبخت شمالی افریقہ کا رہنے والا تھا، اس نے تمام علوم رسمیہ کی تکمیل کی۔ مختلف زبانیں سیکھتا رہا اور قرآنِ کریم کے علاوہ تورات، انجیل، زبور میں بھی مہارتِ تامہ حاصل کی، پھر اپنے وطن سے نقلِ مکانی کر کے بہت دُور اصفہان میں آ پہنچا اور ایک عربی مدرسہ میں قیام کیا اور دس سال تک گونگا بنا رہا۔ ایک رات اچانک اس نے زور زور سے چیخنا شروع کر دیا۔ مدرسہ کے تمام لوگ بیدار ہو گئے۔ جب اس کے پاس پہنچے، وہ نماز میں مشغول ہو گیا اور ایسی خوش الحانی اور تجوید کے ساتھ باآوازِ بلند قرآن پڑھنے لگا کہ بڑے بڑے قاری بھی عش عش کر اُٹھے۔ جب لوگوں کے دلوں پر اس کی دھاک بیٹھ گئی، تو اس نے ایک دن اپنے نبی ہونے کا اعلان کر دیا۔ جس طریقہ سے اس نے اپنی نبوت کا اعلان کیا وہ قابلِ غور ہے۔ کہنے لگا: "فرشتہ نے ایک سفید سی چیز میرے منہ میں رکھ دی۔ یہ تو معلوم نہیں وہ چیز کیا تھی البتہ اتنا جانتا ہوں، وہ شہد سے زیادہ شیریں، مشک سے زیادہ خوشبودار اور برف سے زیادہ سرد تھی۔ اس نعمتِ خداوندی کا حلق سے نیچے اُترنا تھا کہ میری زبان گویا ہو گئی اور میرے منہ سے یہ کلمہ نکلا اشهد ان لا اله الا الله و اشهد ان محمدا رسول الله ...... یہ سُن کر فرشتوں نے کہا کہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی طرح تم بھی رسول اللہ ہو۔ میں نے کہا میرے دوستو! تم یہ کیسی بات کر رہے ہو؟ مجھے اس سے سخت حیرت ہے، بلکہ میں تو عرقِ خجالت میں ڈوبا جاتا ہوں۔ فرشتے کہنے لگے۔ خدائے قدوس نے تمہیں اس قوم کے لیے نبی مبعوث فرمایا ہے۔ میں نے کہا کہ جناب باری نے تو سیدنا محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام روحی فداہ کو خاتم الانبیاء قرار دیا اور آپ کی ذاتِ اقدس پر نبوت کا سلسلہ ہمیشہ کے لیے بند کر دیا۔ اب میری نبوت کیا معنیٰ رکھتی ہے کہنے لگے درست ہے۔ مگر محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی نبوت مستقل حیثیت رکھتی ہے اور تمہاری بالتبع اور ظلی و بروزی ہے۔" (ائمہ تلبیس مذ!!)

مرزا صاحب نے اس موضوع پر جو طومار لکھے ہیں، ان کا آپ مطالعہ فرمائیے۔ یہی چیز ہے جس میں ہیر پھیر کر کے اُنہوں نے اپنی نبوت کا سوانگ رچایا ہے۔

مرزا صاحب نے وحی کا جو اندازا پنایا ہے وہ بھی ان کے قاری کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیتا ہے۔ قرآن کریم کی آیت کا کوئی حصہ لیا، حدیث کا کوئی فقرہ چرایا، ایک دو لفظ اپنی طرف سے بڑھا دیے اور اُسے وحی کا نام دے کر سادہ لوح لوگوں پر اپنی نبوت کا رعب جمایا، لیکن ان کا یہ انداز بھی طبع زاد نہیں بلکہ اس کوچۂ ضلالت میں جو لوگ پہلے آوارہ گردی کرتے رہے انہی کی ان صاحب نے بھی نقل اُتارنے کی کوشش کی ہے۔ حمدان بن اشعث ایک صاحب گزرے ہیں۔ اس نے بھی مہدی ہونے کا دعویٰ کیا اور امام محمد بن حنفیہ کے فرزند احمد کی رسالت کا اعلان کیا۔ اس نے اپنے معتقدین کو ایک خود ساختہ سورت نماز میں پڑھنے کی تلقین کی اس سورت کے چند فقرے آپ بھی ملاحظہ فرمائیے:

الحمد لله بكلماته وتعالىٰ باسمه ـــ قُل ان الاهلة مواقيت للناس ظاهرها ليُعلم عدد السنين والحساب ـــ اتقونی یا اولی الالباب وانا الذی لا اُسئل عما افعل وانا العليم الحكيم - الخ

مرزا صاحب نے بھی بیشمار دعوے کیے ہیں۔ مَیں مسیح ہوں، مَیں عیسٰی ہوں، مَیں مہدی ہوں وغیرہ وغیرہ ان دعاوی میں بھی انہوں نے اپنے استاد حمدان بن اشعث کا ہی اتباع کیا ہے۔ حمدان کے استاد اوّل قرمط نے اپنے پیروؤں پر رات دن میں پچاس نمازیں فرض کیں جب انہوں نے اس سے شکوہ کیا کہ نمازوں کی کثرت نے انہیں دنیاوی اشغال اور کسبِ معاش سے روک دیا ہے۔ تو بولا، اچھا میں اس کے متعلق ذات باری سے رجوع کروں گا چنانچہ چند روز بعد لوگوں کو ایک نوشتہ دکھانے لگا جس میں حمدان کو خطاب کر کے لکھا تھا کہ تم ہی مسیح ہو۔ تم ہی عیسےٰ ہو۔ تم ہی کلمہ ہو۔ تم ہی مہدی ہو۔ تم ہی محمد بن حنفیہ ہو، تم ہی جبریل ہو۔ اس کے بعد کہنے لگا کہ جناب مسیح بن مریم میرے پاس انسانی صورت میں آئے اور مجھ سے فرمایا کہ تم ہی داعی ہو، تم ہی حجت ہو۔ تم ہی ناقہ ہو۔ تم ہی دابۃ ہو۔ تم ہی روح القدس ہو اور تم ہی یحیٰی بن زکریاؑ ہو۔ مرزا صاحب آنجہانی نے اسی حمدان کے الفاظ کو کچھ اضافوں کے ساتھ دہرایا ہے۔ البتہ ان نابکاروں میں سے کسی کو یہ جرأت نہ ہوئی کہ وہ اپنے آپ کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کہہ سکتا یہ گستاخی اور دنائت مرزا قادیانی کے لیے ہی مختص تھی۔

مرزا صاحب نے بھی اپنی صداقت کے لیے یہ دعویٰ کیا ہے کہ میں عربی میں قصیدہ لکھ سکتا ہوں، مَیں عربی میں تفسیر لکھ سکتا ہوں مرزا صاحب کا یہ دعویٰ بھی محض لغو اور لچر ہے انہوں نے جو اشعار عربی میں لکھے ہیں اور جو عربی نثر لکھی ہے ذوق سلیم کو اس سے گھن آتی ہے اہل زبان نے اسے کبھی بھی لائق التفات نہیں سمجھا بلکہ اسے اغلاط کا پلندہ کہا ہے خود ہند و پاک کے علماء نے اس کے ایک ایک صفحہ میں بیسیوں اغلاط کی نشاندہی کی ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ اس کی بیشتر عبارتیں سرقہ ہیں اور فضلاء نے ان مقامات کی نشاندہی کی جہاں سے مرزا صاحب نے سرقہ کیا ہے۔ ایسے آدمی کو یہ زیب نہیں دیتا کہ اس قسم کی ڈینگیں مارے بفرض محال اگر وہ عربی کے نغز گو شاعر یا صاحب طرز ادیب تسلیم کر بھی لیے جائیں تو اس سے ان کی نبوّت کیسے ثابت ہو سکتی ہے کیا ان سے بہتر ہزارہا شعراء اور نثر نگار اد با نہیں گزرے ہیں جن کے سامنے انہیں یارائے تکلم بھی نہیں۔ اگر اس قسم کی اناپ شناپ عربی لکھ کر یہ انسان نبی بن سکتا ہے تو متنبی، ابو نورس، فرزدق، جریر نے کیا گناہ کیا تھا کہ وہ شرف نبوّت سے محروم رہے مرزا صاحب نے یہ دلیل بھی از خود پیش نہیں کی بلکہ یہ بھی اپنے ایک پیشرو سے اخذ کی ہے۔ مرزا علی محمد باب نے جب مہدی موعود ہونے کا دعویٰ کیا۔ تو ایران کے علماء نے ان سے پوچھا کہ اپنی کوئی کرامت بیان کیجئے جس سے ثابت ہو کہ واقعی آپ مہدی موعود ہیں۔ باب نے کہا میری کرامت یہ ہے کہ میں ایک دن میں ایک ہزار بیت لکھتا ہوں۔ علماء نے کہا اگر یہ بیان صحیح بھی ہو تو اس سے صرف اتنا ثابت ہو گا کہ تم ایک زود نویس کاتب ہو۔ مہدیت کیسے ثابت ہو سکتی ہے۔ متنبی کو بھی کچھ عرصہ اپنی قادر الکلامی نے نبوّت کا دعوے کر کے قسمت آزمائی پر برانگیختہ کیا تھا، لیکن اسے جلد اپنی غلطی کا احساس ہو گیا اور بیچارے مرزا صاحب آخر وقت تک فریب نفس میں مبتلا رہے۔

قُرۃ العین طاہرہ مرزا علی محمد باب کی عقیدت مند تھی۔ وہ خود بھی ضال اور مضلّ تھا اور یہ بھی ساری عمر دشتِ ضلالت میں خاک بسر رہی۔ اس نے باب کی شان میں بھی عقائد لکھے ہیں لیکن بیان میں وہ زور ہے۔ کلام میں وہ بلا کی آمد ہے، ذوق و شوق کا وہ عالم ہے کہ درد و سوز الفاظ کے آبگینوں سے چھلکتا ہوا محسوس ہوتا ہے ایک باطل شعار اور گمراہ کے کلام کا مطالعہ کرنے سے ایک عجیب سی کیفیت دل میں پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کے برعکس مرزا صاحب کا کلام اپنے متکلم کی طرح عبوس قمطریرا کے

رنگ میں ڈوبا ہوا ہے۔ آپ چند شعر طاہرہ قرۃ العین کے پڑھیے جو اس نے باب کی محبت میں وارفتہ ہو کر لکھے ہیں۔ کہتی ہے:

گر بتو افتدم نظر چہرہ بچہرہ رو برو — شرح دہم غم ترا نکتہ بنکتہ مو بمو
از پئے دیدنِ رخت ہمچو صبا فتادہ ام — خانہ بخانہ در بدر کوچہ بکوچہ کو بکو
می رود از فراق تو خون دل از دو دیدہ ام — دجلہ بدجلہ یم بیم چشمہ بچشمہ جو بجو
در دل خویش طاہرہ گشت و نیافت جز ترا — صفحہ بصفحہ لا بلا پردہ بپردہ تو بتو

بیچارے مرزا علی محمد باب کو بھی یہ خبط سوار تھا کہ قرآن کریم کی آیات کو اپنے اوپر چسپاں کیا کرتے چنانچہ "وَلقد کتبنا فی الزبور من بعد الذکر ان الارض یرثہا عبادی الصالحون" کی تفسیر کرتے ہوئے باب کے مشہور مرید حاجی مرزا جانی بابی نے لکھا ہے کہ آیت میں لفظ ذکر سے مراد علی محمد باب ہے۔ مرزا صاحب بیچارے بھی ان آیات طیبات کو اپنے اوپر بڑی ڈھٹائی سے چسپاں کرتے رہے جو خاتم الانبیاء احمد مجتبےٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں نازل ہوئی تھیں جن کا تذکرہ قدرے تفصیل کے ساتھ آگے آرہا ہے۔

ان چیزوں کے بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ آپ کو یہ علم ہو جائے کہ مرزا صاحب کے سارے دعوے ان کی ساری دلیلیں، ان کی تعلّیاں اور ان کا انداز کار ان کا طبعزاد نہیں بلکہ ان سے پہلے جو بد قماش اور بد طینت لوگ گلشنِ اسلام کو برباد کرنے کے لیے مختلف لباس پہن کر آتے رہے ہیں ان صاحب نے ان سے ہی دریوزہ گری کی ہے۔ البتہ ایک چیز میں مرزا صاحب بالکل منفرد اور یکتا نظر آتے ہیں ان کے پیشروؤں میں سے کسی میں یہ جرأت نہیں کہ اس وصف میں مرزا صاحب آنجہانی کی ہمسری تو کجا، محض شرکت کا بھی دعویٰ کر سکے۔ ان سے پہلے جتنے جھوٹے مدّعیان نبوّت اور مہدویت گزرے ہیں۔ انہوں نے اپنی مخالف حکومتوں سے ٹکر لی ہے۔ بڑی عزیمت اور بہادری کے ساتھ ان کا مقابلہ کیا ہے۔ اپنے دعویٰ کی سربلندی کے لیے خون کے دریا بہائے ہیں۔ اپنی جانیں قربان کی ہیں۔ شجاعت و بہادری کی دنیا میں انمٹ نقوش چھوڑے ہیں لیکن جناب مرزا غلام احمد قادیانی نے ساری عمر انگریزوں کی کاسہ لیسی کی ہے۔ حکّامِ وقت کی خوشامد اور ثناگستری میں اپنی ساری عمر برباد کی ہے۔ اس میں اور اسکے ماننے والوں میں کبھی یہ جرأت نہ ہوئی کہ وہ اسلام کے دشمنوں سے نبرد آزمائی کا خیال بھی دل میں لا سکیں۔ ملّتِ اسلامیہ کے عام افراد انگریزی استعمار کے قلعہ کی بنیادیں کھودتے رہے، قید ہوتے رہے، کوڑے کھاتے رہے، تختۂ دار پر مسکراتے ہوئے جان دیتے رہے لیکن مرزا صاحب، ان کے خلفاء اور ان کے مریدوں نے ہمیشہ باطل کی کاسہ لیسی میں ہی اپنی عزّت سمجھی۔

اسلام کی تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ جب بھی اور جہاں بھی کسی نے ختمِ نبوت کے عقیدہ کے خلاف سازش کی اور اپنی نبوّت کا سوانگ رچایا ملت اسلامیہ کے اجتماعی ضمیر نے اسے اپنی صفوں سے خارج کر دیا اور ان کی کسی تاویل کو بھی در خورِ اعتنا نہ جانا۔ ایسے فتنہ بازوں کے خلاف اعلانِ جہاد کیا اور جب تک اس فتنہ کو جڑ سے اکھیڑ کر پھینک نہیں دیا، اس وقت تک آرام کا سانس نہ لیا۔ اس جہاد میں کسی جانی اور مالی اور وقت کی قربانی سے دریغ نہیں کیا گیا۔ یہاں ہندوستان میں مرزا غلام احمد صاحب کی دکان اس لیے چل نکلی کہ یہاں کوئی آزاد مسلمان فرمانروا نہ تھا۔ انگریز جیسے دشمن دین و ایمان کی عملداری تھی۔ یہ اُمّت اور اس کا جھوٹا نبی ان کی خوشامد اور بے جا ستائش میں میراثیوں سے بھی چار قدم آگے تھے نیز انگریز کی سیاسی مصلحتیں بھی اسکی

متقاضی تھیں کہ یہ فتنہ پھلے پھولے تاکہ ملّت اسلامیہ ذہنی انتشار و افتراق کا شکار ہو کر کمزور ہو جائے ۔ بیرونِ ہند جہاں بھی کوئی مسلمان حکمران تھا وہاں مرزائیت کے مبلغ جب پہنچے تو اُن کے ساتھ جو سلوک ہُوا اس کی یاد سے مرزائی مبلغوں پر آج بھی لرزہ طاری ہو جاتا ہے ۔

ہر زمانہ میں اور ہر جگہ منکرین ختم نبوّت کے خلاف اس اجتماعی اور یکساں ردّ عمل سے کیا یہ واضح نہیں ہو جاتا کہ ختم نبوّت کا عقیدہ ملّت اسلامیہ کے لیے رُوح کی حیثیت رکھتا ہے جو شخص اس سے انحراف کرتا ہے وہ ملّتِ اسلامیہ کا فرد نہیں رہ سکتا بلکہ وہ مرتد ہے اور لائق گردن زدنی ۔ اسی لیے حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص کسی مدّعی نبوّت سے اس کی صداقت پر فقط دلیل طلب کرے تو وہ بھی دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے ۔

الف لیلہ کے سند باد جہازی کا سفرنامہ تو آپ نے مزے لے لے کر پڑھا ہو گا آیئے آج آپ کو قادیان کے منچلے سند باد جہازی کی داستانِ سفر سنائیں یہ اُس سے بھی زیادہ ورطہ حیرت میں ڈالنے والی اور دلچسپ ہے ۔ تفصیل کی گنجائش نہیں صرف موٹی موٹی باتیں عرض کروں گا کہ کس طرح مرزا صاحب سیالکوٹ میں ڈپٹی کمشنر کی کچہری میں دس پندرہ رُوپے کی ملازمت اختیار کرنے کے بعد اور پھر مختاری کے امتحان میں فیل ہونے کے بعد نبوّت کے قصر رفیع میں ایک مرصّع اور زرنگار تخت پر جلوہ افروز ہو گئے :۔

ابتدا میں یہ عام مسلمانوں کی طرح ختم نبوّت کے قائل تھے اور حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کے بعد کسی نبی کے آنے اور اس پر نزول وحی کو محال سمجھتے تھے اور ایسا دعویٰ کرنے والے کو کافر اور کاذب کہا کرتے تھے چنانچہ ان کی اپنی تحریروں سے چند اقتباسات پیش خدمت ہیں ۔ ازالہ اوہام جلد ۲ صفحہ ۳۱۰ پر رقمطراز ہیں :

" قرآن کریم ، بعد خاتم النبیین کے کسی رسول کا آنا جائز نہیں رکھتا ۔"

اسی کتاب کی جلد دوم صفحہ ۲۹۲ پر لکھتے ہیں :

" ماکان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین ۔ یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلّم تم میں سے کسی مرد کا باپ نہیں ہے مگر وہ رسُول اللہ ہے اور ختم کرنے والا ہے نبیوں کا ۔ یہ آیت بھی صاف دلالت کر رہی ہے کہ بعد ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کے کوئی رسول دُنیا میں نہیں آئے گا ۔"

تیسرا حوالہ ملاحظہ ہو فرماتے ہیں :

" یہ بات مستلزم محال ہے کہ خاتم النبیین کے بعد جبریل علیہ السلام کی وحی رسالت کے ساتھ زمین پر آمد و رفت شروع ہو جائے اور ایک نئی کتاب اللہ گو مضمون میں قرآن شریف سے توارد رکھتی ہو ، پیدا ہو جائے اور جو امر مستلزم محال ہو وہ محال ہوتا ہے ۔"

(ازالۃ الاوہام جلد ۲ صفحہ ۲۴۱)

آخر میں ایک اور حوالہ سنیے جس میں مرزا صاحب نے صاف الفاظ میں ایسے شخص کو کافر اور کاذب کہا ہے جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد نبوّت کا دعویٰ کرے :

" سیّدنا و مولانا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلّم ختم المرسلین کے بعد کسی دوسرے مدّعی نبوّت اور رسالت کو کاذب اور

کافر جانتا ہوں۔" (دین الحق ص ۲۷)

یہ خیال رہے کہ مرزا صاحب کے یہ ارشادات اس زمانہ سے تعلق نہیں رکھتے جب وہ دس پندرہ روپے کے مشاہرہ پر سیالکوٹ کچہری میں ایک معمولی ملازم تھے یا ابھی وہ کورانہ تقلید کی منزل طے کر رہے تھے۔ بلکہ یہ اس زمانے کی تحریریں ہیں جب کہ ان پر ان کے قول کے مطابق براہِ راست الہام ہوا کرتا تھا اور معارف قرآن کا ان کے دل میں منجانب اللہ القا ہوا کرتا تھا۔ آگے چل کر انہوں نے ان عقائد کے برعکس نئے عقائد کو اپنایا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس زمانہ کے الہامات جن کو وہ من جانب اللہ خیال کر رہے تھے وہ شیطانی الہامات تھے ان کا حق وصداقت سے کوئی ربط نہ تھا یہ بھی ممکن ہے بلکہ حق یہ ہے کہ ان کے بعد والے خیالات جنہیں وہ وحی الٰہی کہنے پر مُصر ہیں وہ ابلیس لعین کی وسوسہ انگیزیاں تھیں۔ ان کا حق وصداقت سے دُور کا بھی واسطہ نہ تھا۔ ورنہ یہ کیسے تسلیم کیا جائے کہ ایک مرتبہ تو من جانب اللہ انہیں یہ القا ہو کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد کسی رسول کا آنا جائز نہیں اجرائے نبوت محال ہے اور جو نبوت کا دعوےٰ کرے وہ کاذب اور کافر ہے اور اسی خدا کی طرف سے یہ وحی ہو کہ تو نبی ہے اور رسول ہے۔ اللہ تعالےٰ کی جانب سے اس بین تضاد کی نسبت کو جہالت اور حماقت کے سوا اور کیا کہا جاسکتا ہے۔

کچھ عرصہ اپنے آپ کو ملہم اور محدث کہتے رہے۔ جب معتقدین کا ایک حلقہ میسر آگیا، تو بڑی بے باکی سے ایک قدم آگے بڑھایا اور اپنی نبوت کا اعلان کر دیا۔ آپ بھی ذرا ان کے اعلانِ نبوت کی شان اور طمطراق ملاحظہ فرمایئے۔ فرماتے ہیں:

۱۔ "میں اس خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اس نے مجھے بھیجا ہے اور اسی نے میرا نام نبی رکھا ہے۔" (تتمہ حقیقت الوحی ص ۵۰۳)

۲۔ دوسرا ارشاد یہ ہے:

"نبی کا نام پانے کے لیے میں مخصوص کیا گیا۔" (حقیقت الوحی صفحہ ۴۰۶)

دافع البلا میں اپنے بارے میں ڈینگ مارتے ہوئے لکھتے ہیں:

"تیسری بات جو اس وحی سے ثابت ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ بہرحال جب تک کہ طاعون دُنیا میں رہے گو ستر برس تک رہے قادیان کو اس کی خوفناک تباہی سے محفوظ رکھے گا کیونکہ یہ اس کے رسول کا تخت گاہ ہے۔" (دافع البلا ص ۱۰)

اسی صفحہ پر آگے لکھتے ہیں:

"اب اگر اللہ تعالیٰ کے رسول اور اس نشان سے کسی کو انکار ہو کہ فقط رسمی نمازوں اور دعاؤں سے ۔ ۔ ۔ باوجود مخالفت اور دشمنی اور نافرمانی اس رسول کے طاعون دُور ہو سکتی ہے، تو یہ خیال بغیر ثبوت کے قابل پذیرائی نہیں۔"

مرزا صاحب کی تصنیفِ لطیف "ایک غلطی کا ازالہ" کا ایک حوالہ بھی پیشِ خدمت ہے۔ ایک جگہ لکھتے ہیں:

"خدا تعالیٰ کی وہ پاک وحی جو میرے پر نازل ہوتی ہے، اس میں ایسے لفظ رسول اور مُرسل اور نبی کے موجود ہیں۔ نہ ایک دفعہ بلکہ صدہا دفعہ۔" (ایک غلطی کا ازالہ ص ۳)

مرزا بشیر الدین آنجہانی نے مرزا صاحب کی نبوت کے بارے میں جو تشریح کی ہے، اس کے بعد اس مسئلہ میں شک وشبہ

کی گنجائش باقی نہیں رہتی، وہ لکھتے ہیں :

"ہم حضرت مسیح موعود کی نبوّت پر نظر ڈالتے ہیں، تو آپ کی نبوّت میں وہ تمام باتیں پائی جاتی ہیں جو نبی اللہ کے لیے لغت و قرآن و محاورۂ انبیاء گذشتہ سے لازمی معلوم ہوتی ہیں..... پھر یہ کہ آپ کا نام اللہ تعالیٰ نے نبی رکھا۔ پس آپ قرآن کریم و لغت وہ محاورۂ انبیاء گذشتہ کے مطابق نبی تھے"۔ (حقیقت النبوۃ حصہ اوّل صفحہ ۶۳)

اس قسم کے دعاوی سے مرزا صاحب کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔ ان واضح اقتباسات کے مطالعے کے بعد بھی اگر کوئی شخص اس خوش فہمی میں مبتلا ہے کہ مرزا صاحب نے نبوّت کا دعویٰ نہیں کیا وہ صرف اپنے آپ کو مجدد یا مہدی کہا کرتے تھے ایسے شخص کی سادہ لوحی پر جتنا افسوس کیا جائے کم ہے۔

صرف مرزا آنجہانی نے اپنے آپ کو نبی ہی نہیں کہا بلکہ اس کی دریدہ دہنی کا یہ عالم ہے کہ وہ ختم نبوّت کے عقیدے کو لغو اور باطل کہتا ہے اور یہاں تک کہتا ہے کہ ایسا مذہب شیطانی مذہب اور جہنّم کی طرف لے جانے والا ہے۔ اگر یہ مان لیا جائے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد نبوّت کا دروازہ بند ہو چکا ہے تو یہ اس اُمّت کو خیر الامم کہنا جھوٹ ہوگا بلکہ یہ شر الامم ہوگی۔ اسی چیز کو اب انہی کی اپنی عبارتوں میں ملاحظہ فرمایئے۔

"یہ کس قدر لغو اور باطل عقیدہ ہے کہ یہ خیال کیا جائے کہ بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وحی کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند ہو گیا ہے۔ (ضمیمہ براہین احمدیہ ج ۵ صفحہ ۳۵۴)

اس کتاب کے دوسرے مقام پر لکھتے ہیں :

"میں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اس زمانہ میں مجھ سے زیادہ بے زار ایسے مذہب سے اور کوئی نہ ہوگا۔ میں ایسے مذہب کا نام شیطانی مذہب رکھتا ہوں نہ کہ رحمانی۔ اور میں یقین رکھتا ہوں کہ ایسا مذہب جہنّم کی طرف لے جاتا ہے۔" (ضمیمہ براہین احمدیہ جلد ۵۔ صفحہ ۳۵۴)

ایک اور ارشاد سُنیے :

فرماتے ہیں : "گویا اللہ تعالیٰ نے اُمّت کو یہ جو کہا کہ کنتم خیر اُمۃ یہ جھوٹ تھا نعوذ باللہ۔ اگر یہ معنیٰ لیے جائیں کہ آئندہ کے واسطے نبوّت کا دروازہ ہر طرح سے بند ہے تو پھر خیر الامّت کی بجائے شر الامم ہوئی۔"

(الحکم قادیان ۱۷ر اپریل ۱۹۰۳ء)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد نبوّت کا دعویٰ کرنا کوئی آسان کام نہ تھا۔ مرزا صاحب بڑے محتاط انداز سے قدم بڑھا رہے تھے۔ جب ان کے اردگرد عقل دول کے کئی اندھے جمع ہو گئے، تو انہوں نے جھٹ سے اپنے نبی ہونے کا اعلان کر دیا۔ ان کی جماعت میں بھی اس پر ہیجان پیدا ہوا۔ چند لوگ ان سے الگ ہو گئے۔ لیکن جو بچ گئے وہ ان کے لیے لبا غنیمت تھے۔ اب راستہ صاف تھا قدم بہ قدم بڑھاتے گئے۔ اپنی عظمتِ شان اور دیگر انبیاء کی تنقیص ان کا شیوہ رہا لیکن عام لوگوں کو دھوکہ دینے کے لیے جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر کرتے تو بڑے مؤدبانہ انداز سے اپنے آپ کو حضور کا ادنیٰ غلام کہتے اور اپنی نبوّت کو حضور کا فیضانِ نبوّت تسلیم کرتے۔ اس طرح انہوں نے کئی اور برگشتہ قسمت لوگوں کو اپنے دامِ تزویر میں پھانس لیا، تو اب انہوں نے اپنے آپ کو

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ہم پلہ اور ہم پایہ کہنا بھی شروع کر دیا۔ چنانچہ ان کی ایک بڑ ملاحظہ ہو۔ لکھتے ہیں۔

"دُنیا میں کوئی نبی نہیں گذرا جس کا نام مجھے نہیں دیا گیا۔ میں آدم ہوں، میں نوح ہوں، میں ابراہیم ہوں ......
میں محمد ہوں (صلی اللہ علیہ وسلم) یعنی بروزی طور پر۔" (تتمہ حقیقت الوحی صفحہ ۵۲۱)

حدیث پاک میں ہے : اِذَا لَمْ تَسْتَحِیْ فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ ۔ جب تو حیا کی چادر اُتار دے، تو پھر جو چاہے کرتا رہ۔ مرزا صاحب نے بھی شرم و حیا کو بالائے طاق رکھ دیا اور واہی تباہی باتیں شروع کر دیں۔ بھلا ان پاک انبیاء سے مرزا صاحب کو کیا نسبت ہو سکتی ہے۔ آدم علیہ السلام کے علم کا یہ حال ہے کہ عَلَّمَ آدَمَ الْاَسْمَاءَ کُلَّھَا کی شان عطا ہوئی۔ فرشتے آپ کے علم کے سامنے سرِ تسلیم خم کر رہے ہیں اور مرزا صاحب ہیں کہ مختاری کے امتحان میں فیل ہو رہے ہیں۔
حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں کہ نمرود کی طاغوتی طاقت کو للکارتے ہیں اور بڑی جرأت سے آتش کدہ نمرود میں چھلانگ لگا دیتے ہیں اور مرزا صاحب ہیں کہ ساری عمر انگریزوں کی خوشامد اور ثنا گستری میں گذار دیتے ہیں۔ ع

چہ نسبت خاک را بہ عالم پاک

ایک جگہ لکھتے ہیں : "براہین احمدیہ میں میرا نام محمد اور احمد رکھا ہے۔" (ایک غلطی کا ازالہ ص ۱۰)
درثمین کا ایک شعر بھی سماعت فرمایئے : ؎

احمد آخر زماں نام من ست　　آخریں جام ہمیں جام من ست

کہ میرا نام احمد آخر زماں ہے اور میرا جام ہی سب سے آخری جام ہے۔ یعنی حضور تو خاتم النبیین نہیں میں خاتم النبیین ہوں۔
جب ایک غلام اپنے آقا کی مسند پر بیٹھنے کی گستاخی کرے تو ایسے غلام کو آپ کیا کہیں گے۔

اس گستاخ بارگاہ رسالت نے فقط اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اپنے آپ کو سید الاولین والآخرین امام الانبیاء والمرسلین حبیبِ خدا محبوب ربّ العالمین صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے آپ کو افضل تک بھی کہہ دیا ہے۔ اپنے خطبہ الہامیہ کے صفحات ۲۷۰ تا ۲۷۲ میں لکھتے ہیں کہ

"ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح پانچویں ہزار سال میں مبعوث ہوئے۔ اس طرح چھٹے ہزار سال کے آخر میں مسیح موعود (غلام احمد قادیانی) کے پیکر میں جلوہ نما ہوئے۔ حضور کا پہلا ظہور منتہائے کمال کو پہنچا ہوا نہیں تھا لیکن یہ ظہور کامل اور اکمل ہے۔"

آخر میں کہتا ہے : بل الحق ان روحانیتہ علیہ السلام کان فی آخر الالف السادس اعنی فی ھذہ الایام اشد و اقوی و اکمل من تلک الاعوام بل کالبدر التام ۔ (خطبہ الہامیہ ص ۲۷۲)

یعنی حضور کی روحانیت جو چھٹے ہزار سال کے آخر میں ظاہر ہوئی ہے۔ پہلے سالوں سے زیادہ شدید، زیادہ طاقتور اور مکمل ہے بلکہ پہلے سے اس کو وہ نسبت ہے جو چودھویں کے چاند کو ہلال سے ہے۔"

اس کا صاحب مطلب یہ ہے کہ یہ گستاخ اپنے آپ کو چودھویں کا چاند کہہ رہا ہے اور حضور کو ہلال سے تشبیہ دے رہا ہے۔
اے مرزائیو ! لقد جئتم شیئا ادا۔ تکاد السموات یتفطرن منہ وتنشق الارض وتخر

دسمبر ۴، ۱۹۷۰ء

الجبال ھدا۔

ان خرافات سے بھی زیادہ دلوں کو مجروح کرنے والی وہ تحریفات ہیں جو مرزا صاحب آنجہانی نے ان آیاتِ الٰہیہ میں روا رکھیں جن میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو مختلف انعامات و احسانات سے سرفراز فرمایا۔ اس نے ازراہِ گستاخی صراحۃً یہ کہنا شروع کردیا کہ یہ آیات میرے بارے میں نازل ہوئی ہیں۔ چنانچہ اربعین ۳ صہ ۳۲ پر لکھتا ہے:

"اللہ تعالیٰ نے اس کو مخاطب کرتے ہوئے کہا وما ارسلنٰک الا رحمۃ للعالمین۔"

نیز اس آیت کے بارے میں بھی کہا کہ یہ بھی میرے حق میں نازل ہوئی۔ داعیا الی اللہ باذنہ و سراجا منیرا۔ (حقیقت الوحی صہ ۳۷)

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو شرفِ معراج سے مشرف فرما کر تمام انبیاء کرام پر فضیلت عطا فرمائی اور اس مقام تک عروج ہوا جہاں کسی کا طائرِ خیال بھی پرواز نہیں کرسکتا لیکن یہ صاحب کہتا ہے کہ یہ آیتیں بھی میرے حق میں نازل ہوئیں۔ سبحان الذی اسریٰ بعبدہٖ لیلا من المسجد الحرام الی المسجد الاقصیٰ۔ و دنا فتدلیٰ۔ فکان قاب قوسین او ادنیٰ۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کی شان بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ اے محبوب! جو تیرے ساتھ بیعت کرتے ہیں۔ ان کے ہاتھوں پر اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہے اور یہ بے ادب کہتا ہے کہ مجھ پر یہ آیت نازل ہوئی اور مجھے کہا گیا۔ ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ۔ ید اللہ فوق ایدیھم۔

پھر کہتا ہے انا اعطیناک الکوثر میں بھی مجھ سے خطاب ہے۔ کہ ہم نے تمہیں کوثر عطا فرمایا (حقیقت الوحی صہ ۱۰۲)

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو مقامِ محمود کی بشارت دی۔ یہ کہتا ہے کہ مجھے الہام ہوا اراد اللہ ان یبعثک مقاما محمودا۔ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تجھے (مرزا) کو مقامِ محمود تک پہنچادے۔ (حقیقت الوحی صہ ۱۰۷)

"ایک غلطی کا ازالہ" کے صہ ۴ پر لکھتا ہے " محمد رسول اللہ والذین معہٗ الآیۃ اس وحی الٰہی میں میرا نام محمد رکھا گیا ہے اور رسول بھی۔

اس کتاب کے اسی صفحہ پر کہتا ہے ھو الذی ارسل رسولہٗ بالھدیٰ و دین الحق لیظھرہٗ علی الدین کلہٖ اس میں صاف طور پر اس عاجز کو رسول کرکے پکارا گیا ہے۔

یہ چند حوالے اس کے طومار خرافات سے مشتِ نمونہ از خروارے کے طور پر نقل کیے گئے ہیں۔ ایک معمولی درجہ کا مسلمان جب ان گستاخیوں اور ہرزہ سرائیوں کو پڑھتا ہے تو اس کا کلیجہ شق ہوجاتا ہے اس کی آنکھوں میں خون اتر آتا ہے۔ کیا ایسے شخص کے دائرہ اسلام سے خارج ہونے کے متعلق ہمیں کسی عالم سے مسئلہ دریافت کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ وہ ہرزہ سرائیاں ہیں جن کی جراٗت اس سے پہلے آنے والے جھوٹے مدعیانِ نبوت کو نہ ہوسکی۔ اسے ہم اپنے ایمان کی کمزوری کہیں یا انگریز کی سنگینوں کا کرشمہ کہ اس کے وجود کو برداشت کیا جاتا رہا۔ ورنہ راجپال اور لیکھ رام وغیرہ کی بکواسیات اس کے مقابلہ میں کوئی وقعت نہیں رکھتیں۔

اب آپ خود فیصلہ کریں کہ وہ عقیدہ جس پر ابتداء سے آج تک امتِ محمدیہ علی صاحبہا افضل الصلوٰۃ والسلام کا اجماع

رہا ہو اور جس زمانہ میں جس کسی نے نبوت کا دعویٰ کیا ہو اسے صرف کافر و مرتد قرار نہ دیدیا گیا ہو بلکہ اس کا استیصال اور قلع قمع کر دیا گیا ہو تو آج ایسا شخص یا گروہ ملتِ اسلامیہ کا جزو کیسے رہ سکتا ہے خصوصاً مرزا غلام احمد جس کی گستاخیاں اور آیاتِ قرآنی میں تحریفات کی یہ کیفیت ہو، اس کو اسلام اپنے ماننے والوں کی صفوں میں کیسے برداشت کر سکتا ہے۔[1]

پاکستان کی قومی اسمبلی کا یہ متفقہ فیصلہ عین حق ہے اور لائق ہزار تحسین و آفرین ہے۔ ہر وہ فرد، ہر وہ جماعت خواہ وہ حزبِ اقتدار ہو یا حزبِ اختلاف اپنی حسنِ نیت اور اخلاص کے مطابق بارگاہِ رب العزت میں اجر و ثواب کی مستحق ہے۔

لیکن اس متفقہ قرارداد کے منظور کرنے کے بعد اس کے چند تقاضے بھی ہیں جنہیں بلا توقف پورا کیا جانا چاہیے تھا لیکن ان کی طرف سے بالکل تغافل برتا جا رہا ہے جو صرف موجودہ حکومت کے لیے ہی نہیں بلکہ پاکستان کی بقاء اور سالمیت کے لیے بھی ہزاروں خطرات کا باعث ہو سکتا ہے۔ مرزائی جماعت پٹیل اور اندرا گاندھی سے بھی زیادہ پاکستان کے بارے میں بداندیش ہے اور ان کے کارکن پاکستان کو کمزور کرنے کے لیے اپنی اپنی جگہ پر بڑی حکمت سے مصروف کار ہیں۔ سر ظفر اللہ جب تک پاکستان کا وزیر خارجہ رہا پاکستان امریکہ کا طفیلی بنا رہا۔ دوسرے ممالک تو بجائے خود اسلامی ممالک میں بھی پاکستان کو لائقِ التفات نہ سمجھا گیا۔ ایم۔ ایم احمد جب تک ہماری اقتصادی اور مالیاتی منصوبہ بندی کا نفسِ ناطقہ بنا رہا پاکستان کی معیشت روبانحطاط رہی۔ قرضوں کا بارِ گراں اور بڑی بے دردی سے ان کا ضیاع اس کے دور کی دو خصوصیات ہیں جن کی سزا ہم بھگت رہے ہیں۔ اس قرارداد کے متفقہ طور پر منظور ہو جانے کے بعد تو ان سے کسی بھلائی کی توقع رکھنا بڑی ہی نادانی ہے۔

یہ طے پایا تھا کہ مرزائیوں کو کلیدی اسامیوں سے فی الفور الگ کر دیا جائے گا تاکہ وہ غلط منصوبہ بندی سے پاکستان کو مزید نقصان نہ پہنچا سکیں یا حکومت کے اہم راز افشا نہ کر سکیں۔ لیکن ہم دیکھ رہے ہیں کہ ابھی تک وہ لوگ کلیدی اسامیوں پر موجود ہیں اور اپنی من مانی کر رہے ہیں۔ ربوہ کالج میں اس فرقہ کی اجارہ داری ختم کرنے کے لیے وہاں کے سٹاف کا دیگر مقامات پر تبادلہ کر دیا تھا، سنا ہے وہ تبادلے یکسر روک دیے گئے ہیں اور ان میں سے کسی کو تبدیل نہیں کیا گیا۔ اس لیے ہم حکومت کی توجہ اس ضروری کام کی طرف مبذول کرانا اپنی قومی فریضہ سمجھتے ہیں۔ اگر ایسا نہ کیا گیا، تو ہو سکتا ہے کہ وہ موجودہ حکومت کو نقصان پہنچانے میں خدانخواستہ کامیاب ہو جائیں۔ اس لیے تمام ذاتی مراسم یا ذاتی منفعتوں کو پسِ پشت ڈالتے ہوئے مرزائیوں کو کلیدی اسامیوں سے فی الفور ہٹا دیا جائے۔ مزید تاخیر کسی وقت بھی ناخوشگوار واقعات کا پیش خیمہ ثابت ہو سکتی ہے۔

اس قرارداد میں یہ بھی طے پایا تھا کہ مرزائیوں کو اپنے باطل عقائد کی تبلیغ کی اجازت نہیں دی گی، لیکن اخبارات میں یہ خبریں شائع ہو رہی ہیں کہ دسمبر میں ان کا سالانہ اجتماع ہو رہا ہے جس میں صرف پاکستانی مرزائی ہی نہیں بلکہ دنیا بھر سے ان کے چیدہ چیدہ لوگ بکثرت شمولیت کر رہے ہیں اور اس جلسہ کو ربوہ کی خلافت بہت زیادہ اہمیت دے رہی ہے۔ یقیناً وہ اس میں اپنے عقائد باطلہ کی تبلیغ کریں گے۔ یقیناً وہ باہمی ایسے مشورے کریں گے جن سے وہ اس قرارداد کو عملاً بے اثر بنا سکیں۔ یقیناً ان

---

[1] قوم کی کسی تعریف کے مطابق قادیانی ملتِ اسلامیہ کا جز نہیں بن سکتے۔ اس مسئلہ پر ضیائے حرم ماہ جولائی کے اداریہ میں تفصیل سے بحث کی گئی ہے۔

کے فتنہ انگیز دماغ اوران کے شوریدہ سر لوگ پاکستان کے داخلی امن کو تباہ و برباد کرنے کے منصوبے بنائیں گے۔ یقیناً وہ ایسی تجویز سوچیں گے بلکہ ایسے فیصلے کریں گے جس سے پاکستان کی عظمت کو بیرونی ممالک میں داغدار کیا جائے اور حکومت کو بدنام کیا جائے۔
ان امور کے علاوہ خدا معلوم وہ اور کیا کیا کریں گے، اس لیے ہم حکومت سے پرزور اور پُرخلوص مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ اس سال ان کے اس جلسہ پر پابندی لگا دے تاکہ یہ شرارتی جماعت ان نازک حالات میں پاکستان کے لیے مزید مُشکلات اور اُلجھنیں پیدا کرنے کا باعث نہ ہو سکے۔ سارے پنجاب میں جلسوں اور جلوسوں پر پابندی ہے نہ کہیں کوئی سیاسی جلسہ ہو سکتا ہے اور نہ کہیں مذہبی کانفرنس منعقد ہو سکتی ہے۔ ان حالات میں مرزائیوں کو جلسہ کی اجازت دینا پرلے درجے کی ناعاقبت اندیشی ہوگی۔
ہمیں توقع ہے کہ حکومت اس بارے میں خود سوچ رہی ہوگی، لیکن اگر اربابِ حکومت دیگر مصروفیات کے باعث ادھر توجہ نہیں دے سکے، تو ضیائے حرم سوادِ اعظم کی طرف سے مرکزی اور صوبائی حکومتوں کو ان کی اس نازک ذمّہ داری کی طرف بروقت توجّہ دلاتا ہے۔

پاکستان میں شیشے کی بہترین اشیاء
صرف
پرائم گلاس ورکس جہلم
سے
دستیاب ہو سکتی ہیں !!
جاری کردہ
مینیجر پرائم گلاس ورکس
جہلم
سیالوی

آپ کے خطوط

تحریکِ ختمِ نبوت نمبر کا اعلان پڑھ کر طبیعت نہایت درجہ خوش ہوئی۔ ضیائے حرم نے کم عمری کے باوجود چند سالوں میں جو شاندار نمبر نکالے ہیں، اُن کی وجہ سے اس نے اہلِ علم حضرات کی نظروں میں ایک مقام حاصل کر لیا ہے۔ تحریکِ ختمِ نبوت نمبر کا شدت سے انتظار ہے۔ خدا کرے یہ نمبر بھی ضیائے حرم کی شاندار روایات کے مطابق ہو۔

پروفیسر وحید الدین۔ کراچی

ضیائے حرم موصول ہوا، پڑھ کر معلومات میں قابلِ قدر اضافہ ہوا۔ بزمِ دلبراں میں آپ نے بلوچستان کے حالات پر جو تبصرہ کیا ہے وہ حقائق پر مبنی تھا۔ بندہ ضیائے حرم کے ختم نبوت نمبر کا شدت سے منتظر ہے۔

(ڈاکٹر نذیر احمد ضیا، ستانواں ضلع مظفر گڑھ)

ضیائے حرم کو میں بڑے شوق سے پڑھتا ہوں۔ اس کے مضامین بہتر ہیں۔ اس کا انداز بے نظیر اور اس کا ٹائیٹل قابلِ دید ہوتا ہے۔ آپ کا یہ اعلان کہ آئندہ شمارہ تحریکِ ختمِ نبوت نمبر ہوگا" پڑھ کر آنے والے شمارے کا شدت سے انتظار شروع کر دیا ہے۔ آپ لوگ قابلِ صد ستائش ہیں جو اسلام کی صحیح معنوں میں خدمت کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ضیائے حرم کی ضیاؤں میں مزید ترقیاں عطا فرمائے۔

(مولوی محمد عبدالرشید رضوی۔ لاہور)

پہلی مرتبہ "حرم" کی ضیا پاشی سے نظریں سیراب ہوئیں۔ دلی مسرت ہوئی۔ تمام مضامین روح پرور اور گوہر بیش بہا ہیں خصوصاً "تاثرات" "باخدا رئیس زادی" اور "غازی عبدالقیوم شہید" نے بہت متاثر کیا۔ آج جب کہ مراکش میں شہنشاہِ دو جہاں حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ پر فلم بنانے کی ناپاک سازش کی جا رہی ہے۔ غازی عبدالقیوم شہید کی مثال عالمِ اسلام کے عاشقانِ رسول کے لیے بہت بڑا چیلنج ہے۔

اسلام کے نام پر حاصل کی جانے والی مملکت میں عریانی اور فحاشی کے رنگ میں ڈوبے ہوئے رسائل اذہان کی "اصلاح" میں جو "کردار" ادا کر رہے ہیں۔ ہمیں بحیثیت مسلمان ہونے کے ان کی حوصلہ شکنی اور ضیائے حرم جیسے پاکیزہ اور لطیف ماہناموں کی حوصلہ افزائی کر کے گناہوں کی دلدل سے باہر نکلنے کی سعی کرنی چاہیے۔ خداوند قدوس آپ کی کوشش قبول فرمائے اور اس کی صدا عالمِ اسلام کے ہر فرد کو خوابِ غفلت سے بیدار کرنے کا باعث بنائے۔ آمین۔

(شہناز اختر۔ مری)

میرے مضمون "اقبالؒ اور چشتی صوفیہ کرامؒ" مشمولہ ستمبر ۱۹۷۴ء کے متعلق محمد صادق صاحب قصوری کے اعتراضات نظر سے گزرے جن کے جوابات حاضرِ خدمت ہیں۔

۱۔ علامہ اقبالؒ کے حضرت قاضی سلطان محمود صاحبؒ اعوان شریف سے بیعت ہونے کے بارے میں حوالہ سید نور محمد

صاحب قادری کے ایک غیر مطبوعہ مقالہ سے لیا گیا ہے۔ سید صاحب نے اس مقالہ میں علامہ اقبالؒ کو قاضی صاحبؒ کا مرید ثابت کیا ہے۔

۲۔ صادق صاحب نے جو یہ لکھا ہے کہ "اگر اقبالؒ قاضی صاحبؒ سے بیعت ہو چکے تھے، تو پھر پیر حیدر شاہ جلالپوری کے ہاتھ پر بیعت کی آرزو کیوں؟" اس کے متعلق گذارش ہے کہ قصوری صاحب اولیائے کرام کی سوانح کا مطالعہ کریں تو انہیں معلوم ہوگا کہ بزرگوں نے ایک ہی وقت میں کئی سلسلوں مثلاً قادریہ، چشتیہ اور نقشبندیہ وغیرہ میں بیعت کی ہے۔ آج کل بھی کئی ایسے لوگ موجود ہیں جو ایک سے زیادہ سلسلہ میں بیعت رکھتے ہیں۔ (محمد مرید احمد چشتی۔ کھیوڑہ ضلع جہلم)

مؤقر جریدہ "ضیائے حرم" کا تازہ شمارہ نزہت افزائے نظر اور فرحت بخش قلب ہوا۔ کرم فرمائی اور ذرہ نوازی کا شکریہ۔ خوبصورت طباعت، جاذب نظر سرورق، نکھرے نکھرے حروف و الفاظ، ہر مضمون نظم و نثر انفرادی خصوصیات کا حامل اور معنویت کا مرقع ہے۔ جزاک اللہ تعالیٰ احسن الجزاء۔

آئندہ شمارہ تحریک ختم نبوت نمبر کی اشاعت کا فیصلہ ایک حسین اقدام ہے جو معلومات افزا ہونے کے علاوہ وقت کے اہم تقاضوں کے عین مطابق ہے۔

(قمر یزدانی نیوانہ ضلع سیالکوٹ)

"ضیائے حرم" ادبی و مذہبی رسائل میں بڑا ہی ممتاز درجہ رکھتا ہے۔ یہ خصوصیت اسی رسالہ کو حاصل ہے کہ اس میں مضامین کی ترتیب بڑی دلآویز ہوتی ہے۔ "مشعل راہ" اور "سر دلبراں" اس کے وصف خاص ہیں۔ خاص کر نومبر کے رسالہ میں "سر دلبراں" کے تحت پاکستان کے اندرونی و بیرونی حالات و

خطرات پر جو بے لاگ تنقید کی ہے وہ ایک ماہرانہ و بیباکانہ اظہار خیال ہے جو جناب پیر کرم شاہ صاحب کے رشحات قلم ہی کا رہین منت ہو سکتا ہے۔ اسلامی معاشرت ہو، سائنسی ایجادات ہوں۔ مذہبی مضامین ہوں، تحقیق و اجتہاد کی موشگافیاں ہوں یا اسلاف کے کارنامے ہوں یا ذکر جمیل۔ غرض کہ کوئی عنوان ہو "ضیائے حرم" کی محفل میں اس سلیقہ سے سجایا جاتا ہے کہ سبحان اللہ! ہمارے معاشرے اور اس کی اصلاح کے لیے اس رسالہ کا جاری رہنا بڑا ضروری ہے میری دعا ہے کہ یہ ترقی کی منزلیں طے کرتا رہے اور خوابیدہ مسلمانوں کو جھنجھوڑتا رہے کہ ہمارا نوجوان طبقہ انگریزی ڈائجسٹوں کی فریب کاریوں سے نجات پا جائے۔ آمین۔ (محمود علی خاں - راولپنڈی)

ضیائے حرم اس نازک دور میں ایک ایسا اسلامی ماہنامہ ہے جس کا جواب ہی نہیں۔ آپ کی اس دینی خدمت کو اللہ تعالیٰ شرف قبولیت بخشے۔ ضیائے حرم اب عوام کے دل کا گہوارہ بن چکا ہے۔

(صاحبزادہ محمد منیر احمد صدیقی۔ لائلپور)

"ضیائے حرم" کے تمام مضامین نہایت موزوں اور قابل تحسین ہیں، لیکن خصوصاً "سر دلبراں" ہمارے دل کی آواز ہوتا ہے۔ اس میں ادب کا نایاب خزینہ اور خواص و عوام کے لیے نہایت ہی معلوماتی مواد ہوتا ہے۔ حضرت قبلہ پیر صاحب سمندر کو کوزے میں بند کر دیتے ہیں۔

(خالد محمود قریشی۔ تراڑ کھل)

انٹرویو : ابوزاہد نظامی

مولانا شاہ احمد نورانی

کی تحریک ختم نبوت شروع ہوئی تو میں اُس وقت سکول میں پڑھتا تھا، شاید نویں یا دسویں میں۔ مجھے یاد ہے تحریک شروع ہونے کے بعد میرا دھیان کتابوں کے بجائے تحریک کی طرف ہو گیا تھا۔ اُن دنوں مسجد وزیر خاں اور دہلی دروازے کے باہر میدان میں تقریباً ہر روز جلسے ہوتے تھے۔ اکابر دھواں دھار تقریریں کرتے اور بعد میں زور شور سے جلوس نکالے جاتے۔ ان جلسے جلوسوں میں شرکت میرا معمول بن گیا تھا۔ لاہور کے علاوہ دوسرے شہروں میں بھی تحریک زوروں پر تھی۔ اخبارات سے معلوم ہوتا تھا جیسے پورا ملک مرزائیوں کو اقلیت قرار دلانے کے لیے اُٹھ کھڑا ہوا ہے۔

مولانا شاہ احمد نورانی کا نام پہلے پہل میں نے اُسی زمانے میں سُنا۔ وہ کراچی میں تحریک کے لیے بڑی سرگرمی سے کام کر رہے تھے۔ پھر بعد میں جب منیر رپورٹ شائع ہوئی تو اس میں بھی اُن کا نام نظر سے گزرا۔

اس کے بعد ایک عرصہ گزر گیا۔ نورانی میاں کا نام کبھی سُننے میں نہ آیا۔ ۱۹۷۰ء کے انتخابات سے کچھ عرصہ قبل وہ اچانک ایک بار پھر اخبارات کے ذریعے سامنے آئے اور الیکشن کے بعد تو دیکھتے ہی دیکھتے ہر طرف چھا گئے۔ ۱۹۵۴ء سے ۱۹۶۸ء تک وہ کہاں رہے؟ میرے اس سوال کے جواب میں نورانی میاں نے بتایا کہ اس دوران میں وہ تبلیغی مشن کے سلسلے میں ملک سے باہر رہے ہیں۔ یورپ، امریکہ اور افریقہ وغیرہ کے ملکوں میں شاید ہی کوئی مقام ایسا ہو گا جہاں وہ نہ پہنچے ہوں اور اسلام کی دعوت نہ پہنچائی ہو۔ بعض مقامات پر قادیانیوں سے اُن کی مڈبھیڑ بھی ہوئی۔ مثلاً نیروبی۔ دار السلام، ماریشس اور لاطینی امریکہ میں سرینام۔ برٹش۔ گیانا اور ٹرینی ڈاڈ میں انہوں نے بڑے کامیاب مناظرے کیے اور وہاں مرزائیوں کا ناطقہ بند کر دیا۔ ان مناظروں کے نتیجے میں تقریباً چھ سو سے زیادہ مرزائیوں نے توبہ کی اور از سر نو حلقۂ اسلام میں داخل ہوئے۔

اس دوران میں انہوں نے قادیانیت سے متعلق انگریزی زبان میں ایک ضخیم کتاب بھی لکھی جس میں ایک سو سے زیادہ آیات قرآنی اور تین سو سے زیادہ احادیث

نبوی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی ثابت کیا۔
نورانی میاں کی تبلیغی زندگی پر نظر ڈالیں، تو ایسا معلوم ہوتا ہے گویا انہوں نے تمام عمر مرزائیت کے ردّ میں گزاری ہے اور ایسا کیوں نہ ہوتا اُن کے والد ماجد حضرت شاہ عبدالعلیم صدیقی بھی بیرونی ممالک میں یہی اہم فریضہ سرانجام دیتے رہے۔
مجھے یاد ہے پاکستان آنے کے بعد ۱۹۶۹ء میں انہوں نے سب سے پہلا بیان قادیانیوں ہی کے بارے میں جاری کیا تھا۔ اُنہوں نے یحییٰ خاں کو مخاطب کرتے ہوئے صاف کہا تھا کہ تمہارا قادیانی مشیر ایم ایم احمد پاکستان کی معیشت کو تباہ کر رہا ہے جس کے نتیجے میں مشرقی پاکستان تک ہمارے ہاتھوں سے نکل سکتا ہے۔ افسوس شاہ احمد نورانی کی یہ آواز صدا بصحرا ثابت ہوئی اور بعد میں ہم نے دیکھا کہ شیخ مجیب نے معاشی بے انصافی کا نعرہ لگا کر مشرقی پاکستان کے مسلمانوں میں تعصب کا بیج بویا اور بنگالی یہ تک کہنے لگے کہ مشرقی پاکستان کی تمام آمدنی مغربی پاکستان کی ڈیویلپمنٹ پر خرچ ہو رہی ہے۔
یہ الگ بات ہے کہ مشرقی پاکستان کو الگ کرنے کے لیے شیخ مجیب الرحمٰن کو کچھ "پاسبان" یہاں کے صنم خانوں سے بھی مل گئے تھے، لیکن نورانی میاں کے بروقت انتباہ سے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے قدرت نے ۱۹۶۸ء میں انہیں وطن اسی لیے واپس بھجوایا تھا کہ وہ اہل وطن کو آنے والے عظیم خطرہ سے آگاہ کریں۔
نورانی میاں جن دنوں قومی اسمبلی میں مرزائیوں کو اقلیت قرار دلانے کے لیے دن رات جدوجہد کر رہے تھے، میں کئی بار اسلام آباد میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جب بھی اُن سے ملاقات ہوئی۔ اُنہوں نے بڑی محبت سے ضروری حالات واقعات بتائے، جن سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ اس فتنہ کی ہلاکت آفرینی سے پوری طرح آگاہ ہیں اور اپنی تمام تر صلاحیتیں اس کے لیے وقف کیے ہوئے ہیں۔ آپ کو شاید یہ سن کر حیرت ہو کہ تحریک ختم نبوت کے دوران میں قومی اسمبلی کی خصوصی کمیٹی اور رہبر کمیٹی کے اجلاسوں میں پوری ذمہ داری سے شرکت کرنے کے علاوہ اُنہوں نے تقریباً ڈیڑھ سو شہروں، قصبوں اور دیہات میں عام جلسوں سے خطاب بھی کیا۔ واقعی ؏

این سعادت بزور بازو نیست

۷ ستمبر کو قومی اسمبلی کا تاریخ ساز فیصلہ ہوا، تو ہمیں نے نورانی میاں کی خدمت میں مبارکباد کا پیغام بھیجا۔ ادھر ادارہ ضیائے حرم نے فیصلہ کیا کہ تحریک ختم نبوت میں جن علمائے اہلسنت اور مشائخ عظام نے قابل ذکر کارنامے سرانجام دیئے ہیں۔ ان کی جدوجہد پر مشتمل ایک خصوصی نمبر ترتیب دیا جائے۔ نیز اس نمبر کے لیے نورانی میاں کا انٹرویو بھی حاصل کیا جائے۔
چند روز کے بعد رمضان شریف کا مبارک مہینہ آگیا، اس مہینے میں نورانی میاں کی مصروفیات خاص طور پر بڑھ جاتی ہیں۔ تراویح کے علاوہ وہ کئی دوسری مساجد میں قرآن بھی سناتے ہیں۔ ظاہر ہے رمضان المبارک میں ان سے وقت لینا بڑا مشکل تھا۔
حسنِ اتفاق سے ایک روز جامعہ نظامیہ رضویہ کی طرف سے مجھے ایک دعوت نامہ موصول ہوا۔ یہ دعوت نامہ نورانی میاں کے استقبالیے کا تھا۔ ۲۰ اکتوبر کو میں اس استقبالیہ میں حاضر ہوا۔ ان کی تقریر کے بعد چائے کا دور چلا تو اُن سے گفتگو کا موقع ملا۔ حضرت مولانا عبدالستار خاں نیازی انٹرویو کے لیے انہیں پہلے ہی کہہ چکے تھے۔ فرمانے لگے یہاں سے فارغ ہو کر جمعیت کے دفتر میں چلیں گے، وہاں اطمینان سے باتیں ہوں گی۔
مغرب کی نماز سے فارغ ہو کر ہم دفتر جمعیت کے ایک کمرے میں بیٹھ گئے۔ نورانی میاں نے سر سے کپڑے کی ٹوپی اُتار کر میز پر رکھی اور فرمایا:

"ہاں اب ہوں گی باتیں!"

یہ جملہ گویا نورانی میاں کی طرف سے انٹرویو شروع کرنے کی دعوت تھی۔ عرض کیا:

۱۹۰۰ء میں جب مرزا قادیانی نے نبوّت کا دعویٰ کیا تھا تو اس وقت علمائے اہلِ سنّت نے کیا اقدامات کیے تھے؟ آخر کیا وجہ تھی کہ علماء و مشائخ کی مخالفت کے باوجود قادیانیت پھولتی پھلتی رہی؟

"پھولتی پھلتی رہی؟" نورانی میاں نے فرمایا: پھولتی پھلتی یوں رہی کہ حکومت برطانیہ جو اس نئی نبوّت کی بانی تھی اس کی پُشت پر تھی۔ انگریزوں کو مسلمانوں سے ہر آن یہ خطرہ تھا کہ وہ حصولِ آزادی کے لیے جہاد نہ شروع کر دیں۔ اس مقصد کے لیے اُنہوں نے مرزا قادیانی کو تیار کیا، جس نے کہا کہ میری نبوّت میں جہاد منسوخ کر دیا گیا ہے۔ مرزا کے دعوائے نبوّت کرتے ہی علمائے اسلام اسوۂ صدیقی پر عمل پیرا ہونے کے لیے میدان میں اُتر آئے، جن میں اعلیحضرت فاضل بریلوی، مولانا حامد رضا خاں، حضرت شاہ عبدالعلیم صدیقی حضرت مولانا امجد علی، مولانا سیّد دیدار علی، حضرت پیر صاحب گولڑہ شریف، حضرت پیر جماعت علی شاہ اور علمائے فرنگی محل خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ ان علماء و مشائخ نے تصانیف و تقاریر کے ذریعے مرزا قادیانی کا مقابلہ کیا۔ میرے والدِ گرامی حضرت شاہ عبدالعلیم صدیقی نے بیرونی ممالک میں قادیانیوں کو للکارا اور وہاں کے لوگوں کو عصرِ حاضر کے اس فتنۂ عظیم سے باخبر کیا۔ اُنہوں نے افریقہ، یورپ، سیلون، انڈونیشیا، ملائشیا، برما اور بلادِ عربیہ میں خاص طور پر قادیانیت کے خلاف کام کیا۔ ردِّ مرزائیت میں ان کی انگریزی تصنیف THE MIRRIOR بیرونی ممالک میں بہت مشہور ہے۔ اس کتاب کا عربی زبان میں "المرآۃ" کے نام سے ترجمہ ہو چکا ہے جو عرب ممالک میں بہت مقبول ہے۔ اسی طرح اُردو میں آپ کی کتاب "مرزائی حقیقت کا اظہار" موجود ہے۔ اس کتاب کا جب ملائشیا کی زبان میں ترجمہ چھپا تو وہاں مرزائیوں کے خلاف زبردست تحریک اُٹھی جس کے بعد ملائشیا میں ان کا داخلہ ممنوع قرار دے دیا گیا۔"

نورانی میاں کی گفتگو میں ایک تیز رَو دریا کی سی روانی تھی، وہ لمحہ بھر کے لیے رُکے تو مَیں نے پُوچھا:

"پاکستان بننے کے بعد مرزائیت نے خاص طور پر پَر پُرزے نکالے، اس کا ذمّہ دار آپ کس کو ٹھہراتے ہیں؟"

"حکومت کو۔" نورانی میاں نے فیصلہ کن انداز میں فرمایا۔ خیال تھا، وہ اس کی مزید تفصیل بیان کریں گے، مگر یہ دو حرفی جملہ کہہ کر اُنہوں نے میز پر رکھی ہُوئی ڈبیہ اٹھائی اور اس میں سے پان نکال کر کھانے لگے۔ مَیں نے سوچا، اتنے طویل سوال کا اتنا مختصر جواب؟ پھر خیال آیا کہ بعض لوگ دریا کو کوزے میں بند کرنے کے فن میں یدِ طولیٰ رکھتے ہیں۔ نورانی میاں کا یہ مختصر ترین جواب کتنی وسعت کا حامل تھا، کوئی چاہے تو اس کے کینوس کو جتنا چاہے پھیلا لے۔

عرض کیا:

"۱۹۵۳ء کی تحریکِ ختمِ نبوّت کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے، یہ تحریک کیوں ناکام ہوئی؟"

اس سوال پر نورانی میاں چند لمحے خاموش رہے، یوں معلوم ہوتا تھا جیسے وہ کتابِ ماضی کے ورق پلٹ رہے ہوں۔ پھر فرمایا:

"۱۹۵۳ء کی تحریک اس لیے ناکام ہوئی کہ اس کا رُخ ابتدا ہی سے تشدد کی طرف موڑ دیا گیا تھا۔ حکومت کے جو عزائم تھے، علماء اس سے باخبر نہ تھے۔ نتیجۃً حکومت نے علماء کی سادگی سے فائدہ اٹھایا ——— ۱۹۵۳ء کے

تجربات سے ہم نے اس دفعہ فائدہ اٹھایا اور پوری کوشش کی کہ تحریک کسی موڑ پر بھی تشدد سے ہمکنار نہ ہو۔ ہر چند اس میں کچھ لوگ ایسے گھس آئے تھے جو تحریک کو تشدد کا رنگ دینا چاہتے تھے، مگر ہم نے انہیں کامیاب نہیں ہونے دیا۔ اصل میں ہم نے شروع ہی میں یہ طے کر لیا تھا کہ تحریک کو منظم طریقے پر چلائیں گے اور تشدد پسندوں کے ہاتھوں میں تحریک کی باگ ڈور نہ دیں گے۔ بعض لوگوں نے اس تحریک سے سیاسی فوائد بھی حاصل کرنے چاہے جو انتہائی گھٹیا بات تھی۔ ہم نے عقیدۂ ختم نبوّت کو ہمیشہ اپنے دین، ایمان اور نجات کا مسئلہ سمجھا۔ مَیں نے بھٹو صاحب کو صاف کہہ دیا تھا کہ اس مسئلے میں سیاسی فوائد کے پہلوؤں پر مت سوچیں۔ یہ خالص دینی مسئلہ ہے، اسے خالص دینی جذبے ہی سے حل کرنا چاہیے۔"

گفتگو کی کڑیاں ۱۹۷۴ء کی تحریک سے ملنے لگیں تھیں۔ میں نے پوچھا: "یہ بتایئے کہ ۲۵ مئی کو ربوہ ریلوے اسٹیشن پر جو حادثہ ہوا تھا، اُسے سُن کر آپ کے تاثرات کیا تھے؟"

"میرے تاثرات!" نورانی میاں بولے: "یہی تھے کہ مرزائیوں نے مسلمانوں کو چیلنج کیا ہے۔ وہ مسلمانوں کو آزمانا چاہتے ہیں کہ ان کی غیرت و حمیّت مر چکی ہے یا بیدار ہے۔"

عرض کیا:

"اس واقعہ کے چند روز بعد جب وزیرِ اعظم بھٹو نے یہ تقریر کی تھی کہ قادیانیوں کا مسئلہ قومی اسمبلی کے ذریعے حل ہوگا، تو اس کے بعد اسمبلی کی سطح پر اس مسئلے کو حل کرنے کے لیے آپ نے کیا اقدامات کیے؟"

فرمایا: "اس سال اپریل میں مَیں ورلڈ اسلامک مشن کانفرنس میں شرکت کے لیے لندن گیا۔ ان دنوں مکّہ معظمہ میں رابطۂ عالم اسلامی کا اجلاس ہو رہا تھا۔ ورلڈ اسلامک مشن کانفرنس کی وجہ سے میں اس وقت مکّہ معظمہ نہیں جا سکا۔ لندن سے فارغ ہو کر میں مکّہ معظمہ حاضر ہوا۔ حاضری کا ایک بڑا مقصد یہی تھا کہ وہاں سے رابطۂ عالم اسلامی کی وہ قرارداد حاصل کروں جو انہوں نے قادیانیوں کے بارے میں متفقہ طور پر منظور کی تھی۔ مَیں ۲۶ مئی کو یہ قرارداد لے کر پاکستان پہنچا، تو قادیانیوں کا مسئلہ شروع ہو چکا تھا۔ ہم نے سب سے پہلے یہ کام کیا کہ رابطۂ عالم اسلامی کی قرارداد کی روشنی میں قومی اسمبلی کے لیے قرارداد مرتّب کی۔ جس میں حزبِ اختلاف کی تمام جماعتوں کا مشورہ شامل تھا۔ یہی قرارداد ہم نے ۳۰ جون کو اسمبلی میں پیش کی۔ جس پر ۳۷ ارکان کے دستخط تھے۔

دوسرا کام اسمبلی میں ہم نے یہ کیا کہ قادیانیت سے متعلقہ جس قدر لٹریچر بھی دستیاب ہو سکا، وہ ہم نے اسمبلی کے ممبروں میں تقسیم کیا، اس کے علاوہ ہم نے ممبروں سے ذاتی رابطے بھی قائم کیے اور ختمِ نبوّت کے مسئلے پر انہیں آگاہ کیا۔"

"کیا اسمبلی میں ایسے لوگ بھی موجود تھے جو اُمّت کے اس متفقہ مسئلے کے بارے میں مداہنت سے کام لیتے ہوں؟"

"لیتے تھے، لیکن جن لوگوں کے بارے میں ہمیں یقین تھا کہ وہ قادیانی لابی سے متاثر ہیں یا ربوہ کے زیرِ اثر ہیں، اُن سے ہم نے رابطہ قائم نہیں کیا۔ کوشش یہی کی کہ جن کا تعلق مرزائیت سے نہیں ہے اُن کو ختمِ نبوّت کی اہمیت سمجھا دی جائے۔ قادیانی بھی اس دوران میں اپنا کام کرتے رہے۔ اور مسلمان ممبروں کے ذہن میں شکوک و شبہات پیدا کرتے رہے۔ چنانچہ ایک رُکن اسمبلی نے مجھ سے کہا کہ مرزا ناصر کہتا ہے کہ جب کوئی مسلمان فنا فی الرسول کے جذبے سے سرشار ہو کر مقامِ صدیقیت پر فائز ہو جاتا ہے، تو اس کے لیے نبوّت کی کھڑکی کھل جاتی ہے۔ مَیں نے یہ بات سن کر اس ممبر سے کہا کہ مرزا ناصر

کا یہ کہنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی یہ کہے کہ جب مسلمان مسلسل عبادت
سے فنا فی اللہ کا درجہ حاصل کرے تو اس کے لیے الوہیت
کی کھڑکی کھل جاتی ہے۔ یہ جواب اس کی سمجھ میں آ گیا۔"

عرض کیا: "گئے ہاتھوں اُن مردانِ کار کے نام بھی بتا
دیجئے جنہوں نے قومی اسمبلی میں آپ سے بھرپور تعاون کیا؟"

"ہاں لکھیے۔" نورانی میاں بولے: "علامہ عبدالمصطفےٰ
ازہری۔ مولانا محمد ذاکر، مولانا محمد علی۔ پروفیسر غفور احمد، مولانا
مفتی محمود، سردار شیر باز خاں مزاری۔ مخدوم نور محمد ہاشمی اور
صاحبزادہ احمد رضا قصوری ...."

"اور مولانا غلام غوث ہزاروی؟" قریب بیٹھے ہوئے ایک
صاحب خواہ مخواہ درمیان میں بول پڑے۔ جواب میں نورانی
میاں نے بتایا کہ ہزاروی اور ان کے ساتھی مولانا عبدالحکیم نے
تو ۳۰ جون والی قرارداد پر دستخط تک نہیں کیے۔

مَیں سوچنے لگا آخر یہ کیسے لوگ ہیں جو مذہبی رہنما بنتے
ہوئے بھی دین کے ایسے اہم اور بُنیادی مسئلہ پر علماء سے
اتفاق نہیں کرتے اور مصلحتوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔ ایسے
علماء تقریباً ہر دَور میں موجود رہے ہیں۔

نورانی میاں نے دوسری گلوری منہ میں رکھ لی تھی اور
اب اسے مزے سے چبا رہے تھے۔ مَیں نے پوچھا:

"کیا آپ اسمبلی کی قرارداد سے پُوری طرح مطمئن ہیں۔
کیا آپ کو یقین ہے کہ حکومت اس قرارداد پر نیک نیتی سے
عمل کرے گی؟"

نورانی میاں نے نہایت پُرسکون اور ٹھنڈے لہجے
میں جواب دیا:

"قرارداد سے ہم متفق ہیں اور متفق کیوں نہ ہوں۔ اسے
مرتب ہی ہم نے کیا تھا۔ رہی یہ بات کہ حکومت اس پر عمل
کرے گی؟ تو میرا دوٹوک جواب یہ ہے کہ ہرگز نہیں کرے گی۔
واقعات بتا رہے ہیں کہ مرزائی کلیدی اسامیوں پر برقرار ہیں۔
ربوہ کو تحصیل DECLARE نہیں کیا گیا۔ حتیٰ کہ اُن علماء کو
بھی ابھی تک رہا نہیں کیا گیا جن کی رہائی کا حکومت نے وعدہ
کیا تھا۔ یہ سب کچھ آپ کے سامنے ہے۔ حکمران اپنے دستور
کی دھجیاں خود بکھیر رہے ہیں۔ تفصیل میں جانے کی ضرورت
نہیں، بات بڑھ جائے گی۔"

"آخر ان دفعات پر عمل کرانے کے لیے آپ کوئی قدم
بھی اٹھائیں گے یا نہیں؟"

"پھر وہی بات۔" نورانی میاں بولے: "مَیں نے کہا ہے
کہ ملک گیر پیمانے پر جدوجہد صرف آئین میں ترمیم کے لیے
ہی کی جاتی ہے، وہ جدوجہد ہو چکی۔ اب مزید کسی تحریک کی
ضرورت نہیں، حکومت نے قادیانیوں کو اقلیت قرار دے
دیا ہے۔ ربوہ کو کھلا شہر قرار دینے اور مرزائیوں کو کلیدی
اسامیوں سے ہٹانے کے مطالبات بھی تسلیم کر لیے ہیں۔
اب مسئلہ آئینی نہیں بلکہ انتظامی ہے۔ اس کے لیے احتجاج
ہونا چاہیے۔ ہم اسمبلی کے اندر احتجاج کریں گے۔ آپ اسمبلی
سے باہر پورے ملک میں احتجاج کیجیے۔ جلسوں میں احتجاجی
قراردادیں منظور کرا کر حکومت کو بھیجئے۔ حکومت کو آج
نہیں تو کل انتظامی سطح پر ان مسائل کو حل کرنا پڑے گا۔"

نورانی میاں ہمارے ملک میں خاصے اعتدال پسند
سیاستدان سمجھے جاتے ہیں۔ ہمارے ملک میں جہاں ریڈیو اور
ٹیلی ویژن سے دن رات "کم بچے خوشحال گھرانہ" کے گیت
گائے جاتے ہیں، دیکھا جائے تو اچھا خاصا قحط الرجال ہے۔
آدمیوں کی بھیڑ میں انسان خال خال نظر آتے ہیں۔ ایسے
میں ملک کے اکثر لوگ نورانی میاں سے بڑی اُمیدیں وابستہ
کیے ہُوئے ہیں۔ لوگ چاہتے ہیں کہ یہ ملک جس نظریے کی
حکمرانی کے لیے وجود میں آیا تھا، وہ نظریہ یہاں جاری و ساری

ہو۔ نورانی میاں کا مقصد بھی چونکہ ملک میں نظام مصطفےٰ کا نفاذ ہے، اس لیے لوگوں کی ان کے ساتھ محبت بالکل فطری بات ہے۔ دوسری طرف نورانی میاں ننھی منی حزبِ اختلاف کے بھی رہنما ہیں، جسے اکثریتی پارٹی جب چاہتی ہے ہاتھ کھڑے کرواکر شکست کے خطرے سے دوچار کر دیتی ہے۔ اسمبلی میں جہاں بندوں کو گِنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے حزبِ اقتدار کثیر ہونے کے باوجود حزبِ اختلاف سے خائف رہتی ہے شاید اس لیے کہ یہ قلیل ہونے کے باوجود مقاصد جلیل رکھتی ہے۔

انسانی طبائع میں جو اختلاف پایا جاتا ہے، وہ زینتِ چمن ہو یا نہ ہو بہرحال اس کی زنگارنگی سے انکار ممکن نہیں۔

۷ ستمبر کو جب یہ تاریخی فیصلہ سامنے آیا تو اس میں وزیرِ اعظم نے فرمایا تھا کہ ممکن ہے اس فیصلے سے بعض لوگ خوش نہ ہوں، مگر رفتہ رفتہ وہ بھی اس فیصلے سے خوش ہو جائیں گے۔ اس سے بعض لوگوں نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ یہ تاریخی فیصلہ اگرچہ آئین کا حصہ بن گیا ہے مگر اس پر عمل درآمد کبھی نہیں ہوگا۔ یہ بالکل ایسا ہی فیصلہ ہے، جیسے ہمارے آئین میں موجود ہے کہ ملک میں جمہوریت ہوگی، مگر ہر جگہ دفعہ ۱۴۴ نافذ ہے، بنیادی انسانی حقوق معطل ہیں وغیرہ۔ ان لوگوں کا خیال ہے کہ حکمران جب چاہتے ہیں، اپوزیشن کو بے وقوف بنا لیتے ہیں۔ میں نے سوچا کیوں نہ نورانی میاں سے یہ بات پوچھ لی جائے، دیکھیں وہ کیا جواب دیتے ہیں، چنانچہ ڈرتے ڈرتے عرض کیا:

"کیا اس دفعہ بھی اسمبلی میں آپ دھوکہ تو نہیں کھا گئے۔ کسی بات کو آئین کا حصہ بنا دینے سے عوام کو کیا حاصل۔ عوام تو معاشرتی زندگی میں اس کا نفاذ چاہتے ہیں؟"

"ٹھیک ہے" نورانی میاں نے فرمایا۔ "آئین پر عمل درآمد نہایت ضروری ہے۔ لیکن یہ بات غلط ہے کہ ہم نے اسمبلی میں کبھی دھوکہ کھایا۔ قادیانی مسئلے میں بھی ہم اللہ کے فضل سے کامیاب رہے ہیں۔ ہماری جدوجہد سے یہ فیصلہ آئین کا حصہ بن چکا ہے، اب کوئی اس پر عمل نہیں کرتا تو یہ اس کی اپنی بدبختی ہے۔ حزبِ اختلاف دھوکہ اس وقت کھاتی جب ہم بھٹو صاحب کے ساتھ مذاکرات کرتے اور وہ ہمیں ٹرخانے کے لیے یہ کہہ دیتے کہ اچھا ہم قادیانیوں کو اقلیت قرار دے دیں گے اور ہم ان کی بات مان کر مطمئن ہو جاتے۔ ظاہر ہے یہ صورت نہیں ہوئی، بلکہ ہم نے سخت جدوجہد کے بعد اسمبلی میں اس مسئلہ کو حل کرایا ہے، جو الحمدللہ آج دستور کا حصہ ہے۔"

میں نے پوچھا:

"اس فیصلے کے بعد ملکی اور عالمی سطح پر اس کے اثرات کیا ہوں گے؟"

نورانی میاں نے کہا:

"قادیانی ملک کے وفادار نہیں۔ اُن کی ہمدردیاں آج بھی اسی ملک کے ساتھ ہیں جہاں اُن کا "قادیان" ہے۔ وہ ہمیشہ اکھنڈ بھارت کے علمبردار رہے ہیں۔ اس فیصلے سے ملک کی سالمیت کا تحفظ ہو گیا ہے، اب وہ ہمارے ملک کے خلاف کوئی سازش نہیں کر سکیں گے۔ جہاں تک عالمی سطح پر اس کے اثرات کا تعلق ہے تو قادیانی اخبار اور رسائل بھی چیخنے لگے ہیں کہ اب وہ دُنیا میں تبلیغ کس طرح کر سکیں گے۔ قادیانیوں نے دُنیا بھر میں مشہور کر رکھا تھا کہ پاکستان میں احمدیوں کی اکثریت ہے، اب یہ لوگ وہاں تبلیغ کرنے جائیں گے، تو ان سے کہا جائے گا کہ پاکستان کے مسلمانوں نے تو تمہیں غیر مسلم اقلیت قرار دیا ہے تم یقیناً ہمیں اسلام کی نہیں، بلکہ کسی اور مذہب کی دعوت دے رہے ہو۔"

عرض کیا:

"کیا وجہ ہے کہ قادیانی بیرونی ممالک میں جاکر مرزائیت کی تبلیغ کرتے ہیں، اگر مسلمان مبلغوں کو وہاں جاکر تبلیغ اسلام کی توفیق نہیں ہوتی؟"

"نہیں یہ بات نہیں۔" نورانی میاں نے بے ساختگی کے انداز میں کہا: "ہم بیرونی ممالک میں اسلام کی تبلیغ سے غافل نہیں ہیں۔ ہم نے ہمیشہ یہ کام نہایت مستعدی سے انجام دیا ہے۔ اب لندن میں ورلڈ اسلامک مشن بیرونی ممالک میں تبلیغ اسلام کا ایک جامع پروگرام بنا رہا ہے۔ عنقریب پاکستان سے ایک سہ رکنی وفد وہاں جائے گا، جس کے لیے حضرت مولانا عبدالستار خاں نیازی، پروفیسر شاہ فرید الحق اور میرا نام تجویز ہوا ہے۔ لندن سے علامہ ارشد القادری بھی ہمارے ساتھ شامل ہو جائیں گے۔ ہم یورپ، افریقہ اور امریکہ کے ہر مقام پر جائیں گے اور لوگوں کو قادیانیوں کی حقیقت سے آگاہ کریں گے۔ اس کے علاوہ جو لوگ ان کی تبلیغ کی وجہ سے اُن کے دام میں پھنس گئے ہیں انہیں بھی صحیح اسلام کی طرف بلائیں گے۔"

وقت کافی گزر چکا تھا۔ دُور مسجدوں سے عشا کی اذانوں کی آوازیں آنے لگی تھیں۔ نورانی میاں نے ساڑھے آٹھ بجے کے جہاز سے کراچی واپس جانا تھا۔ گھڑی دیکھی تو پونے سات ہو چکے تھے۔ اس لیے میں نے آخری سوال پوچھا:

"مولانا! بعض لوگ اس تاریخی فیصلے کا سہرا بھٹو صاحب کے سر باندھ رہے ہیں، آپ کا اس بارے میں کیا خیال ہے؟"

نورانی میاں قدرے توقف سے بولے:

"بعض لوگوں کی فطرت میں خوشامد کا عنصر شامل ہوتا ہے۔ ایسے لوگ مادّی مفادات کی خاطر ہر دَور میں چڑھتے سورج کی پوجا کرتے ہیں۔ ان دوں نہادوں کی ساری سوچ اسی مقصد کے لیے وقف ہوتی ہے کہ جب اور جس طرح بھی موقع ملے یہ دُم ہلاتے ہوئے "اونچی سرکار" تک پہنچ جائیں اور خوشامد کرکے اپنے دنیاوی مقاصد حاصل کریں۔

رہا کریڈٹ کا معاملہ تو وہ سراسر عوام کو جاتا ہے اور بالخصوص علماء اور طلباء کو جنہوں نے تند و تیز ہواؤں میں بھی ختمِ نبوّت کا دِیا بجھنے نہیں دیا۔ جو لوگ اب قادیانی فیصلے کا کریڈٹ بھٹو صاحب کو دے رہے ہیں وہ پاکستان بنانے کا کریڈٹ غالباً ماؤنٹ بیٹن کو دیتے ہوں گے کیونکہ ماؤنٹ بیٹن بھی کہا کرتا تھا کہ پاکستان میرے دستخطوں سے وجود میں آیا ہے۔ آیئے ذرا دیکھیں تحریک کے دوران حکومت کا کردار کیا رہا:

- اقلیّت کا مطالبہ کرنے والوں پر گولیاں چلائیں۔
- ہزاروں علماء کو جیلوں میں بند کیا۔
- قومی اسمبلی کے اندر آنسو گیس شیل پھینکے۔
- اخبارات میں ختمِ نبوّت کا لفظ تک لکھنے پر پابندی لگائی۔
- ہر شہر میں دفعہ ۱۴۴ نافذ کی تاکہ عوام ختمِ نبوّت سے متعلق اپنے جذبات کا اظہار نہ کر سکیں۔
- مسجدوں میں لاؤڈ سپیکروں پر پابندی لگادی تاکہ وہاں بھی کوئی جلسہ وغیرہ نہ ہوسکے۔
- تحریک ختمِ نبوّت کی حمایت کرنے والے اخبارات کے ڈیکلریشن تک منسوخ کر دیے۔

اب آپ ہی بتایئے کہ اگر قادیانیوں کو اقلیّت قرار دینے کا کریڈٹ حکومت کو جاتا ہے تو ان مظالم کا کریڈٹ کس کو جاتا ہے؟ اصل میں اس قسم کی باتیں اب خوشامدیوں کی طرف سے کہی جا رہی ہیں۔ حالانکہ سب جانتے ہیں کہ اس پوری تحریک میں پیپلز پارٹی نے من حیث الجماعت کوئی حصّہ نہیں لیا۔ حتّٰی کہ جن صوبوں میں اُن کی اکثریت ہے،

وہاں بھی اسمبلیوں میں وہ کوئی قرارداد پاس نہیں کرا سکے۔

کریڈٹ کی بات ہوئی ہے تو یہ لطیفہ بھی سن لیجئے کہ، ستمبر کو بھٹو صاحب نے جب اسمبلی میں تقریر کی تو مولانا غلام غوث ہزاروی صاحب کہنے لگے،

"اس مسئلے کے حل کا سہرا بھٹو صاحب کے سر بندھتا ہے۔" یہ سن کر میرے منہ سے بے اختیار نکلا:

"سبحان اللہ! سہروں کو شرک و بدعت کہنے والے بھی آج سہرے باندھنے لگے ہیں۔"

نورانی میاں بڑے اچھے "موڈ" میں تھے۔ جی یہی چاہتا تھا کہ ابھی ان سے باتیں ہوتی رہیں، مگر ان کے جہاز کا وقت قریب تھا اور انہیں ایئر پورٹ پر پہنچنے کے لیے تیاری بھی کرنی تھی۔ مجبوراً انٹرویو کا یہ سلسلہ ختم کرنا پڑا۔

میں ان سے اجازت لے کر باہر سڑک پر آیا۔ ہر طرف گھپ اندھیرا تھا، ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دیتا تھا۔ میں نے دیکھا سڑک کے کنارے ایک شخص ننھا سا ایک چراغ روشن کر رہا ہے، راہگیروں کے لیے۔ میں نے کہا اس دور میں بھی ایسے لوگ موجود ہیں جو دوسروں کے فائدے کے لیے راستے میں روشنی کرتے ہیں۔ پھر تصور میں اندھیرے اور روشنی کا یہ کینوس پھیلتا چلا گیا۔ یوں محسوس ہوا جیسے سارے ملک میں اندھیرا ہو اور نورانی میاں —— اندھیرے سے نبرد آزما۔

شاہ فرید الحق

۲۲ مئی ۱۹۷۴ء کو نوجوانانِ اسلام نے ربوہ ریلوے سٹیشن پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام کے تحفظ کا نعرہ لگا کر جھوٹے مدعی نبوت کی جھوٹی اُمت کے دل پر ایک کچوکہ لگایا۔ بھلا مشرکین کو برداشت کی کہاں طاقت!

ربوہ کے کفار کو یہ بات گراں گزری کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی قرار دیا جائے یا ختمِ نبوت زندہ باد کے نعرے لگائے جائیں۔

۲۸ مئی ۱۹۷۴ء کو جب نوجوانانِ اسلام سفر سے واپس ہو رہے تھے، تو ان مرتدین نے سوچی سمجھی سازش کے تحت ان پر حملہ کر کے انہیں زدوکوب کیا۔ بعض کو شدید ضربات پہنچائیں اور انہیں کافی دنوں تک ہسپتال میں زیرِ علاج رہنا پڑا۔ کسی کا منہ توڑا گیا، کسی کی ناک۔ غرضیکہ بربریت کا سماں تھا۔ ٹرین بلا ضابطہ روک کر یہ ساری کاروائی ان نام نہاد بہادر مرتدین نے چند نوجوان مسلمان طلبا کے خلاف کی۔

قدرت کو جو منظور ہوتا ہے وہی ہوتا ہے۔ ان نوجوانوں کا خون رنگ لایا۔ ان مرتدین کے خلاف دبا ہوا لاوا پھوٹ پڑا، پورے ملک میں آگ لگ گئی۔ بالخصوص پنجاب سے نوجوان طلباء میدان میں آ گئے۔ ربوہ کے گرد و نواح کی مسلمان بستیاں پہلے بھڑک اٹھیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ انتقامی کاروائی شروع ہو گئی۔ پورے علاقہ میں خانہ جنگی کی صورت پیدا ہو گئی۔ رفتہ رفتہ اس آگ نے پورے ملک کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ یہ آگ معمولی آگ نہیں تھی۔ عشقِ مصطفےٰ اور مقامِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی آگ تھی جو پانی سے نہیں بجھائی جاتی۔ یہ کچھ اور ہی تلاش کرتی ہے۔

بھٹو صاحب کی تقریر

قوم کے نام ۱۳ جون ۱۹۷۴ء کو جناب ذوالفقار علی بھٹو نے ایک لمبی تقریر نشر کی۔ میں اس تقریر پر فی الوقت تبصرہ نہیں کرنا چاہتا۔ عوام کو معلوم ہے کہ بھٹو صاحب کیسی تقریر کرتے ہیں اور کیا کیا الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ بہرحال انہیں موقع کی سنگینی اور نزاکت کا احساس ہوا۔ پنجاب آگ میں جلنے لگا۔ چاروں صوبوں میں تحریک زور پکڑتی گئی۔ گرفتاریاں اور مار دھاڑ شروع ہو گئی۔ پولیس اور سیکیورٹی فورس حرکت میں آ گئی۔ ملک کی پوری انتظامیہ لا اینڈ آرڈر کے بہانے عوام کے ساتھ سختیوں اور تشدد پر اتر آئی۔

ان حالات کو دیکھتے ہوئے بھٹو صاحب نے یہ وعدہ فرمایا کہ اسے طے کرنے کا راستہ یہ ہے کہ جمہوری طریقہ سے طے کیا جائے۔ اس لیے یہ مسئلہ قومی اسمبلی میں ۳۰ جون کو پیش کر دیا جائے گا، وہ جو فیصلہ کرے گی وہ مجھے اور پوری قوم کو قابلِ قبول ہو گا۔

مجلسِ عمل کی تشکیل

بہرحال حکومت نے وقت لیا۔ ادھر تحریک بھی زور شور سے چلنے لگی۔ حضور کی خاتم المرسلینی پر ایمان رکھنے والے مختلف الخیال لوگ ایک جگہ اکٹھے ہو گئے۔ اس میں اہلِ سنت کے علاوہ دیوبندی، اہلِ حدیث اور شیعہ حضرات بھی شامل ہوئے۔ اس کے علاوہ سیاسی جماعتوں کے افراد مثلاً نیشنل عوامی پارٹی، مسلم لیگ، خاکسار، جمعیت علمائے پاکستان، جمعیت العلمائے اسلام (مفتی محمود گروپ)، جماعت اسلامی وغیرہ نے بھی متحد ہو کر کام شروع کیا اور اس طرح ایک مرکزی مجلس عمل تحفظِ ختمِ نبوت کی تشکیل

عمل میں لائی گئی۔

مرکزی مجلس عمل کے صدر مشہور دیوبندی عالم مولانا محمد یوسف بنوری کراچی منتخب ہوئے اور اس کے جنرل سیکرٹری مشہور عالم دین مولانا سید محمود احمد رضوی (خلف الرشید حضرت مولانا سید ابوالبرکات مدظلہ العالی) منتخب ہوئے۔ مجلس عمل میں مختلف جماعتوں کو نمائندگی دی گئی۔

عملی طور پر اس مجلس میں جن لوگوں نے حصہ نہیں لیا وہ یہ ہیں: (۱) مولوی غلام غوث ہزاروی گروپ جو مفتی محمود سے الگ ہو کر حکومت کی کاسہ لیسی کرنے میں علماء کا دفاع سمجھتا ہے (۲) مولوی احتشام الحق تھانوی اور ان کی مختصر سی جماعت۔ (۳) تحریک استقلال بحیثیت جماعت البتہ انفرادی حیثیت میں تحریک استقلال کے ایک رہنما جناب احمد رضا قصوری تحریک کی پُر زور حمایت کرتے رہے اور انہوں نے قومی اسمبلی میں ختم نبوت کا نعرہ بلند کیا اور قادیانیوں کے خلاف تقریریں کیں۔

ان کے علاوہ کچھ خالص سرکاری کاسہ لیس مولوی مثلاً جمعیت علمائے اسلام (حقیقی)، نام نہاد جمعیت علمائے پاکستان جس کے سربراہ بزعم خود مولوی سید فیض الحسن صاحب آلو مہار شریف والے ہیں۔ نیز چند مشہور اور معروف خوشامدی مولوی جن کا ذکر فضول ہے۔

مرکزی مجلس عمل نے اپنا کام تیزی سے شروع کیا۔ بالخصوص پنجاب میں بڑا شدید ردِ عمل ہوا۔ مسجدوں، محرابوں اور منبروں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی منقبت شروع ہوئی۔ ان کے مقام کی فضیلت بیان کی گئی۔ جلوس نکالے گئے۔ مجلس عمل کی طرف سے چند صاف اور واضح مطالبات رکھے گئے:

۱۔ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔

۲۔ قادیانیوں کو کلیدی عہدوں سے برطرف کیا جائے۔

۳۔ ربوہ کو کھلا شہر قرار دیا جائے۔

اسی اثنا میں بھٹو صاحب نے بلوچستان کا دورہ کیا وہاں کے غیور بلوچ اور پٹھانوں نے قادیانیوں کے متعلق اپنے ردِ عمل کا اظہار کیا تو بھٹو صاحب نے فوری طور پر ایک تاریخ مقرر کر دی۔ وہ غالباً اگست ۱۹۷۴ء کی کوئی تاریخ تھی لیکن بعد میں یہ تاریخ بدل دی گئی اور ۷ ستمبر ۷۴ء فیصلہ کی آخری تاریخ مقرر کی گئی۔

اسمبلی کے اندر

یہ مسئلہ ۳۰ جون ۱۹۷۴ء کو دو قراردادوں کی شکل میں اسمبلی میں پیش ہوا۔ ایک قرارداد جناب عبدالحفیظ پیرزادہ نے پیش کی جس کا خلاصہ یہ تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت پر جو یقین نہیں رکھتا اور ان کے بعد کسی دوسرے کو نبی یا مصلح تصور کرتا ہے ان کی حیثیت کا تعین کیا جائے۔

دوسری قرارداد مولانا شاہ احمد نورانی ممبر قومی اسمبلی و پارلیمانی لیڈر جمعیت علمائے پاکستان نے حزبِ اختلاف کے بائیس افراد کے دستخطوں کے ساتھ (جس پر بعد میں دستخطوں کی تعداد ۳۷ ہوگئی) پیش کی۔ اس قرارداد پر نیشنل عوامی پارٹی کے افراد نے بھی دستخط کیے۔ البتہ مولوی غلام غوث ہزاروی اور مولوی عبدالحکیم نے حزب اختلاف کی اس قرارداد پر دستخط نہ کیے۔

قرارداد کا متن:

ہر گاہ کہ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ قادیان کے مرزا غلام احمد نے آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبی ہونے کا دعویٰ کیا۔ نیز ہر گاہ کہ نبی ہونے کے

اس جھوٹے اعلان میں بہت سی قرآنی آیات کو جھٹلانے اور جہاد کو ختم کرنے کی اس کی کوششیں اسلام کے بڑے بڑے احکامات کے خلاف غداری تھی ۔ نیز ہرگاہ کہ وہ سامراج کی پیداوار تھا اور اس کا واحد مقصد مسلمانوں کے اتحاد کو تباہ کرنا اور اسلام کو جھٹلانا تھا ۔ نیز ہرگاہ کہ پوری اُمّتِ مسلمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ مرزا غلام احمد کے پیروکار چاہے وہ مرزا غلام احمد مذکور کی نبوت پر یقین رکھتے ہوں یا اسے اپنا مصلح یا مذہبی رہنما کی صورت میں بھی گردانتے ہوں ، دائرۂ اسلام سے خارج ہیں ۔ نیز ہرگاہ کہ ان کے پیروکار چاہے انہیں کوئی بھی نام دیا جائے مسلمانوں کے ساتھ گھل مل کر اور اسلام کا ایک فرقہ ہونے کا بہانہ کر کے اندرونی اور بیرونی طور پر تخریبی سرگرمیوں میں مصروف ہیں ۔

نیز ہرگاہ کہ عالمی مسلم تنظیموں کی ایک کانفرنس میں جو مکّہ مکرّمہ کے مقدّس شہر میں ۶ اور ۱۰ اپریل ۷۴ ، ۱۹ ، کے درمیان منعقد ہوئی اور جس میں دُنیا بھر کے تمام حصّوں سے ۱۴۰ مسلمان تنظیموں اور اداروں کے وفود نے شرکت کی ، متفقہ طور پر یہ رائے ظاہر کی گئی کہ قادیانی اسلام اور عالمِ اسلام کے خلاف ایک تخریبی تحریک ہے جو کہ ایک اسلامی فرقہ ہونے کا دعوےٰ کرتی ہے ۔

اب اس اسمبلی کو یہ اعلان کرنے کی کارروائی کرنی چاہیے کہ مرزا غلام احمد کے پیروکار انہیں چاہے کوئی بھی نام دیا جائے مُسلمان نہیں ۔ اور یہ کہ قومی اسمبلی میں ایک سرکاری بل پیش کیا جائے تاکہ اس اعلان کو مؤثر بنانے کے لیے اور اسلامی جمہوریہ پاکستان کی ایک غیر مسلم اقلیت کے طور پر ان کے جائز حقوق و مفادات کے تحفظ کے لیے احکام وضع کرنے کی خاطر آئین میں مناسب اور ضروری ترمیمات کی جائیں ۔"

قرارداد پر مندرجہ ذیل افراد نے دستخط کیے :

۱ ۔ مولانا مفتی محمود ۔
۲ ۔ مولانا شاہ احمد نورانی
۳ ۔ مولانا سید محمد علی رضوی
۴ ۔ چودھری ظہور الٰہی
۵ ۔ مولانا عبد المصطفےٰ الازہری
۶ ۔ پروفیسر غفور احمد
۷ ۔ مولانا عبدالحق (اکوڑہ خٹک)
۸ ۔ سردار شیر باز خان مزاری
۹ ۔ مولانا ظفر احمد انصاری
۱۰ ۔ صاحبزادہ احمد رضا قصوری
۱۱ ۔ مولانا صدر الشہید
۱۲ ۔ جناب عمرہ خان
۱۳ ۔ سردار شوکت حیات خان
۱۴ ۔ راؤ خورشید علی خان
۱۵ ۔ جناب عبدالمجید جتوئی
۱۶ ۔ جناب محمود اعظم فاروقی
۱۷ ۔ مولوی نعمت اللہ
۱۸ ۔ سردار مولا بخش سومرو
۱۹ ۔ حاجی علی احمد تالپور
۲۰ ۔ رئیس عطا محمد مری
۲۱ ۔ مخدوم نور محمد
۲۲ ۔ جناب غلام فاروق

بعد میں قرارداد پر مندرجہ ذیل مزید افراد نے دستخط کیے :

۲۳ ۔ نواب زادہ میاں محمد ذاکر قریشی
۲۴ ۔ جناب کرم بخش اعوان

۲۵ - مہر غلام حیدر بھروانہ
۲۶ - صاحبزادہ صفی اللہ
۲۷ - ملک جہانگیر خاں
۲۸ - جناب اکبر خاں مہمند
۲۹ - حاجی صالح خان
۳۰ - خواجہ جمال محمد گوریجہ
۳۱ - جناب غلام حسن خاں دھاندلہ
۳۲ - صاحبزادہ محمد نذیر سلطان
۳۳ - میاں محمد ابراہیم برق
۳۴ - صاحبزادہ نعمت اللہ شنواری
۳۵ - جناب عبدالسبحان خاں
۳۶ - میجر جنرل جمال دار
۳۷ - جناب عبدالمالک خان

قرارداد اسمبلی میں غور کرنے کے لیے پیش ہونے کے بعد پوری اسمبلی کو ایک خصوصی کمیٹی میں تبدیل کر دیا گیا۔ نیز چند لیڈروں پر مشتمل ایک رہبر کمیٹی بنائی گئی جس میں مولانا شاہ احمد نورانی۔ پروفیسر غفور احمد۔ مفتی محمود وغیرہ شامل تھے۔ حکومت کی طرف سے عبدالحفیظ پیرزادہ نیز جناب کوثر نیازی اہم کردار ادا کر رہے تھے۔

۳۰ جون ۱۹۷۴ء کے بعد کمیٹی کے مسلسل اجلاس شروع ہوئے اور قراردادوں پر غور کرنے کے لیے مختلف پہلوؤں کا جائزہ لیا گیا۔

اسی اثنا میں قادیانی ربوہ گروپ اور لاہوری گروپ کے سربراہوں کا ایک خط کمیٹی میں پیش کیا گیا جس میں مرزا ناصرالدین ربوہ گروپ نے اور لاہوری گروپ کے سربراہ صدرالدین نے اپنی صفائی پیش کرنے اور اپنے عقائد کی وضاحت کے لیے حاضری کی اجازت مانگی۔ کمیٹی نے خوشی سے اجازت دے دی۔

مرزا ناصرالدین ایک محضرنامہ کے ساتھ حاضر ہوا۔ خدا کی قدرت اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ دیکھیے کہ جس وقت مرزا نے محضرنامہ پڑھنا شروع کیا۔ اسمبلی کے اس بند "کنڈیشنڈ" کمرے میں اوپر کے چھوٹے پنکھے سے ایک ندے کا پَر جو غلاظت سے بھرا ہوا تھا سیدھا اس محضرنامہ پر آ کر گرا۔ جس پر وہ ایک دم چونکا اور گھبرا کر کہا: I AM DISTURBED۔ سارے اراکین اسمبلی یہ تماشہ دیکھ رہے تھے۔ اس سے پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کوئی چیز اوپر چھت سے اس طریقہ سے گری ہو۔

بہرحال محضرنامہ پڑھا گیا اس پر کمیٹی کے علماء اور دیگر افراد نے سوالنامہ مرتب کیا۔ نیز علمائے ملت کی طرف سے محضرنامہ کا جواب دیا گیا۔

سوالوں کی تعداد طویل تھی۔ تقریباً ۵، سوالات صرف علامہ عبدالمصطفیٰ الازہری، مولانا سید محمد علی رضوی اور مولانا ذاکر صاحب کی طرف سے پیش کیے گئے۔ اس کے علاوہ اور سوالات بھی دیگر اراکین کی طرف سے پیش ہوئے۔

سوالات لکھ کر اسمبلی کے سیکرٹری کو دیئے گئے اور ان سوالات کو پوچھنے کی ذمہ داری اٹارنی جنرل پاکستان جناب یحییٰ بختیار کے سپرد کی گئی۔

مسلسل گیارہ روز تک مرزا ناصر سے جرح ہوتی رہی اور سوال اور جوابی سوال کیا جاتا رہا۔ مرزا کو صفائی پیش کرتے کرتے پسینہ چھوٹ جاتا اور آخر تنگ آ کر کہہ دیتا کہ بس اب میں تھک گیا ہوں۔ ایئر کنڈیشنڈ کمرے میں پچاس سے زائد گلاس پانی کے مرزا ناصر روزانہ پیتا تھا۔ اسے یہ گمان نہیں تھا کہ اس طرح عدالتی کٹہرے میں بٹھا کر اس پر جرح کی جائے گی۔ سوالات اور جرح کی کارروائی چونکہ ابھی

پوشیدہ رکھی گئی ہے اس لیے اس کی وضاحت یہاں نہیں کی جا سکی۔ ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ وہ اپنا عقیدہ خود اراکین اسمبلی کے سامنے بیان کر گیا اور اس بات کا اعلان کر گیا کہ مرزا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مسیح موعود اور اُمتی نبی ہے۔ جن اراکین اسمبلی کو قادیانیوں کے متعلق حقائق معلوم نہیں تھے انہیں بھی معلوم ہو گئے اور انہیں اس بات کا یقین ہو گیا کہ دراصل یہ لوگ کافر، مرتد اور دائرۂ اسلام سے خارج ہیں۔

نورانی میاں کی خدمات

مولانا شاہ احمد نورانی۔ مولانا عبد المصطفےٰ الازہری، مولانا سید محمد علی رضوی اور اس ضعیفی اور علالت میں مولانا ذاکر صاحب نے جو کردار ادا کیا وہ تاریخ کے اوراق میں سنہرے حروف سے لکھے جانے کے قابل ہے۔ بقول مولانا نورانی کے کہ انہوں نے تین ماہ کے دوران تقریباً پنجاب کے علاقہ میں چالیس ہزار میل کا دورہ کیا۔ رات رات بھر دورے کرتے رہے، تقریریں کیں۔ مسلمان اہلِ سنت کو حقائق سے روشناس کرایا اور پھر اسمبلی کی کمیٹی اور رہبر کمیٹی میں فرائض انجام دیے۔ سینکڑوں کتابوں کا مطالعہ کیا، ان کے محضر نامہ کے جواب کی تیاری کی۔ مولانا عبد المصطفےٰ الازہری مولانا محمد علی رضوی اور مولانا ذاکر نے سوالات اور جوابی سوالات تیار کیے۔ مسلسل مہینوں اجلاس میں شرکت کے لیے اسلام آباد میں مقیم رہے۔

حکومت کا رویّہ

حکومت اور بالخصوص ذوالفقار علی بھٹو کے رویّہ کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس پوری تحریک کے دوران ان کی جماعت کے لوگوں نے کھل کر عوام کے سامنے نہ کوئی تقریر کی اور نہ عوام کے اس مطالبہ کی حمایت کی۔ ہاں کمیٹی اور رہبر کمیٹی کو خواہ مخواہ طول دینے کا فریضہ ضرور انجام دیا۔ پورے ملک میں زور شور سے تحریک چل رہی تھی اور حکومت طاقت استعمال کر رہی تھی۔ جگہ جگہ ظلم و تشدد کی پرانی داستانیں دہرائی گئیں۔ بے گناہ لوگوں پر گولیاں برسائی گئیں۔ جلسہ اور جلوس پر پابندی عاید کر دی گئی۔ لاؤڈ اسپیکر کے استعمال پر پابندی عاید ہو گئی۔ حتیٰ کہ اخبارات و رسائل میں ختم نبوت کا لفظ تک لکھنے پر پابندی لگا دی۔

بھٹو صاحب خود کہاں تک اس مسئلہ سے دلچسپی رکھتے تھے، اس کا اندازہ ان کی تقریروں سے اور بالخصوص آخری تقریر سے جو اس مسئلہ پر انہوں نے اسمبلی میں کی، ہوتا ہے۔

بھٹو صاحب آخر وقت تک راضی نہیں ہو رہے تھے، کبھی اعتراض یہ تھا کہ لفظ قادیانی یا احمدی نہیں آنا چاہیے کبھی غلام احمد کے نام پر اعتراض تھا۔ غرضیکہ ۵ تاریخ ستمبر ۱۹۷۴ء سے رہبر کمیٹی کے افراد مولانا شاہ احمد نورانی، پروفیسر غفور احمد، مولانا مفتی محمود۔ جناب عبد الحفیظ پیرزادہ۔ جناب کوثر نیازی اور جناب مولا بخش سومرو کی میٹنگ بھٹو صاحب کے یہاں شروع ہوئی۔ ۵ کو دو میٹنگیں ہوئیں مگر مسئلہ طے نہیں ہوا۔ ۶ کو دو میٹنگیں ہوئیں۔ ادھر مرکزی مجلس عمل تحفظ ختمِ نبوت کا راولپنڈی میں مسلسل اجلاس ہو رہا تھا۔ سارے لوگ فیصلے کے منتظر تھے۔ پوری قوم لڑنے مرنے کو تیار تھی۔ ملک کے کونے کونے میں فوج تعینات کر دی گئی۔ آخر کار ۶ ستمبر کا دن گذار کر رات تقریباً ۱۲ بجے بھٹو صاحب کی سرکاری قیام گاہ راولپنڈی میں یہ مسئلہ طے ہوا اور ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء کو ۴ بجے

قومی اسمبلی کے اجلاس میں آئین کی فوری ترمیم منظور کر لی گئی اور اسی روز ۷ بجے شب سینیٹ نے اس کی توثیق کر دی۔

بھٹو صاحب نے کیسے مانا کیا کیا باتیں ہوئیں، یہ انشاء اللہ بعد میں کسی وقت تفصیل سے تحریر کیا جائے گا۔ جب اسمبلی کی تمام کارروائی شائع کرنے کی اجازت ہو جائے گی۔ ابھی تمام باتیں صیغۂ راز میں رکھی گئی ہیں۔

آئین میں ترامیم

اب میں آخر میں ان ترامیم کی طرف آتا ہوں جو آئین میں کی گئیں ہیں۔ قومی اسمبلی کی خصوصی کمیٹی نے قراردادوں پر غور کرنے نیز پوری کارروائی مکمل کرنے کے بعد اسمبلی کو متفقہ طور پر مندرجہ ذیل رپورٹ پیش کی:

(الف) پاکستان کے آئین میں حسب ذیل ترمیم کی جائے۔

(اول) دفعہ ۱۰۶ (۳) میں قادیانی جماعت اور لاہوری جماعت کے اشخاص (جو اپنے آپ کو احمدی کہتے ہیں) کا ذکر کیا جائے۔

(دوم) دفعہ ۲۶۰ میں ایک نئی شق کے ذریعہ غیر مسلم کی تعریف درج کی جائے۔

مذکورہ بالا سفارشات کے نفاذ کے لیے خصوصی کمیٹی کی طرف سے متفقہ طور پر منظور شدہ مسودۂ قانون منسلک ہے۔

(ب) کہ مجموعہ تعزیرات پاکستان کی دفعہ ۲۹۵ الف میں حسب ذیل تشریح درج کی جائے:

تشریح

کوئی مسلمان جو آئین کی دفعہ ۲۶۰ کی شق (۳) کی تصریحات کے مطابق محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کے تصور کے خلاف عقیدہ رکھے یا عمل یا تبلیغ کرے وہ دفعہ ھذا کے تحت مستوجب سزا ہوگا۔

(ج) کہ متعلقہ قوانین مثلاً قومی رجسٹریشن ایکٹ ۱۹۷۳ء اور انتخابی فہرستوں کے قواعد ۱۹۷۴ء میں منتخب قانونی اور ضابطے کی ترمیمات کی جائیں۔

(د) کہ پاکستان کے تمام شہریوں خواہ وہ کسی بھی فرقے سے تعلق رکھتے ہوں کی جان و مال، آزادی، عزت اور بنیادی حقوق کا پوری طرح تحفظ اور دفاع کیا جائیگا۔

اس رپورٹ کے بعد قومی اسمبلی میں، ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء کو ۴½ بجے مندرجہ ذیل مسودہ قانون پیش کیا گیا اور متفقہ طور پر منظور کیا گیا:

"۱- مختصر عنوان اور آغاز نفاذ (۱) یہ ایکٹ آئین (ترمیم دوم) ۱۹۷۴ء کہلائے گا۔ (۲) یہ فی الفور نافذ العمل ہوگا۔

(۲) آئین کی دفعہ ۱۰۶ میں ترمیم: اسلامی جمہوریہ پاکستان کی دفعہ ۱۰۶ کی شق (۳) میں لفظ "اشخاص" کے بعد الفاظ اور قوسین "اور قادیانی جماعت یا لاہوری جماعت کے اشخاص (جو اپنے آپ کو احمدی کہتے ہیں)" درج کیے جائیں گے۔"

آئین کی اس دفعہ میں دراصل غیر مسلم اقلیتوں کو صوبائی اسمبلیوں میں نمائندگی مختص کرنے کا ذکر ہے۔ اس میں عیسائی، پارسی۔ ہندو، بدھ اور اچھوت کا ذکر کیا گیا ہے اور ان کے لیے مختلف صوبوں میں نشستیں مخصوص کی گئی ہیں، اچھوتوں سے پہلے قادیانیوں کا ذکر کیا گیا ہے۔

(۳) آئین کی دفعہ ۲۶۰ میں ترمیم آئین کی دفعہ ۲۶۰ شق (۲) کے بعد حسب ذیل نئی شق درج کی جائے گی یعنی:

(۳) جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو آخری نبی ہیں کے خاتم النبیین

ہونے پر قطعی اور غیر مشروط طور پر ایمان نہیں رکھتا یا جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی مفہوم میں یا کسی بھی قسم کا نبی ہونے کا دعوے کرتا ہے یا جو کسی ایسے مدعی کو نبی یا دینی مصلح تسلیم کرتا ہے وہ آئین یا قانون کی اغراض کے لیے مسلمان نہیں ہے۔"

جیسا کہ تمام ایوان کی خصوصی کمیٹی کی سفارش کے مطابق قومی اسمبلی میں طے پایا ہے۔ اس بل کا مقصد اسلامی جمہوریہ پاکستان کے آئین میں اس طرح ترمیم کرنا ہے تاکہ وہ شخص جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے پر قطعی اور غیر مشروط طور پر ایمان نہیں رکھتا یا جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبی ہونے کا دعویٰ کرتا یا جو کسی ایسے مدعی نبوت کو نبی یا دینی مصلح تسلیم کرتا ہے، اسے غیر مسلم قرار دیا جائے۔"

حضرت خواجہ حسن نظامی ؒ اور مرزائی

حالیہ تحریک ختم نبوت (۱۹۷۴ء) میں مرزائیوں نے اشتہارات اور ہینڈبل وغیرہ شائع کر کے یہ پراپگنڈا کیا کہ حضرت خواجہ حسن نظامی ؒ قادیانیوں کے بارے میں اچھی رائے رکھتے تھے ـــ ۱۷ر جون ۱۹۳۵ء کے روزنامچہ (منادی) کی مندرجہ ذیل تحریر غالباً آئینہ دکھانے کے لیے کافی ہے۔ خواجہ صاحب لکھتے ہیں:

"میرے پیرو مرشد حضرت مولانا سید مہر علی شاہ چشتی نظامی سجادہ نشین گولڑہ شریف کا ایک بیان میری نظر سے گزرا جس میں حضرت اقدس نے ایک فیصلہ کن حکم صادر فرمایا ہے اور وہ یہ ہے کہ قادیانی اپنے عقائد مخصوصہ کے سبب مسلمان نہیں کہلا سکتے۔ اس واسطے کسی مسلمان کو ان سے کسی قسم کا تعاون جائز نہیں۔" (بحوالہ مہر منیر صد ۲۹۳)

ختمِ نبوت ہر مسلمان کا بنیادی عقیدہ ہے۔ حضور رسالت مآبؐ نے لانبی بعدی کا اعلان فرما کر قیامت تک کے لیے اس شبہے کا ازالہ کر دیا کہ اب کوئی نبی یا رسول نہ آسکتا ہے حضور رسالت مآبؐ کے ہر اُمتی کے نزدیک حضورؐ کے بعد نبوت کا دعویٰ کرنے والا کذاب اور کافر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کو قرآن مجید میں خاتم النبیین فرمایا ہے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافتِ راشدہ میں مسیلمہ نے نبوت کا دعویٰ کیا تو انہوں نے پوری قوت کے ساتھ اس کا قلع قمع کیا۔ مسیلمہ کا تعلق قبیلہ بنو حنیفہ سے تھا۔ اس کے باپ کا نام حبیب تھا۔ سنہ ۹ھ میں بنو حنیفہ کا جو وفد حضور رسالت مآبؐ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا اس میں مسیلمہ بھی تھا۔ اس نے حضورؐ سے کہا اگر آپ اپنے بعد مجھے اپنا قائم مقام بنانے کا وعدہ کریں تو میں مسلمان ہونے کو تیار ہوں۔ اس وقت حضورؐ نے اپنے دستِ مبارک میں کھجور کی ایک شاخ پکڑی ہوئی تھی۔ آپؐ نے مسیلمہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

"اگر تو مجھ سے کھجور کی یہ شاخ بھی مانگے گا تو میں تجھے نہیں دوں گا۔"

مسیلمہ اپنے قبیلے میں واپس پہنچا تو اس نے نبوت کا دعویٰ کر دیا اور اس کے ساتھیوں نے یہ مشہور کر دیا کہ محمد رسول اللہؐ نے مسیلمہ کو اپنا شریکِ کار تسلیم کر لیا ہے۔ (نعوذ باللہ)

حضرت صدیق اکبرؓ کے پاس جب اس کذاب

کی خبر پہنچی تو انہوں نے عکرمہ بن ابو جہل کی سرکردگی میں ایک لشکر روانہ فرمایا۔ جب یہ لشکر روانہ ہو گیا تو آپ کو خیال ہوا کہ یہ لشکر کافی نہ ہو گا۔ چنانچہ آپ نے فوراً شرجیل بن حسنہ کی ماتحتی میں ایک اور لشکر بھیجا۔ حضرت عکرمہ نے یمامہ پہنچتے ہی شرجیل کا انتظار کیے بغیر حملہ کر دیا لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ اس پر حضرت صدیق اکبرؓ کو بڑا ملال ہوا اور انہوں نے شرجیل کو حکم بھیجا کہ جہاں ہو وہیں رُکے رہو یہاں تک کہ خالدؓ بن ولید کا لشکر تمہارے پاس پہنچ جائے۔

مورّخین کی رائے ہے کہ غزوۂ بدر کے بعد یمامہ کا معرکہ سب سے بڑا معرکہ تھا۔ اس معرکے میں حضرت صدیق اکبرؓ نے صرف حضرت خالدؓ بن ولید کے بھیجنے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ کئی نامور مہاجرین و انصار جو بدر و حنین کے معرکے سر کر چکے تھے اور جن میں بڑے بڑے حفاظ اور قرّاء تھے، اُن کو بھی روانہ فرمایا۔ مہاجرین کے دستے کے سردار حضرت ابو حذیفہ اور حضرت عمر فاروقؓ کے بھائی زید بن خطاب تھے اور انصار کا دستہ ثابتؓ بن قیس بن شماس کی ماتحتی میں تھا۔

اس انتظام و انصرام کے ساتھ حضرت خالدؓ بن ولید نبوّت کے جھوٹے مدعی مسیلمہ کذّاب سے جنگ کرنے کے لیے یمامہ روانہ ہوئے۔ راستے میں شرجیل بن حسنہ کے لشکر کو بھی آپ نے ساتھ لے لیا۔ اُدھر حضرت صدیق اکبرؓ نے اس خیال سے کہ کوئی پیچھے سے حملہ نہ کر دے حضرت خالدؓ کے عقب میں سلیط کی سرکردگی میں ایک اور دستہ روانہ کر دیا۔

حضرت خالدؓ اسلامی لشکر کو لے کر یمامہ پہنچے تو مسیلمہ کذّاب اپنے ساٹھ ہزار لشکر کثیر کو ساتھ لے کر لڑنے کے لیے نکلا۔ چنانچہ دونوں لشکر ایک فیصلہ کن جنگ کے لیے ایک دوسرے کے رُوبرو کھڑے ہو گئے۔

سب سے پہلے مسیلمہ کا ساتھی نہار رجال باہر نکلا اور پکارا کہ "ہل من مبارز ـــ کیا مجھ سے کوئی مقابلہ کرنے والا ہے"؟ اس کے جواب میں اسلامی لشکر کی طرف سے حضرت عمر فاروقؓ کے بھائی زیدؓ بن خطاب آگے بڑھے اور نہار پر اس زور کا وار کیا کہ وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔ اب دونوں لشکر گتھم گتھا ہو گئے اور بڑے زور کا رن پڑا۔ مسیلمہ کا ایک ایک آدمی اُس پر پروانہ وار جان قربان کرنے پر تُلا ہوا تھا۔ اُن کا جوش اور خروش اتنا بڑھا ہوا تھا کہ مسلمان اوّل اوّل پسپا ہو گئے۔ یہ حالت دیکھ کر مسیلمہ کے ساتھیوں کا حوصلہ بڑھ گیا۔ اب مسلمانوں نے اپنے آپ کو سنبھالا اور ایک دوسرے کو پکار پکار کر ثابت قدمی اور استقلال کی دعوت دی۔

حضرت ثابت بن قیسؓ نے کہا۔ اے مسلمانو! آخر تم کو کیا ہو گیا ہے؟ پھر فرمایا اے اللہ! ان مسلمانوں نے جو پسپائی دکھائی ہے میں اُس سے بری ہوں۔ زیدؓ بن خطاب بولے "خدا کی قسم اب میں اُس وقت تک زبان نہیں کھولوں گا جب تک دشمنوں کو شکست نہ دے لوں یا خود قتل نہ ہو جاؤں۔ حضرت ابو حذیفہؓ نے للکار کر کہا:

"اے اہلِ قرآن! تم اپنے افعال سے قرآن کو زینت دو"۔

ان تقریروں سے مسلمانوں میں بے پناہ جوش پیدا ہو گیا اور انہوں نے حضرت خالدؓ کی قیادت میں اس زور کا حملہ کیا کہ مسیلمہ کذاب کی فوج پیچھے ہٹنے پر مجبور ہو گئی۔ مہاجرینؓ، انصارؓ قراء اور اہلِ بادیہ سب ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر دادِ شجاعت دے رہے تھے۔ مشہور صحابہ حضرت زیدؓ بن خطاب، حضرت سالمؓ، اور حضرت ابو حذیفہؓ شہید ہو چکے تھے۔ حضرت خالدؓ نے جائزہ لیا تو معلوم ہوا کہ مہاجرینؓ، انصار اور قراء کی نسبت اہلِ بادیہ کو زیادہ نقصان پہنچا ہے۔ حضرت خالدؓ نے دشمن کی جمعیت پر نگاہ ڈالی تو دیکھا کہ مسیلمہ اپنی جگہ پر جما ہوا کھڑا ہے اور اس کی جھوٹی نبوت کے پیروؤں نے چاروں طرف سے اس کو حلقہ میں لے رکھا ہے۔ اب حضرت خالدؓ نے محسوس کیا کہ جب تک مسیلمہ کذاب کے دستۂ خاص پر حملہ کر کے اُسے شکست نہیں دی جائے گی دشمن کی جمعیت منتشر نہ ہو گی۔ چنانچہ انہوں نے یک بیک "وامحمدا" کا نعرہ لگایا اور مسیلمہ کے دستے پر حملہ کر دیا۔ اب یہ حال تھا کہ دشمن کی فوج کا ایک ایک سپاہی آگے بڑھتا اور خاک و خون میں تڑپ کر ٹھنڈا ہو جاتا۔ مسیلمہ نے یہ رنگ دیکھ کر خود آگے بڑھنا چاہا مگر اس کے پاؤں لرزنے لگے اس پر اس کے ساتھیوں نے کہا "وہ تم سے جس فتح و نصرت کا وعدہ کرتا تھا وہ کہاں ہے؟" اتنے میں حضرت خالدؓ نے اس زور کا حملہ کیا کہ مسیلمہ بھاگ نکلا۔ مسیلمہ کو بھاگتے دیکھ کر اس کی فوج بھی میدان چھوڑ کر بھاگ اُٹھی اور قلعہ بند ہو گئی۔

اسلامی لشکر نے اُن کا تعاقب کیا اور قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ حضرت براء بن مالکؓ نے مسلمانوں سے درخواست کی کہ وہ اُن کو اوپر اٹھا کر قلعہ کے اندر پھینک دیں۔ مجاہدین نے کہا "ہم ایسا نہیں کریں گے" لیکن حضرت براءؓ نے اصرار کیا۔ آخر مسلمانوں نے انہیں اُٹھا کر قلعہ کے اندر پھینک دیا۔ قلعے کے اندر وہ تنِ تنہا لڑتے بھڑتے قلعے کے دروازے تک پہنچ گئے اور دروازہ کھول دیا۔ دروازہ کھلتے ہی مسلمان قلعے میں داخل ہو گئے اور شدید جنگ شروع ہو گئی۔ مسیلمہ قتل کر دیا گیا۔ اس کے ساتھی یہ حالت دیکھ کر بھاگنے پر مجبور ہو گئے اور مسلمانوں کو فتح و نصرت حاصل ہوئی۔ طبری کا بیان ہے کہ قلعہ کے اندر اور باہر مسیلمہ کذاب کے دس ہزار آدمی مارے گئے۔ اور اسلامی لشکر کے بارہ سو مجاہدین شہید ہوئے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کا یہ واقعہ قیامت تک مسلمانوں کے لیے نمونہ ہے کہ ملتِ اسلامیہ میں جب کوئی نبوت کا جھوٹا دعویدار پیدا ہو، اسلامی حکومت اُسوۂ صدیقیؓ پر عمل پیرا ہو کر اس کا قلع قمع کر دے۔

دارالعلوم قمرالاسلام سُلیمانیہ کراچی

" انسانیت کو بھلائیوں کی طرف بُلانے، نیکیوں کا حکم کرنے اور برائیوں سے روکنے۔" کی عظیم ذمہ داری کی انجام دہی کے لیے ایسے اولوالعزم مردان کار کی ضرورت ہے جو اسلامی علوم میں کامل مہارت رکھنے کے ساتھ ساتھ ضروری علوم جدیدہ سے بھی بہرہ ور ہوں اور جن کا قول و عمل اور سیرت و کردار سُنتِ رسُول صلی اللہ علیہ وسلم کا آئینہ دار ہو۔ ایسے ہی مردان کار تیار کرنا دارالعلوم قمرالاسلام سلیمانیہ کا مقصد قیام ہے۔ اس مقصدِ عظیم کی تکمیل میں دارالعلوم کے مندرجہ ذیل شعبے مصروف کار ہیں۔

<u>تعلیم القرآن</u> : اس شعبہ میں صحت مخارج کے ساتھ قرآن کریم، حفظ و ناظرہ کی تعلیم کا معقول انتظام ہے۔ اس دوران پرائمری بھی پاس کرایا جاتا ہے۔ بفضلہ تعالیٰ ہر سال بکثرت ناظرہ خواں و حافظ قرآن فارغ ہوتے ہیں۔

<u>دارالتجوید والقراۃ</u> : اس شعبہ میں کتب تجوید کی باقاعدہ تعلیم کے ساتھ مشق (ترتیل و حدر) پر خصوصی محنت کی جاتی ہے۔ بفضلہ تعالیٰ متعدد قراء اس شعبہ سے سند فراغت حاصل کر کے عمدگی سے قرآن کریم کی خدمت میں مشغول ہیں۔

<u>مدرسہ العلوم العربیہ الاسلامیہ</u> : اس شعبہ میں تفسیر، حدیث، فقہ، اصول فقہ، اصول حدیث، اصول تفسیر، تاریخ اسلام، منطق، فلسفہ، تصوف، معانی، بلاغت، ادب عربی، صرف، نحو کی تعلیم کے ساتھ بی اے تک مروجہ علوم بھی پڑھائے جاتے ہیں۔

پاکستان بھر اور آزاد کشمیر کے علاوہ سعُودی عرب کے طلبہ بھی زیرِ تعلیم ہیں۔

<u>دارالکتب و دارالمطالعہ</u> : دارالکتب میں مختلف علوم و فنون کی تقریباً ڈھائی ہزار کتابیں ہیں۔ علاوہ ازیں طلبہ و اساتذہ کے مطالعہ کے لیے مقامی جرائد و مجلات کے علاوہ دیارِ عرب سے بھی جرائد و مجلات مہیا کیے جاتے ہیں۔

<u>دارالاقامہ</u> : مذکرہ بالا شعبوں میں زیرِ تعلیم طلبہ کی رہائش، خورد و نوش، لباس، علاج وغیرہ کا دارالاقامہ میں بلامعاوضہ معقول انتظام ہے۔

<u>دارالصحت</u> : طلبہ کو طبی سہولیات پہنچانے کے لیے ڈسپنسری اور ڈاکٹر کا خاطر خواہ انتظام ہے۔

<u>دارالخیاط</u> : درزی خانہ میں طلبہ کے ملبوسات کی تیاری کے علاوہ شائق طلبہ کو سلائی کا کام بھی سکھایا جاتا ہے۔

<u>تعمیر</u> : دارالعلوم اور جامع مسجد کی سہ منزلہ عظیم الشان عمارت زیرِ تعمیر ہے۔

ان عظیم مقاصد کی کماحقہ تکمیل کے لیے مخیر حضرات کے فراخدلانہ تعاون کی ضرورت ہے۔ یہ فردِ واحد کا کام نہیں بلکہ ملت کی اجتماعی ضرورت ہے جس میں ملت کے ہر حساس فرد کو حصہ لینا چاہیے۔

سیّد شاہ منظور ہمدانی، بانی و ناظم اعلیٰ دارالعلوم قمرالاسلام سُلیمانیہ

پنجاب کالونی شارع قمرالاسلام کراچی ۲۶ فون نمبر ۵۳۱۹۰۳

صوفیائے کرام نے ہر دور میں باطل قوتوں اور طاغوتی طاقتوں کے خلاف علمِ جہاد بلند رکھا ہے۔ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ، حضرت امام احمد بن حنبل، حضرت مجدد الف ثانیؒ حضرت مرزا مظہر جانجاناں شہید، حضرت امام علی الحق سیالکوٹیؒ اور مولانا احمد اللہ شاہ مدراسی رحمۃ اللہ علیہم کی مثالیں روزِ روشن کی طرح عیاں ہیں۔ انگریزی دور میں جب برصغیر میں دینی اقدار کو پامال کرنے کی سازشیں کی گئیں، تو بھی صوفیائے کرام میدان میں آئے اور سر پر کفن باندھ کر دین و ملت کا تحفظ کیا۔ انگریز کے خود کاشتہ پودے مرزا غلام احمد قادیانی نے نبوت کا دعویٰ کیا تو وہ صوفیاء ہی تھے جنہوں نے اس کے مکر و فریب کے جال کو تار تار کیا۔ ذیل میں مختصراً ان صوفیائے کرام کی کوششوں کا ذکر کیا جاتا ہے جنہوں نے مرزا قادیانی کے خلاف جہاد کر کے اہم دینی فریضہ انجام دیا:

حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑویؒ

مرزا قادیانی نے عیسائیوں اور آریوں سے مناظرے کر کے غیر معمولی شہرت حاصل کر لی تو اس نے ملک کے مشہور مشائخ کو دعوت نامے ارسال کیے، جن کا مضمون یہ تھا کہ "میں مسیح موعود ہوں اور خدا تعالیٰ کی طرف سے احیائے دین اور عروجِ اسلام کے لیے مامور کیا گیا ہوں۔ آپ اس مشن میں میری اعانت کریں!"

جب یہ دعوت نامہ حضرت قبلۂ عالم پیر مہر علی گولڑویؒ کی خدمت میں پہنچا تو آپ نے یہ جواب لکھوایا کہ "میں آپ کو مسیح موعود اور مامور من اللہ نہیں مانتا۔ آپ اپنی توجہ حسبِ سابق غیر مسلموں کے ساتھ مناظرات اور تبلیغ اسلام پر مرکوز رکھیں اور عند اللہ ماجور ہوں۔" جب یہ خط مرزا صاحب کو پہنچا، تو وہ بہت بوکھلائے۔ کیونکہ ہر طرف سے مرزا صاحب کے اس دعوے کی تردید کی گئی تھی، چنانچہ ہر طرف سے مایوس ہو کر "ایام الصلح" میں مرزا صاحب نے مشائخ پر بہ طریقِ ذیل اپنا غبار نکالا:

"این وقت زیرِ سقفِ نیلگوں، ہیچ متنفس قدرت ندارد کہ لافِ برابری با من زند۔ من آشکارا می گویم و ہرگز باک ندارم اے اہالیانِ اسلام، در میانِ شما جماعتے می باشند کہ گردن بدعویٔ محدثیت و مفسریت بری فرازند و طائفہ اند کہ

از نازشِ ادب پا بر زمین نگذارند و گروہے اند کہ دم بلند از خدا شناسی زنند و خود را چشتی و قادری و نقشبندی و سہروردی چہا چہا مے گویند۔ ایں جملہ طوائف را نزدِ من بیارید۔"

یعنی اس وقت آسمان کے نیچے کسی کی مجال نہیں جو میری برابری کی لاف مار سکے۔ میں اعلانیہ اور بلا کسی خوف کے کہتا ہوں کہ اے مسلمانو! تم میں بعض لوگ محدثیت و مفسریت کے بلند بانگ دعوے کرتے ہیں اور بعض از راہِ ناز زمین پر پاؤں بھی نہیں رکھتے اور کئی خدا شناسی کا دم مارتے ہیں اور چشتی اور قادری اور نقشبندی اور سہروردی اور کیا کیا کہلاتے ہیں۔ ذرا ان سب کو میرے سامنے تو لاؤ!"

جب مرزا صاحب کو بہت زیادہ شہرت حاصل ہو گئی اور ظاہر بین اور کم علم لوگ متاثر ہونے لگے، تو علماء کی درخواست کو شرفِ قبولیت بخشتے ہوئے حضرت قبلۂ عالم گولڑوی اس فتنے کی طرف متوجہ ہوئے اور ۱۳۱۷ھ مطابق ۱۹۰۰ - ۱۸۹۹ء ماہ شعبان و رمضان المبارک میں اوراد و اشغالِ روزمرہ سے کچھ وقت بچا کر ایک رسالہ بعنوان "شمس الہدائیت فی اثبات المسیح" تحریر فرمایا جو رمضان شریف ہی میں زیورِ طبع سے آراستہ و پیراستہ ہو کر برصغیر کے علماء و مشائخ میں تقسیم ہوا اور ایک کاپی بذریعہ رجسٹری مرزا صاحب کو بھی قادیان بھیج دی گئی۔

اس کتاب میں حضرت گولڑوی نے حضرت عیسٰی علیہ السلام کے آسمان پر زندہ اٹھائے جانے اور قیامت کے قریب بجسدِ عنصری زمین پر نازل ہو کر اسلام کی نصرت کا باعث ہونے کو قرآن مجید اور صحیح احادیث سے ثابت فرمایا اور اس عقیدہ کو اُمّتِ اسلامیہ کے اجماعی اور متفق علیہ عقائد میں سے قرار دیا۔ نیز ثابت کیا کہ ان کے مثیل کے دنیا میں بطورِ مسیح موعود آنے کے قادیانی عقائد غلط اور باطل ہیں۔ آغازِ کتاب میں آپ نے مرزا صاحب کی "ایام الصلح" والی تعلّی (جس کا ذکر ہو چکا ہے) کے مقابلہ میں اُن سے کلمہ طیّبہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کے معنی دریافت کیے تھے۔

کتاب کا منصّۂ شہود پر آنا تھا کہ قادیان میں تہلکہ مچ گیا۔ خصوصاً کلمہ طیّبہ کے معانی کے سوال پر علمائے اسلام بھی انگشت بدنداں رہ گئے۔ اس کتاب کی مقبولیت اور قدردانی کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ ملک کے طول و عرض سے حضرت قبلۂ عالم کو مبارکباد کے خطوط آنے لگے۔ مشہور اہلحدیث مولانا عبد الجبار غزنوی کا خط قابلِ ذکر ہے۔ لفظ لفظ سے حضرت قبلۂ عالم سے عقیدت و محبت کا اظہار ہوتا ہے۔

اس کے بعد حکیم نور الدین نے ۲۰ فروری ۱۹۰۰ء کو حضرت قبلۂ عالم کی خدمت میں بارہ سوالات بھیجے۔ حضرت نے انکے جوابات ارسال کر دیے اور حکیم نور دین پر ایک سوال کیا، مگر وہ جواب نہ دے سکا۔ حضرت نے یہ خط و کتابت بصورت اشتہار شائع کروا دی۔ حضرت کے جوابات نے ملک کے گوشہ گوشہ میں پہنچ کر علماء و فضلا سے تحریری و تقریری خراجِ تحسین حاصل کیا۔ اس پر عوام کی طرف سے "شمس الہدایت" کے جواب کا مطالبہ زور پکڑ گیا، تو مرزا صاحب نے جوش میں آ کر حضرت کو مناظرہ کی دعوت دے دی کہ میرے ساتھ عربی زبان میں تفسیر نویسی کا مقابلہ کرو۔ چنانچہ مرزا صاحب نے ۲۲ جولائی ۱۹۰۰ء کو بذریعہ اشتہار مقابلۂ تفسیر نویسی کی دعوت دیدی۔

گولڑہ شریف میں مرزا صاحب کی دعوت کا اشتہار ۲۵ جولائی ۱۹۰۰ء کو موصول ہوا۔ حضرت نے اگلے ہی روز اِس دعوت کا جواب پانچ ہزار کاپیوں کی صورت میں چھپوا کر ملک کے طول و عرض میں پھیلا دیا اور مرزا صاحب کو بھی بذریعہ رجسٹرڈ پوسٹ ارسال کیا۔ حضرت نے

بمقام لاہور ۲۵ اگست ۱۹۰۰ء تاریخ مقابلہ مقرر کردی۔ ملک کے تمام علماء و مشائخ نے حضرت قبلۂ عالم کی حمایت میں اشتہار شائع کیے اور تقریری مقابلے کا مطالبہ بھی کیا۔ تاکہ فیصلہ واضح طور پر ہو سکے، لیکن قادیانی نہ مانے۔

جوں جوں مقابلے کا دن نزدیک آرہا تھا، ملک کے اطراف و اکناف سے مسلمان لاہور پہنچ رہے تھے۔ تمام فرقوں کے رہنماؤں نے حضرت کو اپنا قائد منتخب کر لیا۔ ۲۴ اگست کو حضرت لاہور پہنچ گئے اور آتے ہوئے راولپنڈی اور لالہ موسیٰ سے مرزا صاحب کو بذریعہ تار اپنی آمد کی اطلاع دے دی۔ جب آپ لاہور تشریف لائے تو لاکھوں مسلمان دیدہ و دل فرشِ راہ کیے ہوئے تھے۔ مباحثہ کا انعقاد شاہی مسجد میں قرار پایا۔ ۲۵ اگست کو پولیس نے حفظِ امن کے تمام انتظامات کر رکھے تھے، لیکن مرزا صاحب کو میدان میں آنے کی جراٴت نہ ہوئی۔ حضرت کو جب معلوم ہوا کہ مرزا نے قادیان سے باہر نکلنے سے انکار کر دیا ہے، تو آپ قادیان جانے کے لیے تیار ہونے لگے، مگر مسلمانوں کی کثیر تعداد کے منع کرنے سے رُک گئے۔

مرزا صاحب نے یہ کہا کہ "میں کسی قیمت پر بھی لاہور آنے کو تیار نہیں ہوں کیونکہ مولوی لوگ مجھے دعویٰ نبوت میں کاذب ثابت کرنے کے بہانے قتل کرانا چاہتے ہیں۔" جب قادیان کا وفد یہ پیغام لے کر لاہور پہنچا، تو اس جماعت میں شدید انتشار پیدا ہو گیا۔ بعض لوگوں نے اسی وقت توبہ کر لی اور بعض لوگ مایوس ہو کر خانہ نشین ہو گئے۔ جب مرزا صاحب کی آمد سے قطعی مایوسی ہو گئی، تو ۲۷ اگست کو شاہی مسجد میں مسلمانوں کا ایک عظیم الشان جلسہ ہوا جس میں ممتاز علماء نے ختم نبوت پر تقاریر فرمائیں۔ مقررین حضرات میں حضرت محدّث علی پوریؒ، مفتی محمد عبداللہ ٹونکی پروفیسر اورینٹل کالج، مولانا ثناء اللہ امرتسری اور مولانا عبدالجبار غزنوی قابلِ ذکر ہیں۔

حضرت قبلۂ عالم ۲۴ اگست تا ۲۹ اگست لاہور میں قیام فرما کر واپس گولڑہ شریف چلے گئے، تو ۳۰ یا ۳۱ اگست کو مرزا صاحب نے ایک اشتہار لاہور میں تقسیم کروایا کہ پیر صاحب مقابلہ سے بھاگ گئے ہیں اور اُلٹا یہ مشہور کروا دیا ہے کہ مرزا بھاگ گیا ہے اور میدان میں نہیں آیا۔ اگر اب بھی میری جان کے تحفظ کا بندوبست کیا جائے، تو میں میدان میں آنے کو تیار ہوں۔ ملک کے علماء و مشائخ اور عوام نے چونکہ شاہی مسجد والے واقعے ہی سے مرزا صاحب کو مخاطب نہ کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا لہٰذا حضرت نے مرزا صاحب کے اس اشتہار کا نوٹس نہ لیا۔ مورخہ ۱۵ دسمبر ۱۹۰۰ء کو مرزا صاحب نے ایک اور اشتہار نکالا جس میں لکھا تھا کہ "آج میرے دل میں ایک تجویز خدائے تعالیٰ کی طرف سے ڈالی گئی جس کو میں اتمام حجت کے لیے پیش کرتا ہوں اور وہ تدبیر یہ ہے کہ آج میں اُن متواتر اشتہارات کا جو پیر مہر علی شاہ صاحب کی تائید میں نکل رہے ہیں یہ جواب دیتا ہوں کہ ... میں اسی جگہ بجائے خود سورۂ فاتحہ کی عربی فصیح میں تفسیر لکھ کر اس سے اپنے دعویٰ کو ثابت کروں اور اُس کے متعلق معارف اور حقائق سورۂ ممدوحہ کے بھی بیان کروں اور حضرت پیر صاحب میرے مخالف آسمان سے آنے والے مسیح اور خونی مہدی کا ثبوت اس سے ثابت کریں۔ یہ دونوں کتابیں دسمبر ۱۹۰۰ء کی پندرہ تاریخ سے ۷۰ دن تک چھپ کر تیار ہو جانی چاہئیں۔ تب اہلِ علم لوگ خود مقابلہ اور موازنہ کر لیں گے۔" ساتھ ہی مرزا صاحب نے مبلغ پانچ صد روپیہ انعام رکھا کہ اگر حضرت کی تفسیر مقابلہ میں بہتر قرار دے دی جاوے تو انعام ان کا حق ہو گا۔ حضرت کی ذاتِ گرامی پر اس نئے چیلنج کا ذرہ بھر

بھی اثر نہ ہوا۔

مرزا صاحب نے ۱۵ دسمبر ۱۹۰۰ء کے ستر دن بعد "اعجاز المسیح" کے نام سے سورۂ فاتحہ کی تفسیر شائع کی۔ اس تفسیر نے مرزا صاحب کے تمام دعووں پر پانی پھیر دیا۔ اس تفسیر کی زبان محاورہ سے محروم، لغوی اور نحوی اغلاط سے مملو اور مسروقہ عبارات سے پُر تھی۔ اس تفسیر سے مرزا صاحب کی مراد نہ بر آئی اور مسلمانوں نے شدید مطالبہ کیا کہ مرزا صاحب حیلوں بہانوں کو چھوڑ کر حضرت کی کتاب "شمس الہدایت" کا جواب دیں چنانچہ مجبور ہو کر مرزا صاحب نے مولوی محمد احسن امروہوی سے "شمس بازغہ" لکھوائی۔

اس کی اشاعت کے بعد حضرت نے "اعجاز المسیح" اور "شمس بازغہ" کے جواب میں اپنی شہرۂ آفاق کتاب "سیف چشتیائی" تصنیف فرمائی جو ۱۹۰۲ء میں شائع ہو کر برصغیر کے علماء و مشائخ، دینی مدارس اور مذہبی اداروں میں مفت تقسیم کی گئی۔ اس میں حضرت نے مرزا صاحب کی تفسیر پر تقریباً ایک سو اعتراضات فرمائے۔ "سیف چشتیائی" کی اشاعت کے موقع پر حضرت نے ایک بیان جاری فرمایا، جسے یہاں تبرکاً نقل کیا جاتا ہے۔ اس بیان سے تمام معرکہ کا پس منظر سامنے آجاتا ہے:

"قابلِ توجہ اہلِ اسلام"

اس ہیچمدان، خوشہ چین علمائے کرام کو مطابق قول السلامۃ فی الوحدۃ گوشہ نشینی پسند رہی ہے۔ تصنیف و تالیف کا شوق نہیں۔ کیونکہ یہ اُمور یا تو بغرضِ شہرت و نام آوری، یا بغرضِ حصولِ دولت کیے جاتے ہیں۔ سو اس خاکسار کو ان دونوں اُمور سے نفرت ہے۔ آج کل کے ابنائے زمان اُن کمالات کو پسند کرتے ہیں جو منجملہ تعلیماتِ یُورپ کے ہیں اور جس سے یہ عاجز ناواقف ہے۔ اُس طرزِ قدیم سے جس پر زمانۂ سلف کے بزرگانِ دین تصنیف و تالیف کرتے آئے ہیں اور جس سے اس ہیچمدان کو قدرے مؤانست ہے، نفرت رکھتے ہیں۔

باوجود ان موانعات کے چند احباب کے اصرار پر رسالہ "شمس الہدایت" لکھا گیا تھا۔ جس سے مراد نہ تو طلبِ شہرت نہ حصولِ دولت تھی بلکہ اصل غرض یہ تھی کہ اعلاءِ کلمۃ الحق میں کوتاہی نہ ہو اور قیامت میں بازپرس سے بچ جاؤں، تو عنداللہ مستحقِ ثواب ٹھہروں۔

اس رسالہ کے شائع ہونے سے کچھ مدت بعد مرزا صاحب قادیانی اور اُن کے مریدوں کی طرف سے بجائے کسی جواب کے، مباحثہ کے لیے اشتہار شائع ہونے شروع ہوئے۔ ہر چند مباحثہ کے لیے کل شرائط مرزا قادیانی نے خود ہی تجویز کی تھیں۔ اس طرف سے نہ تو کوئی شرط پیش ہوئی اور نہ کسی شرط کی ترمیم کی درخواست کی گئی اور یہ خادم الفقراء معہ علمائے کرام اور مشائخِ عظام تاریخ مقررہ پر لاہور پہنچ کر کئی روز تک محمڈن ہال انجمن اسلامیہ پنجاب لاہور میں بغرض انتظار مرزا صاحب قادیانی ٹھہرا رہا مگر مرزائے قادیانی، قادیان سے باہر نہ نکلا۔ اس تمام واقعہ کی عوام نے بلا اطلاع میری کے تشہیر کر دی تھی، اس لیے اب اس تشریح کی ضرورت نہیں۔

بہت دیر بعد "شمس الہدایت" کے جواب میں مرزا قادیانی کے امروہوی مرید نے "شمس بازغہ" لکھی اور مرزا نے "تفسیر فاتحہ" چھپوائی تو دوبارہ اہلِ اسلام اور میرے احباب نے مجھے مجبور کیا کہ اس کے جواب میں قلم فرسائی کروں۔ گو بہت انکار کیا گیا اور کہا گیا کہ:

آں کس کہ ز قرآں و خبر زد نہ رہی
آں است جوابش کہ جوابش نہ دہی

لیکن پھر بھی سوال پیش آیا کہ مرزا قادیانی اور اس کے مریدوں سے کیا غرض ہے۔ عوام مسلمانانِ ہندو پنجاب کے فائدے کے لیے ہی سہی لہٰذا یہ چند اوراق لکھ کر مولوی محمد غازی صاحب کے حوالہ بغرض طبع کر دیئے کہ وہ اسے کتاب کی صورت میں چھپوا کر میرے پاس لائیں تاکہ یہ علمائے کرام اور معززین اسلام میں بدستور سابق مفت تقسیم کی جائے۔ کیونکہ مجھے اس کی اشاعت سے مقصود نفعِ اہلِ اسلام ہے نہ کہ تجارت۔ وما علینا الا البلاغ۔

محبّ الفقراء

مہر علی شاہ عفی عنہ[1]

حضرت پیر سیّد جماعت علی شاہ

حضرت امیر ملت پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری رحمۃ اللہ علیہ نے ردِ مرزائیت میں عظیم الشان کردار ادا کیا۔ جب مرزا قادیانی نے اپنے بال و پر نکالے تو حضرت نے مندرجہ ذیل اعلان جاری فرمایا:

۱۔ سچّا نبی کسی اُستاد کا شاگرد نہیں ہوتا، اس کا علم لدنّی ہوتا ہے۔ وہ رُوح قدس سے تعلیم پاتا ہے۔ بلاواسطہ اس کی تعلیم و تعلم خداوند قدوس سے ہوتی ہے جھوٹا نبی اُس کے برخلاف ہوتا ہے۔

۲۔ ہر سچّا نبی اپنی عمر کے چالیس سال گزرنے کے بعد یکدم بحکم رب العالمین مخلوق کے رُوبرُو دعوئے نبوت کر دیتا ہے اور بتدریج آہستہ آہستہ اس کو درجۂ نبوت نہیں ملتا۔ وہ نبی ہوتا ہے، وہ پیدائش سے نبی ہوتا ہے۔ جھوٹا نبی برخلاف اس کے آہستہ آہستہ دعاوی کے بعد نبوت کا دعویٰ کرتا ہے۔ پہلے محدث، مجدد ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔

۳۔ حضرت آدم علیہ السّلام سے لے کر حضور خاتم الانبیاءؐ تک جتنے نبی ہوئے تمام کے نام منفرد تھے، کسی سچے نبی کا نام مرکّب نہ تھا۔ برعکس اس کے جھوٹے نبی کا نام مرکب ہوا۔

۴۔ سچا نبی کوئی ترکہ نہیں چھوڑتا ہے اور جھوٹا نبی ترکہ چھوڑ مرتا ہے اور اولاد کو محروم الارث کرتا ہے۔

۵۔ مرزائی جو مرزا غلام احمد کے پیرو ہیں، وہ ختمِ نبوّت کے قائل نہیں ہیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رسالت و نبوّت میں کمی کرنے والے ہیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ و السّلام کے مدارج کو مرزا غلام احمد کے لیے مانتے ہیں۔

(بحوالہ ماہنامہ انوار الصوفیہ قصور۔ اپریل، مئی ۱۹۶۱ء ص ۳۳)

اس کے بعد حضرت نے مرزائی فتنہ کی سرکوبی کے لیے ملک گیر دورے کیے اور مرزا قادیانی کی عیّاریوں کو بے نقاب کیا۔ آپ کے دو خلفاء حضرت مولانا غلام احمد اخگر امرتسریؒ، مدیر "الفقیہ" امرتسر اور سید محبوب احمد شاہ المعروف خیر شاہ امرتسری نے بارہا قادیان میں جا کر مرزائی عقائد کی تردید فرمائی۔ مرزا صاحب کو یا اُن کے کسی حواری کو ان حضرات کے مدِمقابل آنے کی جرأت نہ ہو سکی۔ اگست ۱۹۰۰ء میں جب مرزا صاحب نے حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑویؒ کو دعوتِ مناظرہ دی تھی، تو حضرت امیر ملت محدث علی پوری قدس سرہٗ بھی حضرت گولڑویؒ کے ساتھ لاہور میں موجود تھے۔ مرزا صاحب کے فرار کے بعد بادشاہی مسجد لاہور میں حضرت گولڑویؒ کے اعزاز میں جو جلسہ منعقد ہوا تھا اُس میں بھی حضرت امیر ملتؒ

---

[1] مزید تفصیل کے لیے حضرت کی سوانح عمری "مہر منیر" ملاحظہ فرمائیے۔

نے ایک ایمان افروز اور باطل سوز تقریر فرمائی تھی۔ اسی طرح جب مرزا صاحب کے خلیفۂ اوّل حکیم نور الدین نے نارووال ضلع سیالکوٹ میں اپنا تبلیغی کیمپ لگایا اور سادہ لوح لوگ اُس کے دامِ فریب میں پھنسنے لگے تو حضرت امیرِ ملّتؒ اُس وقت صاحبِ فراش تھے، چارپائی سے اٹھا نہیں جاتا تھا، لیکن آپ نے حکم دیا کہ میری چارپائی اٹھا کر ہی نارووال لے چلو کہ اس فتنہ کی سرکوبی میں اپنا فرض ادا کر سکوں۔ چنانچہ متواتر چار جمعے آپ کی چارپائی نارووال اٹھا کر لے جاتے رہے اور آپ خطبۂ جمعہ میں مرزائی عقائد کا تار و پود بکھیرتے رہے۔ ناچار حکیم نور الدین کو راستہ ناپنا پڑا۔

۲۷ اکتوبر ۱۹۰۴ء کو مرزا صاحب بذاتِ خود اپنے حواریوں کے انبوہ کثیر کے ساتھ سیالکوٹ میں اپنے مذہب کی تشہیر و اشاعت کے لیے وارد ہوئے۔ اُن دنوں یہاں مرزائیت کا خوب شہرہ تھا۔ ڈپٹی کمشنر سیالکوٹ کے دفتر کا سپرنٹنڈنٹ مرزائی تھا۔ لہٰذا مرزا صاحب کو اپنے مشن میں کامیابی و کامرانی کی غالب اُمید تھی۔ حضرت امیرِ ملّتؒ نے سیالکوٹ میں تشریف لا کر تین ہفتے قیام فرمایا اور ردِّ مرزائیت پر روزانہ شہر کے مختلف حصّوں میں اپنے مخصوص مجاہدانہ انداز میں مجالسِ وعظ میں خطاب فرمایا۔ مرزا نے مقابلہ کی ٹھانی، مگر ہمت نہ ہو سکی۔ مرزا کی ان کرتوتوں کو دیکھ کر بہت سے لوگ حضرت کے دستِ حق پرست پر بیعت ہو کر تائب ہو گئے اور مرزا کو اپنا بوریا بستر لپیٹ کر راہِ فرار اختیار کرنا پڑا۔

۱۶ مئی ۱۹۰۸ء کو مرزا صاحب اپنی اہلیہ کے علاج کے لیے لاہور میں خواجہ کمال الدین کے مکان پر مقیم ہوئے تو ساتھ ہی ساتھ اپنا دامِ تزویر بھی پھیلانے لگے۔ اُن کے ساتھیوں نے لاہور شہر کے مختلف گوشوں میں تبلیغی کام شروع کر دیا تو اہالیانِ لاہور نے حضرت محدّث علی پوری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہنچ کر مرزائیت کے سدِّباب کی درخواست کی۔ حضرت لاہور تشریف لائے اور موجودہ دارہ کے باہر مرزا کی قیام گاہ کے سامنے کئی روز تک مجالسِ وعظ و تقریر منعقد کر کے معتقدات مرزائیت کی تردید فرماتے رہے اور مرزا صاحب کو مقابلے میں آکر اپنی صداقت کا ثبوت بیان کرنے کی دعوت دی اور پانچ ہزار روپے انعام کا اعلان بھی فرمایا، لیکن مرزا کو مقابلہ میں آنے کی سکت نہ تھی، لہٰذا نہ آسکے۔

کسی نے مرزا صاحب کے گوش گزار یہ بات کی کہ پیر جماعت علی شاہ لاہور میں اس مقصد کے لیے آئے ہیں کہ مرزا بھاگ جائے۔ مرزا صاحب بولے، یہ وہ شخص نہیں جو بھاگ جائے گا بلکہ اگر وہ بارہ برس بھی رہے تو قدم نہ ہلے گا۔ یہ خبر کسی نے حضرت امیرِ ملّت کو پہنچا دی تو آپ نے فرمایا اگر وہ بارہ برس ٹھہر سکتا ہے تو ہم چوبیس برس کا ڈیرہ جمائیں گے۔ مگر مرزا کا تو خدائی فیصلہ ہو چکا ہے۔

جب مرزا صاحب اپنے بہانگِ دہل دعووں اور بے شمار لاف زنیوں کے باوجود میدان میں نہ آئے، تو پھر ۲۲ مئی ۱۹۰۸ء کو ہندوستان کے عظیم مسلمان فرمانروا حضرت ابو المظفر محی الدین اورنگ زیب عالمگیر غازی رحمۃ اللہ علیہ کی بنا کردہ شاہی مسجد میں ایک عظیم الشان جلسہ کا انعقاد ہوا۔ اس جلسہ میں برصغیر کے نامور علما بھی موجود تھے۔ آپ نے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ مرزا صاحب تو حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر اپنی فوقیت جتاتے ہیں لیکن میں حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا غلام ہوں، وہ تو اعلان کرنے پر بھی مقابلے کے لیے نہ آئے لہٰذا آپ سب دیکھ لیں گے کہ وہ جلد ہی ذلیل و خوار ہو کر اس دُنیا سے جائیں گے۔ پھر ۲۵، ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء کی درمیانی شب کو بوقت دس بجے رات بدورانِ وعظ اسی مسجد میں آپ نے فرمایا کہ میں پیشگوئیاں

نہیں کیا کرتا۔ ایک دفعہ[2] آگے کی تھی اور آج پھر کہتا ہوں کہ
میں مرزا صاحب کے مقابلہ کے لیے تیار ہوں۔ زبانی اور
رُوحانی طور پر، اگر اس میں کوئی روحانیت موجود ہے، تو وہ
سامنے آئے اور اس کو چوبیس گھنٹے کی مہلت دیتا ہوں،
لیکن مسلمانو! یاد رکھو وہ میرے مقابلے پر نہ آسکے گا۔ چنانچہ ایسا
ہی ہوا کہ مرزا صاحب ۲۶ مئی کی صبح کو دس بج کر دس منٹ
پر راہیٔ ملک عدم ہوئے۔ افسوس کہ مرزا کی موت بہت بُری
ہوئی۔ چھ گھنٹے پہلے زبان بند ہو گئی اور خدا جانے ہیضہ تھا یا پلیگ
مگر ڈاکٹر نے ایسی دوا دے دی کہ نجاست کا رُخ جو نیچے کی
طرف تھا، اُوپر کو ہو گیا[3] جس وقت مرزا کی لاش کو نہایت بے کسی
کی حالت میں بٹالہ کی طرف لے گئے، تو اہلِ اسلام نے نہایت
تذلیل و تحقیر کی۔

حضرت خواجہ محمد ضیاء الدین سیالویؒ

حضرت خواجہ محمد ضیاء الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ شمس العارفین
سراج السالکین حضرت خواجہ محمد شمس الدین سیالوی قدس سرہٗ
کے پوتے اور حضرت شیخ الاسلام والمسلمین خواجہ محمد قمر الدین
سیالوی مدظلہٗ کے والد گرامی تھے۔ آپ بیک وقت ایک
شیخِ طریقت، عالمِ دین، مصنف اور سیاسی لیڈر تھے۔ آپ نے
تحریکِ خلافت میں بڑی سرگرمی سے حصہ لیا تھا۔ ردِّ مرزائیت
میں آپ نے شاندار خدمات سرانجام دیں۔ ایک معرکۃ الآرا
کتاب "معیار المسیح" مطبوعہ ۱۳۲۹ھ کے نام سے بھی لکھی جو
اپنی مثال آپ ہے۔

---

[2] مرزا صاحب کے حواری عبدالکریم کی موت آپ کی
پیشگوئی کے مطابق ہوئی تھی۔

[3] برکات علی پور شریف مطبوعہ راولپنڈی ۱۹۷۰ء
ص ۸۰۔ از خیر شاہ امرتسری۔

پیر محمد شاہ ساہنپالویؒ (متوفی ۱۳۳۷ھ)

پیر محمد شاہ سجادہ نشین درگاہ حضرت نوشہ گنج قادری
نوشاہی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ردِّ مرزائیت میں کافی کام کیا تھا۔
ایک مرتبہ عید الفطر کے دن نماز عید کے بعد مشہور مرزائی مبلغ
مولوی احمد بخش مولوی فاضل ساکن رَن مل ضلع گجرات سے
حلقہ دربار حضرت نوشہ گنج میں برگد کے درخت کے نیچے
مناظرہ ہوا۔ بہت سے مواضعات مثلاً ساہن پال شریف،
رَن مل، کوٹ کیے شاہ، سارنگ، اگر دیہ اور جاگٹ کے
لوگ اس مناظرہ کو دیکھنے کے لیے موجود تھے۔ آپ نے
مرزائی مبلغ کو بالکل لاجواب کر دیا اور وہ راہِ فرار اختیار کر گیا۔
(نقل از کتاب فیض محمد شاہی قلمی از مولانا سید غلام مصطفےٰ
نوشاہی ساہنپالوی مملوکہ سید شریف احمد شرافت نوشاہی مدظلہٗ)

خواجہ غلام دستگیر قصوریؒ

مشہور صوفی، بے مثال عالم دین، کتب کثیرہ کے مصنف
سُنیوں کے مناظر بے بدل خواجہ غلام دستگیر قصوری رحمۃ اللہ علیہ
سے کون واقف نہیں۔ آپ کی کتاب "تقدیس الوکیل" رہتی
دُنیا تک یادگار رہے گی۔ آپ نے فتنہ مرزائیت کی تردید
میں بھی عربی زبان میں ایک مایۂ ناز کتاب لکھی تھی، جس کا
جواب مرزائی حلقے آج تک نہیں دے سکے۔

پیر ظہور شاہ سجادہ نشین جلالپور جٹاں

پیر ظہور شاہ رحمۃ اللہ علیہ جلالپور جٹاں ضلع گجرات کے
سجادہ نشین تھے۔ آپ شیخِ طریقت ہونے کے ساتھ ساتھ
بہترین مصنف بھی تھے۔ فتنہ مرزائیت کی تردید میں آپ نے
ایک کتاب "قہرِ یزدانی بر سرِ دجالِ قادیانی" لکھی تھی۔

مولانا خواجہ محمد ابراہیم مجددی ؒ

آپ موضع سیتھل ضلع گجرات کے رہنے والے تھے اور خواجہ غلام نبی للّٰہ شریف ضلع جہلم سے اجازت وخلافت حاصل تھی۔ آپ نے قادیانیت کے رد میں ایک کتاب "ردِ مرزا قادیانی" لکھی تھی۔ مگر افسوس کہ وہ زیورِ طبع سے آراستہ و پیراستہ ہو کر منصۂ شہود پر جلوہ افروز نہ ہو سکی۔

حضرت خواجہ محمد قمر الدین سیالوی ؒ

حضرت شیخ الاسلام خواجہ محمد قمر الدین سیالوی نے قادیانی فتنہ کی سرکوبی کے لیے عصرِ حاضر میں جو شاندار خدمات سرانجام دی ہیں وہ دوسرے صوفیہ کے لیے روشن مثال ہیں۔ ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت میں آپ نے علمائے اہلسنت کے شانہ بشانہ بلکہ بڑھ چڑھ کر کام کیا۔ ملک گیر دورے فرما کر قادیانی مسئلہ کی اہمیت کو واضح کیا۔ ۷۴ء کی تحریک میں پیرانہ سالی کے باوجود جگہ جگہ دورے کیے مسلمانوں کو قادیانیوں سے سماجی بائیکاٹ کرنے کی تلقین کی اور حکومت سے پُرزور مطالبے کیے کہ مرزائیوں کو جلد از جلد اقلیت قرار دیا جائے۔ یکم ستمبر کو بادشاہی مسجد لاہور میں کل پاکستان مجلس عمل تحفظ ختم نبوت کے جلسۂ عام میں آپ نے جو شاندار تقریر کی، وہ آپ کی ایمانی قوت اور عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے جذبہ کی شاہکار ہے۔

(حضرت خواجہ قمر الملت والدین کی تفصیلی خدمات کے لیے حضرت پیر محمد کرم شاہ صاحب سجادہ نشین بھیرہ کا مضمون ملاحظہ فرمائیں۔)

مدیر معاون

گزشتہ دنوں قادیانی اُمت نے اپنی روائتی فریب کاری سے صدر الشریعۃ حضرت خواجہ غلام فرید صاحبؒ کی نسبت جھوٹ و افترا کا ایک پلندہ "شہادات فریدی" کے نام سے شائع کر کے کثیر تعداد میں مسلمانوں میں تقسیم کیا جس میں مسلمانوں کو یہ مذموم "تاثر" دینے کی کوشش کی کہ حضرت خواجہ غلام فرید رحمۃ اللہ علیہ مرزا قادیانی کے دعویٰ مجددیت، مہدیت اور نبوّت کے مصدق اور پیرو تھے۔ (نقل کفر، کفر نباشد)

شہادت فریدی میں قادیانیوں نے حضرت خواجہ غلام فرید رحمۃ اللہ علیہ کی مرزا قادیانی کے ساتھ جعلی اور خانہ ساز خط و کتابت شائع کی ہے، بالکل اسی طرح جس طرح اُن کی نبوّت جعلی اور خانہ ساز ہے۔

اس کتاب میں حضرت خواجہ صاحبؒ کے ملفوظات "اشارات فریدی" سے (جو حضرت کے وصال کے کئی سال بعد میں شائع ہوئے) ایک عربی خط کا حوالہ دیا ہے جو حضرت خواجہ صاحبؒ نے مرزا غلام احمد قادیانی کو لکھا اور اس میں مرزا قادیانی کو "مِنْ عِبادِ اللّٰہِ الصّالحین ہ" لکھا اس سے معلوم ہوا خواجہ صاحبؒ موصوف مرزا کو برحق تسلیم کرتے تھے۔

مرزائیوں کا یہ مکّارانہ شاہکار کوئی نیا نہیں، بلکہ بہت پُرانا اور بدبُودار جھوٹ ہے جو آج سے چالیس برس قبل بھی جناب محمد اکبر خان صاحب ڈسٹرکٹ جج ضلع بہاولنگر کی عدالت میں قادیانی اُمت نے پیش کیا تھا اور حضرت خواجہ غلام فرید صاحبؒ کو مرزائی ثابت کرنے کی کوشش کی تھی اور اس کے اثبات میں "ارشادات فریدی" نامی کتاب کو پیش کیا تھا۔

الحمدُ لِلّٰہ ہمارے علمائے کرام مولانا غلام محمد گھوٹوی مرحوم سابق شیخ الجامعہ جامعہ عباسیہ بہاولپور، مولانا قاضی غوث بخش واعظ جامع مسجد بہاولپور، مولانا محمد صادق صاحب ناظم امور مذہبیہ ریاست بہاولپور نے قادیانی اُمّت کی اس کذب بیانی کی دھجّیاں بکھیر دی تھیں اور مرزائی فریب کاری کا پردہ چاک کر دیا تھا جس کی تفصیل "فیصلہ مقدمہ بہاولپور" نامی کتاب میں تفصیل کے ساتھ موجود ہے۔ اس مقدّمہ میں مرزا کی ایک کتاب کے حوالے سے ثابت کیا گیا ہے کہ حضرت خواجہ غلام فریدؒ اُس کی نبوّت کے منکر اور مکذّب تھے۔ مقدمہ بہاولپور کا یہ اقتباس پڑھ لیجئے۔ انشاء اللہ تمام شکوک رفع

ہو جائیں گے۔

حضرت خواجہ غلام فرید صاحب علیہ الرحمہ کہ جن کا نہ صرف ریاست بہاولپور کا ایک حصہ معتقد اور مرید ہے بلکہ جن کے سندھ بلوچستان اور پنجاب میں بھی بکثرت مرید پائے جاتے ہیں کی ایک کتاب اشاراتِ فریدی سے یہ دکھلایا ہے کہ ان کے نزدیک مرزا صاحب کسی عقیدہ اہلسنت والجماعت اور ضروریاتِ دین میں سے کسی چیز کے منکر نہیں پائے جاتے بلکہ آپ ان کے متعلق یہ لکھتے ہیں کہ وہ اپنے اوقات خدا تعالیٰ کی عبادت میں گزارتے ہیں۔ اور حمایتِ دین پر کمربستہ ہیں اور کہ علمائے وقت تمام مذاہب باطلہ کو چھوڑ کر اس نیک آدمی کے پیچھے پڑ گئے ہیں جو اہلسنت والجماعت میں سے ہے اور صراطِ مستقیم پر قائم ہے۔

اور خواجہ صاحب کی اس تحریر پر بڑی شرح اور بسط سے بحث کیجا کر یہ دکھلایا گیا ہے کہ یہ الفاظ خواجہ صاحب کے اپنے ہی ہیں اور انہوں نے مرزا صاحب کی کتابیں دیکھنے کے بعد یہ رائے قائم کی تھی۔ مدّعیہ کی طرف سے بھی اس کا مفصل جواب دیا گیا ہے اور یہ کہا گیا ہے کہ مرزا صاحب کی جو کتابیں خواجہ صاحب نے اس وقت تک دیکھی تھیں ان میں مرزا صاحب کا دعوئے نبوت درج نہ تھا۔ چنانچہ مرزا صاحب کی ایک تحریر سے جو آپ کی کتاب انجام اتھم صفحہ ۶۹ پر درج ہے پایا جاتا ہے کہ حضرت خواجہ صاحب بھی بعد میں مرزا صاحب کے مکفّر اور مکذِّب ہو گئے تھے۔ مرزا صاحب اس تحریر میں لکھتے ہیں کہ اب ہم ان مولوی صاحبان کے نام ذیل میں لکھتے ہیں کہ جن میں سے بعض تو اس عاجز کو کافر بھی

مزار حضرت خواجہ غلام فریدؒ

کہتے ہیں اور مفتری بھی۔ اور بعض کافر کہنے سے تو سکوت اختیار کرتے ہیں، مگر مفتری اور کذّاب اور دجّال نام رکھتے ہیں۔ بہرحال یہ تمام مکفّرین اور مکذّبین مباہلہ کے لیے بلائے گئے ہیں۔ اور ان کے ساتھ وہ سجّادہ نشین بھی ہیں جو مکفّر اور مکذّب ہیں۔ اور اس کے ساتھ مرزا صاحب نے ہر دو گروہوں کی فہرستیں دی ہیں۔ اس فہرست میں میاں غلام فرید صاحب چشتی چاچڑاں علاقہ بہاولپور کا نام بھی درج ہے۔ (فیصلہ مقدمہ بہاولپور۔ ص ۱۶۰)

علمائے کرام کے دندان شکن جواب کے باوجود مرزائی ابھی تک وہی راگ الاپ رہے ہیں کہ حضرت خواجہ صاحبؒ مرزائی تھے۔ پس ضرورت ہے کہ ایک مرتبہ پھر قادیانی اقلیت کو آئینہ دکھایا جائے۔

مولانا نور احمد خاں ناز کی فریدی لکھتے ہیں کہ اشارات فریدی (ملفوظ شریف) میں مطبوعہ خط محض افترا جعلی اور الحاقی ہے جو دھوکہ سے منشی رکن دین نے شامل کیا ہے۔

منشی رکن دین جس نے "اشارات فریدی" کی کتابت کا کام سرانجام دیا ہے، اپنے آپ کو مکاری سے حضرت خواجہ صاحبؒ کا معتقد ظاہر کرتا تھا مگر دراصل مرزائی تھا اور قادیانیوں کی طرف سے اسی کام کے لیے مامور تھا کہ جس طرح ہو سکے حضرت اقدس کی طرف سے مرزا صاحب کی تائید کرائے۔ لیکن جب کوشش کے باوجود کسی طرح کامیاب نہ ہوا تو ملفوظ شریف "اشارات فریدی" کی طباعت کے وقت اس نے اس خط کو شامل کر دیا جس کے جعلی ہونے کی تردید ذمہ دار حضرات کی طرف سے فوراً کر دی گئی تھی۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت خواجہ صاحبؒ کی کبھی کوئی خط و کتابت مرزا قادیانی سے نہیں ہوئی۔"

(ملاحظہ ہو ماہنامہ الفرید جنوری ۱۹۳۳ء، ص ۴ تا ۱۹)

مرزائی اُمت کے بیانات سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت خواجہ صاحب مرزا کو خادم اسلام سمجھتے تھے اور اس کے علم و فضل کے معترف تھے، لیکن اس کے خلافِ اسلام عقائد اور دعاوی پر مطلع ہونے کے بعد اسے کافر فرمایا کرتے تھے۔

حضرت خواجہ صاحب اگر مرزا قادیانی کو مجدد، مہدی، مسیح موعود، یا نبی سمجھتے تو اس سے ملاقات کرنے قادیان تشریف لے جاتے لیکن آپ نے متعدد بار فرمایا:

"مرزا قادیانی کافر ہے۔"

ذیل میں صدر الشریعۃ حضرت خواجہ غلام فرید صاحبؒ کی تصنیف مبارک "فوائد فریدیہ" کا ایک اقتباس قابل غور ہے جس سے حضرت موصوف کے عقیدۂ صادقہ کی صاف صاف وضاحت ہوتی ہے:

"سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت ختم ہو چکی ہے۔ حضور کے بعد کوئی نبی نہیں ہو سکتا۔ البتہ امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ولایت باقی ہے۔"

(فوائد فریدیہ ص ۱۳)

اب کیونکر ممکن ہے کہ ختم نبوت کے اعلان کے بعد حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ منکر ختم نبوت اور مدعی نبوت کو مسلمان سمجھتے۔

حضرت خواجہ صاحبؒ کی تصنیف فوائد فریدیہ اس سلسلہ میں قابلِ دید ہے آپ نے اپنی اس تصنیف میں جا بجا ختم نبوت، ظہور مہدی اور حضرت عیسٰی علیہ السلام کی تشریف آوری کا ذکر کیا ہے اور مرزائیت کے خوب بخیے ادھیڑے ہیں۔ قادیانی اُمت کے صراحتہً کفر کے علاوہ آپ نے "احمدی فرقہ کو ناری اور جہنمی" لکھا ہے۔

(ملاحظہ ہو فوائد فریدیہ ص ۲۹ و ۳۰)

حضرت خواجہ غلام فرید صاحب کے لخت جگر اور سجادہ نشین حضرت خواجہ نازک کریم صاحب کی خدمت میں حضرت مولانا غلام محمد گھوٹوی خود تشریف لے گئے اور اقتباسات "اشارات فریدی" کے متعلق استفسار فرمایا' کیونکہ "اشارات فریدی" حضرت خواجہ صاحب کی وفات کے بعد شائع ہوئی تھی۔

حضرت خواجہ نازک کریم صاحب نے فرمایا کہ میاں رکن دین نے ملفوظ شریف "اشارات فریدی" جمع کر کے اپنی نجات کا اچھا سامان کیا تھا مگر مرزا غلام احمد قادیانی کے متعلق افتراء درج کر کے اپنی تمام محنت رائیگاں کر لی اور آخرت بھی خراب کر لی۔ ہم نے ملفوظ شریف سے ایسی عبارات نکال دی ہیں جو رکن دین نے دھوکہ سے شامل کر دی ہیں۔ حضرت اقدس عالی خواجہ فرید الملۃ والدین ختم نبوت پر انتہائی پختہ ایمان رکھتے تھے اور مرزا قادیانی کو اس کے دعویٰ نبوت کی وجہ سے خارج از اسلام سمجھتے تھے جس کا ثبوت خود مرزا کی تحریروں سے ملتا ہے۔ الحمدللہ۔ نہ ہم نہ ہماری اولاد نہ ہمارے متعلقین میں سے کوئی مرزائی ہے۔ ہم مرزا اور مرزا کے مقلدین کو کافر سمجھتے ہیں اور مرزا کے باطل مذہب کے پوری شدت کے ساتھ منکر ہیں۔

اس قدر وضاحت کے بعد بھی اگر کوئی کذاب حضرت خواجہ صاحب موصوف پر اتہام تراشی کرے، تو اس سے بڑھ کر جھوٹا اور ملعون کوئی نہیں ہو سکتا۔

مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے کیا پتے کی بات کہی تھی ؎

ہر کہ بد گفت خواجۂ مارا
ہست او بے گماں یزید پلید

محمد عبدالحکیم شرف قادری

پیر سیّد مہر علی شاہ گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ اور معرکۂ قادیانیت

لکلّ فرعونٍ موسیٰ کے مطابق دنیا میں جب بھی کوئی باطل کا پرستار ابھرا ہے اللہ تعالیٰ نے اُس کی سرکوبی کے لئے کسی حق آگاہ شخصیت کو مقرر فرمادیا، سرزمینِ قادیان سے نبوت کا جھوٹا مدعی اٹھتا ہے اور کچھ لوگ دین سے بے خبری یا آزادی کی بنا پر اس کے زرخرید غلام بن جاتے ہیں تو وہ سمجھتا ہے کہ میں واقعی مسندِ نبوت پر فائز ہوگیا ہوں اور دنیا میں کوئی میرے مدِمقابل نہیں جم سکتا۔ اتنے میں گولڑہ کی مقدس سرزمین سے مہرِ عالم تاب حضرت پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی کی جبرُوتی آواز، حق کی حمایت میں بلند ہوتی ہے۔ جس کی ہیبت سے خانۂ باطل میں صفِ ماتم بچھ جاتی ہے۔ انگریز کے تیار کردہ مدعی نبوت پر کیفیت مرگ طاری ہوجاتی ہے اور حق اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ جلوہ گر ہوجاتا ہے۔

۱۳۰۷ھ/۱۸۹۰ء میں حضرت پیر مہر علی شاہ قدس سرہٗ حرمین شریفین کی زیارت سے مشرف ہوئے تو دل میں آیا کہ یہیں مستقل قیام کیا جائے، حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے واپس جانے کا مشورہ دیا اور فرمایا: ہند میں ایک بڑا فتنہ رونما ہونے والا ہے جس کا سدِباب آپ کی ذاتِ گرامی سے ہوگا۔ چنانچہ آپ واپس تشریف لے آئے، ۱۸۹۱ء میں مرزا غلام احمد قادیانی نے حیاتِ مسیح علیہ السلام کا انکار کرتے ہوئے خود مسیح ہونے کا دعویٰ کردیا اور علماء و مشائخ کو اپنی بیعت کے دعوت نامے جاری کئے، علماءِ حق تو اس کے دام تزویر میں نہ آئے البتہ کچھ جہلاء اور کچھ دنیا پرست اس کے جال میں پھنس گئے۔

مذاہب باطلہ کو ہر محاذ پر شکست فاش دینے والے حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی ان حالات میں کیونکر خاموش رہ سکتے تھے آپ نے شمس الہدایہ فی اثبات حیات المسیح، لکھی جس میں کتاب و سُنت کے دلائل قاہرہ سے حضرت عیسٰی علیہ السلام کی حیات ثابت کرکے بتایا کہ مرزا نے قادیانی کا دعوائے مسیحیت محض فریب اور جھوٹ کا پلندہ ہے۔ اس کتاب کے شائع ہوتے ہی ایوانِ مرزائیت میں زلزلہ آگیا اور مرزائی یہ سوچنے پر مجبور ہوگئے کہ اس کتاب کا ضرور کچھ تدارک ہونا چاہیئے، اس کا حل یہ نکالا گیا کہ مرزا نے ایک اشتہار شائع کرکے پیر صاحب کو مناظرہ کا چیلنج دیا اور یہ طریقہ یہ تجویز کیا کہ فریقین قرآن پاک کی چالیس آیات کی تفسیر عربی میں سات گھنٹوں میں لکھ کر پیش کریں مجوزہ علماء جس کی تفسیر اور عبارت، روح القدس کی تائید

سے مؤید قرار دیں اسی کی فتح ہوگی۔

حضرت پیر مہر علی شاہ قدس سرہ کی جلالت شان کا مرزا پر اس قدر اثر تھا کہ اس نے لکھا کہ اگر پیر صاحب مناظرہ کے لیے رضامند نہ ہوں تو میں علما کی ایسی جماعت سے مناظرہ کرنے کے لیے تیار ہوں جو چالیس سے کسی طرح کم نہ ہو، گویا مرزا نے یہ تسلیم کر لیا کہ صرف پیر صاحب کی ذاتِ گرامی چالیس علماء کے برابر ہے۔

مرزا غلام احمد کا خیال تھا کہ پیر صاحب اللہ اللہ کرنے والے کثیر المشاغل بزرگ ہیں وہ میدانِ مناظرہ میں آنے کو پسند نہیں کریں گے تو ہمیں اپنی فتح کے شادیانے بجانے کا زریں موقع مل جائے گا۔ لیکن مرزا کی تمام توقعات خاک میں مل گئیں جب حضرت پیر صاحب نے نہ صرف تحریری مقابلے کو قبول کر لیا بلکہ یہ بھی فرمایا کہ پہلے مرزا کے انفرادی عقائد پر گفتگو ہو گی اور پھر تحریری مقابلہ ہوگا۔ اور مرزا کو بذریعہ اشتہار مطلع کیا گیا کہ ۲۵ راگست ۱۹۰۰ء کو لاہور میں مناظرہ ہوگا اور اشتہار کے ملتے ہی منظوری یا نامنظوری کی اطلاع دینی لازم ہوگی، اس کے علاوہ متحدہ پاک و ہند کے مختلف مواضع کے ساٹھ علماء نے ایک اشتہار جاری کیا کہ ہم ۲۵ راگست کو پیر صاحب کے ساتھ لاہور پہنچ رہے ہیں اور ہمارے نزدیک پیر صاحب کی یہ شرط بالکل برمحل ہے کہ تحریری مقابلے سے پہلے تقریری گفتگو ہونی چاہیئے۔

اب ہونا تو یہ چاہیئے تھا کہ مرزائے قادیانی منظوری کا اعلان کر کے میدانِ مناظرہ میں نکل آتے لیکن انہوں نے ایسا نہ کیا اور خاموشی کو امن و عافیت کا ذریعہ سمجھ کر چپ ہو رہے البتہ انکے ایک مرید محمد احسن امروہوی نے تاریخ مناظرہ سے چار دن پہلے ایک مطبوعہ خط گولڑہ شریف بھیجا جس میں لکھا کہ

ہمیں تقریری مناظرہ کی شرط منظور نہیں۔ تقریری مقابلہ کرنا ہو تو پیر صاحب تشریف لے آئیں یہ ان کی طرف سے شکست کا پہلا اعتراف تھا۔ اس کے جواب میں حضرت پیر صاحب کے ایک مرید حکیم سلطان محمودؒ نے ایک اشتہار شائع کیا جس کی ایک کاپی بذریعہ رجسٹری قادیان بھیجی گئی اس اشتہار میں اعلان کیا گیا کہ حضرت پیر صاحب مرزا کی شرائط کے مطابق تحریری مقابلہ کے لئے لاہور تشریف لے جا رہے ہیں چنانچہ ۲۴ راگست کو حضرت پیر صاحب گولڑہ شریف سے عازم لاہور ہوئے، پہلے راولپنڈی اسٹیشن سے اور پھر لالہ موسیٰ سے بذریعہ تار اپنی روانگی کی اطلاع مرزا کو بھجوا دی۔

حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی قدس سرہٗ لاہور پہنچے تو عوام کے علاوہ علماء کا جم غفیر جمع ہو گیا جس میں اہلِ سنت دیوبندی، اہلِ حدیث اور شیعہ ہر مکتبِ فکر کے افراد موجود تھے جو حضرت پیر صاحب کی قیادت میں بیسویں صدی عیسوی کے متنبی کے ساتھ فیصلہ کن معرکہ لینے کے لئے تیار تھے گویا صحابۂ کرام کے مقدس لشکر نے جو حشر مسیلمہ کذاب اور اس کے حواریوں کا میدانِ جنگ میں کیا تھا۔ آج ختمِ نبوت ایسے قطعی عقیدہ کے حامی وہی حشر مرزائے قادیانی اور اس کی ذریت کا میدان مناظرہ میں کرنا چاہتے تھے۔

اہلِ اسلام اور مرزائی دونوں ہی بڑی بے تابی سے مرزا کی آمد کا انتظار کر رہے تھے، لاہوری پارٹی کے بعض بااثر افراد نے انتہائی کوشش کی مگر مرزائے قادیانی کسی صورت میں لاہور نہ آئے اور عذر یہ پیش کیا کہ پیر صاحب خود اعلان کریں کہ میں تقریری مباحثہ کی شرط واپس لیتا ہوں تب میں لاہور آؤں گا۔ پیر صاحب نے فرمایا محمد احسن امروہی کے مطبوعہ مکتوب کے

جواب میں ہمارے ایک رفیق حکیم سلطان محمود اس شرط کی واپسی کا اعلان کر چکے ہیں، اب اگر مرزائے قادیانی اپنے دستخط سے اعلان کر دیں کہ میں تقریری مباحثہ نہیں کرنا چاہتا تو میں بھی اعلان کر دوں گا کہ میں تقریری بحث کی شرط واپس لے چکا ہوں، لیکن اس طرف مکمل سکوت چھایا رہا۔

۲۵ر اگست کا دن انتظار کرتے کرتے گزر گیا لیکن مرزا کا دور دور کہیں نام و نشان نہ تھا بالآخر ۲۷ر اگست کو شاہی مسجد (لاہور) میں عظیم الشان اجلاس منعقد ہوا جس میں مختلف علماء نے اسلام کی سربلندی اور مرزا کے دجل و فریب اور پسپائی کو تفصیلاً بیان کیا۔ اس دن حق اپنی تمام تر زیبائی کے ساتھ جلوہ گر ہوا اور باطل سرنگوں ہو کر رہ گیا۔

ان الباطل کان زھوقا

مرزائے قادیانی نے خفت مٹانے کے لیے کچھ اشتہار شائع کیے جن میں مناظرہ کے لیے میدان میں نہ آنے کا عذر یہ بیان کیا کہ پیر صاحب کے مریدین میں جوش و خروش حد سے زیادہ ہے۔ اس لیے مکمل حفاظتی انتظامات کے بغیر لاہور میں قدم رکھنا آگ میں کودنے کے برابر ہے۔ ۱۵ر دسمبر ۱۹۰۰ء کو ایک اشتہار شائع کر کے ایک اور چیلنج پیش کر دیا کہ میں فصیح عربی میں سورہ فاتحہ کی تفسیر لکھ کر پیش کرتا ہوں۔ پیر صاحب بھی لکھیں پھر علماء خود ہی فیصلہ کر لیں گے کہ کون حق پر ہے چنانچہ "اعجاز المسیح" کے نام سے سورۂ فاتحہ کی تفسیر لکھ کر شائع کر دی۔ اس کے علاوہ مرزا کے ایک مرید محمد حسن امروہی نے "شمس الہدایہ" کے جواب میں "شمس بازغہ" نامی ایک کتاب لکھی اور یقین کر لیا کہ مناظرہ میں شکست کا تدارک ہو گیا ہے۔ حضرت پیر صاحب نے ان دونوں کتابوں کے جواب میں مشہور زمانہ کتاب "سیف چشتیائی" لکھ کر ۱۹۰۲ء میں شائع فرما دی۔ اس میں آپ نے "شمس بازغہ" کے شبہات کا دندان شکن جواب اور "اعجاز المسیح" کی ایک سو سے زائد اغلاط کی نشاندہی کر کے مرزا کی عیاری کو طشت از بام کر دیا حضرت پیر صاحب نے تفصیلاً بیان کیا کہ اس کتاب میں کہیں سرقہ ہے اور کہیں قواعد عربیہ کی خلاف ورزی ہے اس لحاظ سے اس کتاب کو معجزہ کہنا تو کجا اسے تو قابل ذکر کتب میں شمار بھی نہیں کیا جا سکتا۔

سیف چشتیائی کو اہل علم و فضل طبقہ نے سر آنکھوں پر رکھا اور زبردست خراج تحسین پیش کیا۔ آج تک فرقہ مرزائیہ اس کتاب کے جواب سے عاجز ہے اور ان شاء اللہ العزیز قیامت تک اس کا جواب نہیں دے سکے گا۔

اس جگہ یہ امر قابل ذکر ہے کہ مناظرۂ شاہی مسجد میں شکستِ فاش کے باوجود مرزائی اپنی ضد پر قائم رہے اور آج بھی جبکہ پاکستان کی نیشنل اسمبلی نے ان کے کفر و ارتداد پر مہر تصدیق ثبت کر دی ہے اپنی ضد پر قائم ہیں اور کہتے ہیں کہ جب ہم مسلمان ہیں تو ہمیں کوئی اسلام سے خارج نہیں کر سکتا وہ باقاعدہ اپنے غلط نظریات کا پرچار کر رہے ہیں۔ ضرورت ہے کہ اربابِ اقتدار مسلمانوں کے منظور شدہ مطالبے کے مطابق ربوہ کو کھلا شہر قرار دینے کے لیے عملی قدم اٹھائیں اور فوری طور پر مرزائیوں کو کلیدی عہدوں سے برطرف کریں اس کے علاوہ علماء کا بھی فرض ہے کہ وہ ردّ مرزائیت کے محاذ پر پوری کوشش سے کام جاری رکھیں تاکہ کوئی مسلمان ارتداد کا شکار نہ ہو۔ اس کے علاوہ مرزائیوں کو اسلام کی دعوت دینے کا پروگرام بنانا چاہیے تاکہ جو افراد غلط فہمی کی بنا پر مرزائیت کا شکار ہیں دولت اسلام سے مشرف ہو سکیں۔

تحریکِ ختمِ نبوّت

اور

پیرانِ تونسہ شریف

شیخ غلام محمد نظامی

حضرت خواجہ شاہ محمد سلیمان چشتی تونسوی قدس سرہٗ نے جب بیدار مغزی اور دور اندیشی سے اعدائے دین کی سرکوبی کرتے ہوئے خدمت اسلام کا فریضہ سرانجام دیا وہ ماضیٔ قریب کی اسلامی تاریخ کا بہترین سرمایہ ہے اگر ایک طرف انہوں نے سلسلہ چشتیہ نظامیہ کے پلیٹ فارم سے افسردہ اسلامی معاشرے میں انقلاب برپا کیا تو دوسری طرف سینکڑوں مبلغین اسلام تیار کرکے زمین کے کونے کونے میں پہنچا دیئے۔

تاریخ مشائخ چشت میں ہے کہ لاکھوں گم کردہ راہوں کو آپ کے وجود باسعود سے دولت عرفان نصیب ہوئی اور تقریباً ایک لاکھ کفار آپ کے دست حق پرست پر ایمان لائے۔ آپ کی ان زرین اسلامی خدمات کو دیکھ کر آپ کے معاصر سرسید احمد خان بھی یہ لکھنے پر مجبور ہو گئے "شاہ سلیمانؒ کی اسلامی شہرت نے قاف سے لے کر قاف تک کو گھیرے میں لے لیا ہے۔ (آثار الصنادید صفحہ ۴۷۸)

حضرت خواجہ اللہ بخش تونسوی رح

پون صدی کی احیاء اسلام کی کامیاب جد وجہد کے بعد ۱۲۶۷ھ میں جب آپ نے وصال فرمایا تو آپ کے نامور پوتے حجۃ الاسلام حضرت خواجہ اللہ بخش کریم تونسویؒ نے مسندِ ارشاد سنبھالی اور اپنے جدِ امجد کی چلائی ہوئی اسلامی تحریک کو آگے بڑھانے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ تونسہ شریف میں قائم شدہ قدیم دارالعلوم سے اسلام سے والہانہ محبت رکھنے والے نوجوان پیدا کئے پھر خود شیر قالین بن کر بیٹھ نہیں گئے بلکہ سلطنتِ مغلیہ کے زوال کے باعث مسلمانانِ برصغیر پر جو یاس و قنوطیت کا غلبہ ہو گیا تھا اس کے خاتمہ کے لئے ہندوستان بھر کے دورے کئے۔

فرنگی سے آپ کو بڑی نفرت تھی۔ آپ عموماً فرمایا کرتے تھے کہ سیاہ قلب (انگریز) کے کرتوت سے اگر ہم بچ گئے تو پھر کسی بلا کو ہم منہ نہیں لگائیں گے۔ فرنگی کا خود کاشتہ پودا انجہانی مرزا غلام احمد قادیانی علیہ ما علیہ آپ کا ہم عصر تھا آپ نے اس کے عقائد باطلہ کی منظم طریقے سے تردید کی پورے ملک میں معتقدین کی طرف خصوصی مراسلے جاری کرکے اس کے کفر و ارتداد سے لوگوں کو آگاہ کیا۔ خصوصاً متحدہ پنجاب میں تبلیغ و ارشاد کے ذریعے اس کا ایسا گھیراؤ کیا کہ قادیانی چیلوں کو سکون سے کام کرنا نصیب نہ ہوا ورنہ نہیں کہا جا سکتا، اس طوفانِ بدتمیزی کے امتِ مسلمہ پر کیا اثرات مرتب ہوتے۔ حضرت خواجہ حسن نظامی نے اپنی معرکہ آرا کتاب "نظامی بنسری"

میں آپ کی تبلیغی جد و جہد کو شاندار الفاظ میں خراج عقیدت پیش کیا ہے۔ تاریخ مشائخ چشت میں مرقوم ہے:

مرزا غلام احمد قادیانی نے اس وقت اپنے عقائد کی ترویج شروع کی اور اکثر علماء کو مباحثہ کی دعوت دی۔ خواجہ اللہ بخش صاحب نے اپنی جگہ بیٹھ کر نہایت سختی کے ساتھ ان فتنوں کی تردید کی اور کوشش کی کہ مسلمانوں کا مذہبی احساس اور وجدان ان گمراہ تحریکوں سے متاثر نہ ہو۔"

(تاریخ مشائخ چشت صفحہ ۷۲۲)

" نصف صدی اپنی بہترین صلاحیتیں اسلام کے نام پر قربان کر کے حضرت خواجہ اللہ بخش تونسوی نے ۱۳۱۹ھ میں انتقال فرمایا۔

یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ مرزا نے جب دعویٰ نبوت کیا تو آپ بسترِ علالت پر تھے، لیکن مرزا کا دعویٰ سنتے ہی بستر مرگ سے یوں اٹھ کھڑے ہوئے جیسے کوئی شیر نیند سے بیدار ہو جاتا ہے۔ زندگی کی آخری سانس تک آپ مرزا قادیانی کے خلاف نبرد آزما رہے۔

آپ کے وصال کے بعد آپ کے صاحبزادے حضرت خواجہ محمود رحیم سلیمانی چشتی نے درد مند دل کے ساتھ بندگانِ خدا کی خدمت شروع کر دی انتہائی رحمدل ہوتے ہوئے بھی انگریز دشمنی آپ کی طبیعت میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ آپ نے پوری قوت سے قادیانی فتنے کا مقابلہ کیا آخری وقت اپنے شہرہ آفاق فرزند خواجہ نظام الدین تونسوی کو مخاطب کر کے فرمایا نظام: میں نہیں ہوں گا جس دن یہ منحوس فرنگی ہندوستان سے اپنی نحوست لے کر روانہ ہو تو میری قبر پر آ کر مبارک باد دینا۔

آپ نے اپنے بزرگوں کی طرح قادیانیت کا قلع قمع کرنے میں مقدور بھر کوشش کی۔ اگر مشرقی جانب حضرت غوث الثقلین کا فرزند دلبند حضرت علامہ پیر مہر علی شاہ گولڑوی مرزائیت سے نبرد آزما تھا تو مغربی طرف پیر پٹھان کا منڈ پوتا قصر قادیانیت پر دلائل و براہین سے بمباری کر رہا تھا۔ آپ کے حالات میں ہے کہ آپ مثنوی شریف کے درس میں بھی آنجہانی قادیانی کی نہایت سختی سے تردید فرمایا کرتے تھے۔

۱۳۴۸ھ میں آپ کے انتقال کے بعد آپ کے شیر دل بیٹے حضرت مولانا خواجہ غلام نظام الدین نعیم تونسوی مسندِ سلیمانی پر رونق افروز ہوئے آپ نے جس سج دھج اور بے خوفی و جگر داری سے اسلامی نظام کے قیام کی جنگ لڑی اس پر جتنا فخر کیا جائے کم ہے۔ آپ کو خدا نے بے شمار خوبیوں سے مالامال فرمایا تھا۔ علامہ اقبال نے راجہ حسن اختر اور دیگر معتقد احباب کو متعدد مرتبہ فرمایا تھا کہ "یہ تونسہ شریف کے صاحبزادے بہت بلند مقام کے مالک ہیں" آپ کو بھی اپنے بزرگوں کی طرح فرنگی اور اس کے چیلے چانٹوں سے حد درجہ نفرت تھی۔ مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی زبانی روایت ہے کہ جب فرنگی یہاں سے بوریا بستر باندھ کر چلنے لگا تو اپنی پالتو اولاد کو آزادی کے متوالوں کی فہرست دے گیا۔ جنہوں نے اس کی زندگی اجیرن کر رکھی تھی' ان میں حضرت مولانا غلام نظام الدین تونسوی کا نام صفِ اول کے رہنماؤں میں تھا۔ جب ۱۹۵۳ء میں تحریک ختم نبوت کا آغاز ہوا تو آپ کو ایک لمحہ کے لئے بھی چین نہ تھا۔ مجھے اور دیگر مخلص ساتھیوں کو ساتھ لیا' ملتان آ کر مقامی مشائخ سے متفقہ لائحہ عمل طے کرنے کے لئے رابطہ قائم کیا ایئرپورٹ پر پیر صاحب گولڑہ شریف سے طویل مذاکرات کئے پھر ملک بھر کا طوفانی دورہ شروع کر دیا۔

باقی صفحہ ۱۴۴ پر

تحریکِ ختمِ نبوّت کے دوران

راولپنڈی میں عظیمُ الشّان مشائخ کانفرنس

رپورٹ : ابوزاھد نظامی

یہ ۱۳ر جولائی ۱۹۷۴ء کی ایک بھیگی ہوئی شام تھی۔ فضا میں چند شوخ بادل اٹکھیلیاں کر رہے تھے۔ ہارلے سٹریٹ راولپنڈی کی ایک خوشنما اور وسیع کوٹھی میں پاکستان بھر کے مشائخ عظام جمع تھے۔ کانفرنس کے داعی حضرت خواجہ قمرالملّت و الدین سیالوی تھے اور منتظم مولانا سید حسین الدین صاحب۔

آج صبح راولپنڈی میں صاحبزادہ سیّد فیض الحسن صاحب نے بھی ایک مشائخ کانفرنس بلائی تھی جس کا اخباروں میں اشتہارات کے ذریعے خوب چرچا کیا گیا تھا، مگر وہاں کے شرکاء کی زبانی معلوم ہوا کہ کانفرنس میں اوقاف کے چند مولویوں اور مدارس کے چند طلباء کے علاوہ کسی قابلِ ذکر شخصیت نے شرکت نہیں کی۔

حضرت خواجہ صاحب کی بُلائی ہوئی کانفرنس میں ملک کے گوشے گوشے سے آئے ہُوئے ایک سو سے زیادہ مشائخ کرام شریک تھے۔ ٹھیک ساڑھے چھ بجے حضرت خواجہ صاحب کی صدارت میں یہ رُوح پرور اور ایمان افروز کانفرنس شروع ہوئی۔ تلاوتِ قرآن مجید کے بعد حضرت پیر محمد کرم شاہ صاحب کھڑے ہُوئے اور فرمایا:

"یہ وقت لمبی چوڑی تقریروں کا نہیں۔ اس وقت ہمیں فیصلہ کن تجویزیں پاس کرنی ہیں۔ مرزائی مارِ آستین ہیں، جو دن رات وطنِ عزیز کی جڑیں کاٹنے میں مصروف ہیں۔ نظامِ اسلامی کے راستے میں اُنھوں نے جس طرح رکاوٹیں پیدا کیں، اُن سے ہم سب باخبر ہیں۔ ملک میں تحفظ ختمِ نبوّت کی تحریک شروع ہے۔ اس فتنہ کے تدارک کی ذمّہ داری ہم پر دوسروں سے زیادہ عائد ہوتی ہیں۔ ہم نے اگر اس میں کوتاہی کی تو یاد رکھیے آئندہ نسلیں ہمیں کبھی معاف نہیں

کریں گی ......

یہ ہماری خوش نصیبی ہے کہ ہمیں حضرت خواجہ صاحب سیالوی کی عظیم قیادت میسّر ہے۔ اُن کی دعوت پر آج یہاں پاکستان بھر کے مشائخ عظام جمع ہیں۔ سب حضرات کی طرف سے مَیں اعلان کرتا ہوں کہ حضرت غریب نواز جو ارشاد فرمائیں گے ہم تن، من، دھن کی بازی لگا کر اُس پر عمل کریں گے، حضرت غریب نواز حکم فرمائیں، ہم تعمیل کے لیے حاضر ہیں۔"

پیر صاحب کے ان ولولہ انگیز جملوں کو سن کر حضرت قبلہ خواجہ صاحب سیالوی کھڑے ہوئے اور حمد و صلوٰۃ کے بعد فرمایا:

"اس مقدس جلسے کے انعقاد کا مقصد میرے عزیز اور محترم پیر محمد کرم شاہ صاحب بتا چکے ہیں۔ واقعی یہ وقت تقریروں کا نہیں عمل کا ہے۔

اس وقت سب سے مقدم مسئلہ پاکستان کی بقا کا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے ملک کو قائم رکھے اور اسے دشمنوں سے محفوظ رکھے۔"

پاکستان کا مقصد

حضرات! پاکستان کا مقصد اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ ایک ایسا ملک حاصل ہو جس میں اللہ اور اس کے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کا نفاذ ہو۔ یہ ملک کسی غیر اسلامی سیاست یا نظریئے کی خاطر حاصل نہیں کیا گیا تھا۔ پاکستان بنانے کے وقت ہمارے ذہنوں میں ہرگز ہرگز یہ تصور نہ تھا کہ ہم اسے رُوس یا امریکہ کے نظاموں کے ماتحت چلائیں گے۔ اُس وقت ہمارے ذہنوں میں صرف اور صرف یہی تصوّر تھا کہ پاکستان میں اسلام کا بول بالا ہو گا اور ہمارے بچے جو فرنگیت زدہ ہو گئے ہیں، وہ دوبارہ اسلام کی طرف لوٹیں گے۔

مشائخ کی خدمات

یہی پاکیزہ مقصد تھا جس کے لیے تمام مشائخ حجروں سے نکل کر میدانِ عمل میں آ گئے تھے۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے قید و بند کی مشقتیں برداشت کیں۔ مَیں بھی اُس زمانے میں گرفتار ہوا۔ حکومت نے مجھے گوبر اور گندے پانی سے بھری ہوئی ایک کوٹھڑی میں بند کر دیا جس میں مَیں بیٹھ سکتا تھا نہ نماز پڑھ سکتا تھا۔ اس کے ساتھ ہی انگریزی حکومت نے میری ۱۱½ مربع زمین ضبط کر لی۔ اور اسی پر بس نہیں کیا بلکہ مجھے طرح طرح کے ہتھکنڈوں سے ڈرایا تاکہ مَیں تحریکِ پاکستان کی حمایت سے باز آ جاؤں۔ لیکن میں نے جواب دیا:

"عزت صرف اللہ کے اختیار میں ہے، اگر میں نے ایک لمحہ کے لیے بھی یہ سوچا کہ مجھے اللہ کے سوا کوئی مٹا سکتا ہے تو میں مُشرک ہو جاؤں گا۔"

یہ سب کچھ پاکستان کے لیے تھا، جہاں اللہ کے دین کا نفاذ ہونا تھا۔

پاکستان بننے کے بعد

پاکستان بنا تو مَیں نے جناح صاحب کو لکھا کہ پاکستان میں فی الفور اسلامی قوانین نافذ ہونے چاہئیں۔ انھوں نے فوراً مجھے جواب بھجوایا کہ پاکستان کی تحریک میں مشائخ عظام کی خدمات بڑی عظیم اور قابلِ قدر ہیں۔ آپ اطمینان رکھیں پاکستان میں یقینی طور پر اسلامی قانون ہی نافذ ہو گا۔

جناح صاحب کی وفات کے بعد میں لیاقت علیخاں صاحب سے ملا۔ میری اُن سے دو گھنٹے تک بات ہوتی رہی۔ مَیں نے اُن سے واضح طور پر کہا کہ اسلامی قوانین کے نفاذ میں لیت و لعل سے کام لو گے تو مٹ جاؤ گے۔ اس پر

لیاقت علی خاں صاحب نے جواب دیا:

"واقعی ہم اسلام کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے اور مشرقی پاکستان کو تو صرف اسلامی قانون ہی کی بدولت ہم اپنے ساتھ شامل رکھ سکتے ہیں"۔ مگر افسوس ہم نے ایسا نہ کیا۔ نتیجۃً مشرقی پاکستان ہم سے الگ ہو گیا اور اب بھی اگر اسلامی قوانین کا نفاذ نہ ہُوا، تو صوبائی عصبیتیں ہمیں مزید ٹکڑے ٹکڑے کر دیں گی۔

اللہ کے عذاب سے ڈرو!

اللہ کے دین کو چھوڑنے کی پاداش میں ہم ہندوؤں اور یہودیوں کے ہاتھوں ذلیل ہوئے ہیں۔ اللہ کے قوانین پر ہم نے یہودیوں اور عیسائیوں کے قوانین کو ترجیح دی ہے۔ افسوس ہم نے اپنا علاج اُن ازموں سے کرنا چاہا جو بجائے خود مرض ہیں! ہمیں پہلی اُمتوں کے عبرتناک انجام پر غور کرنا چاہیے۔ عاد، لُوط اور شعیب کی قوموں کو اسی لیے تباہ کیا گیا تھا کہ اُنہوں نے اللہ تعالیٰ کے احکام کو پسِ پشت ڈال دیا تھا۔

موجودہ حکومت

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ بھٹو صاحب کو اُتارنے سے سب حالات دُرست ہو جائیں گے۔ یہ بات غلط ہے، موجودہ حالات کا تعلق ہمارے اعمال کے ساتھ ہے جب تک ہمارے اعمال اچھے نہ ہوں گے، حالات ہرگز اچھے نہیں ہو سکتے۔ پہلی حکومتوں نے کیا کیا؟ اُنہوں نے ظفر اللہ خاں قادیانی کو وزیرِ خارجہ بنایا۔ اُنہوں نے منکرینِ رسول، منکرینِ قرآن اور منکرینِ اجماع کو بڑی بڑی اسامیوں پر تعینات کیا۔ افسوس اس وقت بھی بعض لوگ سیاسی فوائد حاصل کرنے کے خواب دیکھ رہے ہیں۔ یاد رکھیے! کسی مقام پر اگر بچھو اور چوہے موجود ہوں، تو اس مکان کو آگ نہیں لگائی جاتی بلکہ بچھوؤں اور چوہوں کو وہاں سے نکالا جاتا ہے۔

مشائخِ عظام! ہمیں اس وقت خون دینے والے مجنوؤں کی ضرورت ہے۔ چُوری کھانے والوں کی نہیں۔ آپ عوام نہیں خواص ہیں۔ "عوام کی حکومت" ایک جاہلانہ لفظ ہے، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کے افراد خواص ہیں۔

حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ جب یرموک میں رومیوں سے نبرد آزما تھے تو لشکرِ روم کے سردار نے ایک قاصد بھیجا۔ قاصد نے کہا کہ میں ملک شام کے گورنر ہامان کی طرف سے آیا ہوں۔ اُنہوں نے کہا ہے کہ آپ ہمارے پاس اپنی جماعت میں سے ایک دانا کو بھیجیے تاکہ ہم اُن سے مکالمہ کریں۔ حضرت ابوعبیدہؓ نے حضرت خالدؓ بن ولید کو اس کام کے لیے منتخب فرمایا۔ چنانچہ حضرت خالدؓ تشریف لے گئے۔ دورانِ گفتگو میں ہامان نے دریافت کیا: "کیا تمہارے رسُول نے تمہیں یہ خبر بھی دی ہے کہ ان کے بعد کوئی اور رسول آئے گا؟" حضرت خالدؓ نے فرمایا: "نہیں، بلکہ یہ خبر دی ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہو گا اور یہ خبر دی ہے کہ حضرت عیسٰیؑ نے میری آمد کی اپنی اُمت کو پہلے ہی بشارت دی تھی۔" ہامان نے یہ سُن کر کہا: "ہاں، میں بھی اس پر گواہ ہوں۔"

قادیانی مسئلہ

کہا جاتا ہے کہ قادیانیوں کو اقلیت قرار دو۔ اقلیت تو ذمیوں کو کہا جاتا ہے۔ جو شخص اسلام چھوڑ کر دوسرا دین اختیار کرے تو وہ کافر نہیں مُرتد ہے اور مرتد کی سزا شریعت میں قتل ہے۔ اگر میرے ہاتھ میں حکومت ہوتی، تو میں قادیانیوں کا فیصلہ شریعت کے مطابق کرتا، جس کی نظیر سیدنا صدیق اکبرؓ نے قائم کی تھی۔ بہرحال اب مسلمانوں کی طرف سے یہ ادنیٰ سے ادنیٰ مطالبہ ہے کہ قادیانیوں کو ذمی قرار دیا جائے۔ اب حکومت کو یہ کم سے کم مطالبہ فی الفور تسلیم کرنا چاہیے اور قادیانیوں کو اقلیت قرار دینے میں دیر نہ کرنی چاہیے۔

اس کے بعد حضرت خواجہ صاحب نے آیاتِ قرآنی سے ثابت کیا کہ مرزائیوں کا موجودہ سوشل بائیکاٹ بالکل جائز ہے۔ اُنہوں نے ہدایت فرمائی کہ مرزائیوں سے ہر قسم کا میل جول ختم کر دیا جائے۔

یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ حضرت درد گردہ کی شدید تکلیف کے باوجود مشائخ کانفرنس میں شرکت کے لیے راولپنڈی تشریف لائے تھے اور یہ چند کلمات بھی انہوں نے سخت تکلیف کی حالت میں ارشاد فرمائے۔

اس کے بعد پیر محمد کرم شاہ صاحب نے حضرت خواجہ صاحب کی طرف سے چند ضروری تجاویز پیش کیں اور اپیل کی کہ اپنے اپنے حلقوں میں تحفظِ ختمِ نبوت کا کام تیز تر کر دیا جائے۔ بعد ازاں اُنہوں نے یہ قرارداد پیش کی جو متفقہ طور پر منظور کی گئی:

قرارداد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علےٰ رسولہ الکریم

راولپنڈی ۱۳ جولائی ۷۴ ۱۹ء۔ کل پاکستان مشائخ کانفرنس کا ایک ہنگامی اجلاس آج یہاں شیخ الاسلام والمسلمین حضرت علامہ خواجہ محمد قمرالدین صاحب سیالوی دامت برکاتہم العالیہ سجادہ نشین دربار عالیہ سیال شریف منعقد ہوا۔ اجلاس میں مندرجہ ذیل قرارداد متفقہ طور پر منظور کی گئی:

کل پاکستان مشائخ کانفرنس کا یہ اجلاس عوام و خواص اور اربابِ حکومت پر واضح کر دینا اپنا دینی و ملی فرض سمجھتا ہے کہ مسئلہ ختمِ نبوت کتاب و سنت و اجماعِ اُمت سے ثابت ہے۔ ۱۹۵۳ء میں تمام مکاتیبِ فکر کے ۳۵ علمائے کرام نے اور حال ہی میں رابطۂ عالمِ اسلامی کے اجلاس منعقدہ مکہ مکرمہ میں عالمِ اسلام کی ۱۴۴ دینی تنظیموں کے نمائندوں نے متفقہ طور پر یہ فیصلہ کیا ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی یا مجدد ماننے والے دائرہ اسلام سے خارج ہیں، اس لیے مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔

یہ مسئلہ نزاعی نہیں ہے بلکہ اجماعی اور قطعی مسئلہ ہے، اس مسئلہ کے متعلق اسلامی مشاورتی کونسل یا سپریم کورٹ کی رائے لینے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

اس مسئلہ کو اسلامیانِ پاکستان کی امنگوں کے مطابق حل کرنے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ قومی اسمبلی میں فی الفور آئین میں ترمیم کر کے مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔

مشائخ کانفرنس کا یہ اجلاس حکومت سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ جلد از جلد اس مسئلہ کو قومی اسمبلی میں بطور بل پیش کر کے منظور کرائے اور ممبرانِ قومی اسمبلی سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اس بل کی حمایت و تائید کر کے اپنے قومی و ملی فرض کو ادا کریں اور اپنے منتخب کرنے والے افراد کے اعتماد کو ٹھیس نہ پہنچائیں۔ مشائخ کانفرنس کا یہ اجلاس مرکزی مجلس عمل تحفظ ختم نبوت پاکستان پر کلی اعتماد کا اظہار کرتا ہے اور مرکزی مجلسِ عمل کی قراردادوں اور مطالبوں کی

توثیق و تائید کرتا ہے۔

مشائخ کانفرنس کا یہ اجلاس کلمۂ حق بلند کرنے والے علماء و طلباء و دیگر مسلمانوں کی گرفتاریوں اور مسئلہ ختم نبوت سے متعلق ہر قسم کے مواد کی طباعت و اشاعت پر حکومت کی طرف سے پابندی کو سخت تشویش کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور حکومت سے پُرزور مطالبہ کرتا ہے کہ وہ گرفتار شدہ علماء و طلباء کو فوراً رہا کرے اور اُن کے خلاف قائم کردہ تمام مقدمات واپس لے اور تمام ناروا اور بے جا پابندیوں کو فی الفور ختم کرے۔

مشائخ کانفرنس کا یہ اجلاس مسلمانانِ پاکستان سے پُرزور اپیل کرتا ہے کہ وہ ناموسِ رسالت کی خاطر مرزائیوں سے ہر شعبۂ زندگی میں مکمل بائیکاٹ جاری رکھیں کیونکہ ایسا کرنا قرآن و سنت سے ثابت ہے۔"

قرارداد کی متفقہ منظوری کے بعد مولانا سید حسین الدین صاحب نے تجویز پیش کی کہ اخبارات پر سرکاری پابندیوں کی وجہ سے اگر یہ قرارداد شائع نہ ہو سکے، تو مشائخ کرام اسے سائیکلو سٹائل کروا کر مسلمانوں میں تقسیم کرائیں۔

اس عظیم الشان اور مبارک اجتماع میں جو مشائخ عظام اور علمائے کرام شریک ہوئے، ان میں سے چند کے اسمائے گرامی مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ حضرت شیخ الاسلام علامہ خواجہ حافظ محمد قمر الدین صاحب سیالوی دامت برکاتہم العالیہ۔ ۲۔ حضرت دیوان آل مجتبیٰ علی خان صاحب سجادہ نشین اجمیر شریف حال پشاور۔ ۳۔ حضرت سجادہ نشین صاحب جلال پور شریف۔ ۴۔ سجادہ نشین گولڑہ شریف۔ ۵۔ حافظ خواجہ ظہور الٰہی شاہ سجادہ نشین چورہ شریف ۶۔ پیر محمد ایوب شاہ صاحب سجادہ نشین چورہ شریف۔ ۷۔ علامہ ابوالبرکات صاحب لاہور۔ ۸۔ مولانا غلام فخر الدین صاحب میانوالی۔ ۹۔ پیر محمد امیر شاہ صاحب پشاور۔ ۱۰۔ پیر محمد شاہ صاحب قطبال شریف۔ ۱۱۔ پیر محمد یعقوب صاحب بگھار شریف۔ ۱۲۔ سجادہ نشین صاحب دربار گنجیاں شریف ہزارہ۔ ۱۳۔ قاضی عبدالحق صاحب ہاشمی قطبال شریف۔ ۱۴۔ مولانا بلال حسین صاحب کوہاٹ۔

۱۵۔ مولانا خدا بخش صاحب کیمبل پور۔ ۱۶۔ حضرت پیر محمد کرم شاہ صاحب سجادہ نشین بھیرہ شریف۔ ۱۷۔ علامہ حافظ عبدالغفور صاحب جامعہ غوثیہ راولپنڈی۔ ۱۸۔ علامہ ابو الحسنات سید خلیل احمد قادری لاہور۔ ۱۹۔ ابو النصر علامہ سید منظور احمد شاہ صاحب جامعہ فریدیہ ساہیوال۔ ۲۰۔ مفتی شائستہ گل صاحب ضلع مردان۔ ۲۱۔ صاحبزادہ عبدالمالک صاحب آستانہ اکبریہ میانوالی۔ ۲۲۔ مولانا غلام نبی صاحب کوہاٹ۔

۲۳۔ پیر محمد جمال الدین صاحب خواجہ آباد شریف۔ ۲۴۔ پیر غلام نظام الدین شاہ صاحب خواجہ آباد شریف۔ ۲۵۔ مولانا علامہ محمد حنیف صاحب قائد آباد۔ ۲۶۔ صاحبزادہ عبدالرحیم صاحب مردان۔ ۲۷۔ پیر ظریف خان صاحب کوہاٹ۔

۲۸۔ مولانا محمد فاضل عباسی صاحب نمائندہ مولانا مفتی محمد حسین نعیمی لاہور۔ ۲۹۔ قاضی مقبول الرحمٰن ہاشمی صاحب ہزارہ۔ ۳۰۔ حافظ احمد الدین صاحب جامعہ غوثیہ یکہ توت پشاور۔ ۳۱۔ حافظ غلام ربانی صاحب ناظم مدرسہ اسلامیہ چکوال۔ ۳۲۔ مولانا پیر محمد گل الرحمٰن صاحب بگرام ہزارہ۔

۳۳۔ علامہ سید محمود احمد رضوی صاحب لاہور۔

۳۴۔ صاحبزادہ محمد طیب شاہ صاحب دربار قادریہ سری کوٹ شریف۔ ۳۵۔ پیر محمد محمود الرحمٰن صاحب سجادہ نشین چھوہر شریف۔ ۳۶۔ قاری عبدالرشید صاحب جامع محمدی موتی بازار لاہور۔ ۳۷۔ حضرت علامہ پیر محمد چشتی صاحب جامعہ غوثیہ معینیہ پشاور۔ ۳۸۔ قاری محمد اسلم صاحب بغدادی جامعہ فریدیہ

باقی ص ۸۴ پر

ردِ مرزائیت میں
علمائے اہلسنت کا حصہ
محمد منشا تابش قصوری
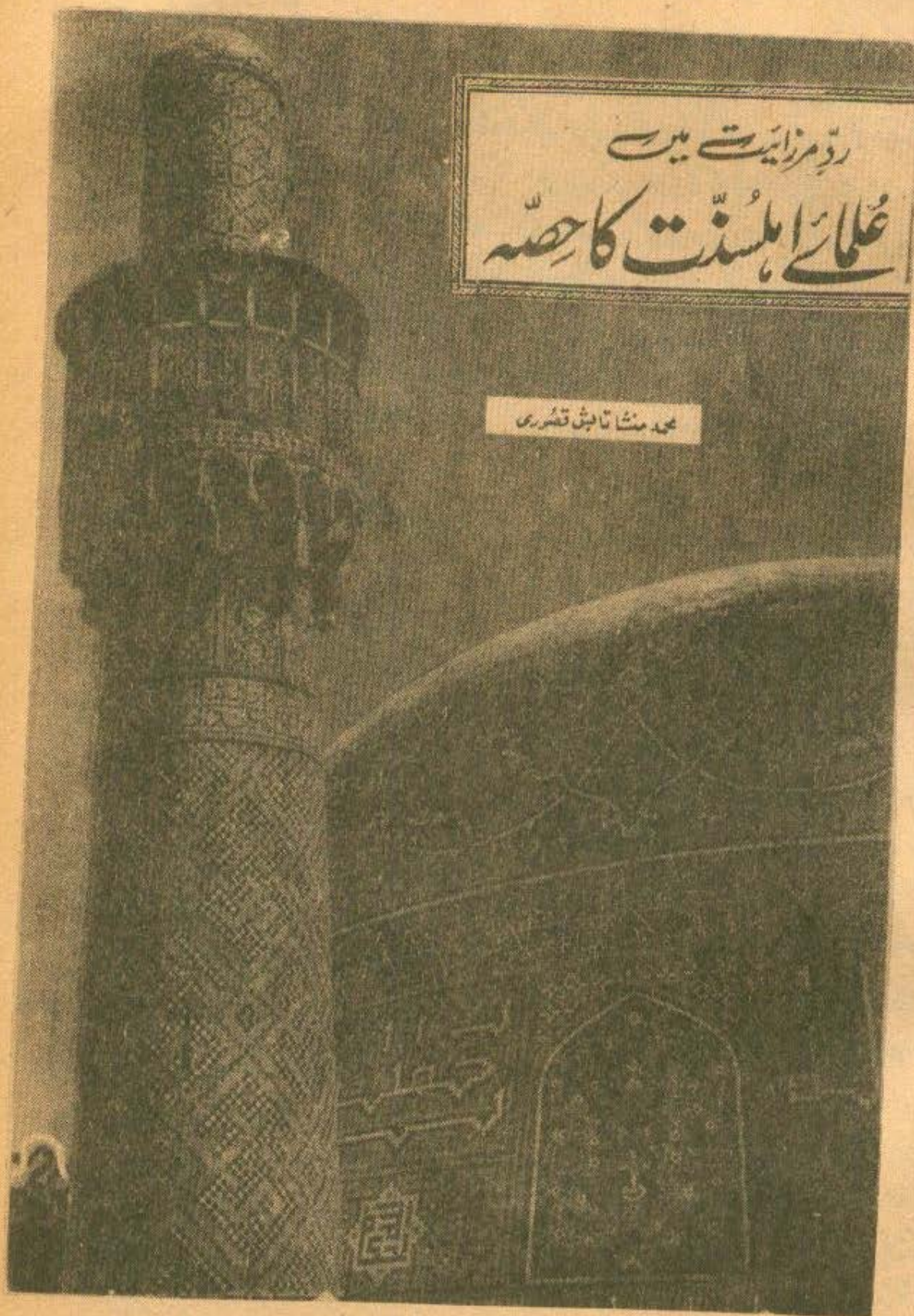
علماء و مشائخ کا مقدس گروہ نہایت نامساعد اور حوصلہ شکن مراحل میں بھی ہمیشہ پرچم اسلام بلند کرنے میں کوشاں رہا ہے۔ یہ علماء و مشائخ ہی کا نورانی گروہ تھا جنہوں نے دین اسلام کے خلاف کی جانے والی سازشوں کا قلع قمع کیا۔ گاندھی کی شاطرانہ چالوں کو ناکام بنایا۔ شدھی کی تحریک کو موت کے گھاٹ اتارا۔ تحریک پاکستان کو کامیابی سے ہمکنار کیا۔ جہاد کشمیر میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ نظریۂ پاکستان کے لئے پیش پیش رہے اور سب سے بڑھ کر یہ تحریک ختم نبوت کے لئے متاعِ زلیست کو وقف کر دیا۔

اور حقیقتاً اسلام میں یہی وہ مرکزی مسئلہ ہے جس کے گرد جملہ مسائل (دینی و دنیوی) طواف کرتے نظر آتے ہیں چنانچہ مولانا عبدالستار خاں صاحب نیازی مدظلہ، کے ایک مضمون کے اقتباس کو ملاحظہ فرمایئے۔ آپ مسئلہ ختم نبوت کی اہمیت و نزاکت پر نہایت موثر انداز میں اظہار خیال فرماتے ہوئے رقمطراز ہیں،

"ہر محبّ اسلام کا یہ فرض ہے کہ ختم نبوت کے مسئلہ کو تمام دوسرے مسائل پر ترجیح دے اگر ہم ناموس ختم نبوت کو محفوظ رکھنے کے ذریعے اپنی بقا کا اہتمام کر لیتے ہیں تو توحید، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، قرآن شریعت کسی اصولِ دین کو ضعف نہیں پہنچ سکتا، لیکن خدانخواستہ مستشرقین یا منافقین اس تعریف کو ہماری لوحِ قلب سے ذرا بھی اوجھل کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں (کہ اسلام محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام پر جو کچھ نازل ہوا اس کی غیر مشروط اتباع کا نام ہے) تو پھر ہمیں نہ ناموس صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ہمارا ایمان برقرار رکھنے میں مدد دے سکتا ہے نہ ولائے اہلِ بیت ہماری نجات کے لئے کافی ہو سکتی ہے نہ ہی قرآن کے اوراق میں ہمارے لئے ہدایت باقی رہ جاتی ہے نہ ہی مساجد کے محراب و منبر میں کوئی تقدیس باقی رہ جاتی ہے اور نہ ہی اولیاء کرام اور مشائخ عظام کی نسبتیں جاری رہ جاتی ہیں نہ ہی علماء کرام کی تدریس و وعظ میں اثر باقی رہ جاتا ہے نہیں نہیں صرف یہی نہیں خاکم بدہن امت محمدیہ کے تسمیہ اور وجود دونوں پر زد پڑتی ہے۔ امت محمدیہ (صلی اللہ علیہ وسلم) مِلل، میں تقسیم ہو جاتی ہے ملتیں حکومتوں میں بٹ جاتی ہیں اور حکومتیں گروہوں کی سازشوں کا شکار ہو جاتی ہیں فقط اتنا ہی نہیں خاندان ملت سے خارج ہو جاتے ہیں خود خاندان کے اندر صلۂ رحمی، قطع رحمی سے مبدّل ہو جاتی ہیں اس لئے اگر خاتم النبیین (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک نہیں تو پھر شریعت ایک نہیں جب شریعت ایک نہیں تو حرام و حلال کی تمیز نہیں اور جب حرام و حلال میں تمیز نہیں تو باپ بیٹے، ماں، بہن، خاوند، بیوی، غرض دنیا کے سب رشتے اپنی تقدیس سے محروم رہ جاتے ہیں ختم نبوت کا انکار آسمان پر فرشتوں کا انکار ہے زمین پر قبلہ اور حج کا انکار ہے۔ سیاست میں مسلمانوں کے غلبے اور جداگانہ وجود کا انکار ہے غرض ختم نبوت کا انکار مسلمان کے مسلمان ہونے سے انکار ہے یہاں پہنچ کر زبان گنگ ہو جاتی ہے قلم ٹوٹ جاتا ہے اور الفاظ کا ذخیرہ ختم ہو جاتا ہے۔" [1]

---

[1] مقالہ: عالمی مسائل اور پیغمبر عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) از مولانا عبدالستار خاں صاحب نیازی (ایم اے) مطبوعہ سیرت النبی نمبر ضیائے حرم جلد ۳ شمارہ نمبر ۸ مئی ۱۹۷۳ء صفحہ ۱۵۴

مرزا قادیانی نے اس مسئلہ کے تار و پود بکھیرنے کی مکروہ سازش کی تو علماء اہل السنت نے فوراً آگے بڑھ کر اس کا تعاقب کیا۔ ہر چند فتنۂ مرزائیت کے استیصال کے لئے علماء اہل سنت و جماعت کی خدمات جلیلہ کا احاطہ کرنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے تاہم اپنی بساط کے مطابق اکابر اہل سنت و جماعت نے ردِ مرزائیت میں جو کردار انجام دیا۔ اس کی ہلکی سی تصویر پیش کرنے کی جسارت کرتا ہوں۔

حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلویؒ

اعلیٰحضرت فاضل بریلوی نے قادیانیت کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کی طرح ڈالتے ہوئے مسئلہ ختم نبوت اور ردِ مرزائیت کے موضوع پر کئی بلند پایہ کتب تصنیف فرمائیں۔ یہاں صرف ان تصانیف کا تعارف پیش کیا جائے گا جو مرزا قادیانی کی زندگی ہی میں اس کی تردید کے لئے زیور اشاعت سے طبع ہو کر منصۂ شہود پر جلوہ گر ہو چکی تھیں مگر مرزا صاحب کو زندگی بھر جواب لکھنے کی جرأت نہ ہو سکی۔

جزاء اللّٰہ عدوہ باباۂ ختم النبوہ[1]

اس بے نظیر کتاب میں اعلیٰحضرت بریلوی علیہ الرحمۃ نے ختم نبوت کے ثبوت میں یک صد مرفوع احادیث پیش کی ہیں باقی اور آں ان کے علاوہ ہیں۔ پاک و ہند میں اس کتاب کے کئی ایڈیشن شائع ہوئے۔ پہلا ایڈیشن ۱۳۱۵ھ میں مطبع اہل سنت و جماعت بریلی شریف سے شائع ہوا جبکہ اس کا آخری ایڈیشن مکتبہ نبویہ لاہور کو شائع کرنے کا شرف نصیب ہوا۔ تحریک کے رہنماؤں نے اس سے کافی استفادہ کیا۔

السو العقاب علی المسیح الکذاب[2]

فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ کی یہ تصنیف اپنے نام سے موضوع کا اظہار کر رہی ہے۔ پہلی بار یہ مبارک تصنیف ۱۳۲۰ھ میں مطبع اہل سنت و جماعت بریلی شریف سے شائع ہوئی اور یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ اس کے آخری ایڈیشن کی اشاعت کا شرف مکتبہ نبویہ کو حاصل ہوا۔ یہ مبارک کتاب پہلی کتاب ختم نبوت کے ساتھ شائع ہوئی ہے اور قابلِ دید ہے۔

حسام الحرمین علی منحر الکفر والمین

فاضل بریلوی نے حضرت شاہ فضل رسول بدایونی علیہ الرحمۃ (۱۲۸۹ھ مطابق ۱۸۷۲ء) کی تصنیف "المعتقد المنتقد" (۱۲۷۰ھ ۱۸۵۳ء) پر تعلیقات و حواشی کا اضافہ فرمایا اور اس کا نام "المعتمد المستند" (۱۳۲۰ھ ۱۹۰۲ء) رکھا اسی زمانے میں ان تعلیقات کا خلاصہ علماء حجاز کی خدمت میں تصدیقات کے لیے پیش کیا چنانچہ حرمین شریفین کے علماء و فضلا نے اس کو اپنی تقاریظ اور تصدیقات سے مزین فرمایا

خود فاضل بریلوی نے ان تقاریظ و تصدیقات کو مرتب فرما کر "حسام الحرمین" نام رکھا مفید اضافے کئے اور شائع کیا۔

---

[1] محمد ظفر الدین مولانا، المجمل المعدد لتالیفات المجدد مطبوعہ مرکزی مجلس رضا لاہور صہ ۱۶

[2] حوالہ ایضاً صہ ۱۹

خلاصہ فوائد فتاویٰ [۲]

مذکورہ بالا تصنیف پر علماء حرمین شریفین کے فتاویٰ کا خلاصہ ہے جو ۱۳۲۴ھ میں مطبع اہل سنت بریلی سے شائع ہوا۔

قہر الدیان علی مرتد بقادیان [۳]

خباثاتِ قادیانی کا ردِ بلیغ ۱۳۲۳ھ میں منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوا۔ یہ تصنیف حنفیہ مطبع اہلِ سنت بریلی سے شائع ہوئی۔ پھر اسی نام سے اعلیٰ حضرت نے مرزا قادیانی کے مستقل رد کے لئے ماہوار رسالہ جاری فرمایا۔

المبیّن خاتم النبین [۴]

۱۳۲۵ھ کی تصنیف ہے جس میں خاتم النبیین میں کلمہ "لام" کی تحقیق درج ہے۔ مولانا محمد ظفر الدین بہاری کی تحریر کے مطابق اس کتاب نے ۱۳۲۷ھ تک اشاعت کا لباس نہ پہنا، بلکہ مسوّدہ کی شکل میں بریلی شریف اعلیٰ حضرت کے ذاتی کتب خانہ میں محفوظ تھی الغرض اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی حیاتِ مبارکہ کا ایک ایک لمحہ ناموس رسالت اور تحفظ ختم نبوت کے لئے وقف تھا۔

(۲) مولانا حامد رضا خاں صاحب قادریؒ

آپ اپنے والد ماجد اعلیٰ حضرت بریلویؒ کا آئینہ تھے مسئلہ ختم نبوت پر آپ کی نہایت عمدہ تصنیف "الصارم الربانی علیٰ اسراف القادیانی"۔ ۱۳۱۵ھ میں مطبع حنفیہ پٹنہ سے شائع ہوئی پھر بریلی اور لاہور سے شائع ہوتی رہی۔

(۳) حضرت مولانا غلام دستگیر قصوریؒ

حضرت مولانا غلام دستگیر قصوری قریشی ہاشمی کی تبلیغ اسلام میں خدمات ناقابلِ فراموش ہیں۔ تذکرہ اکابر اہلِ سنت میں مولانا شرف قادری نے آپ کی تیرہ[۱۳] عدد تصانیف کے نام درج کئے ہیں جن میں

"فتح الرحمانی بہ دفع کید قادیانی"

بھی ہے جو ردِ مرزائیت میں بڑی مدلل اور عمدہ تصنیف ہے۔ مرزا قادیانی نے جن اکابر علماء کو اپنے مقابل چیلنج دیا۔ ان میں مولانا غلام دستگیر قصوری کا نام بھی ہے۔

حضرت مولانا غلام قادر بھیرویؒ

ردِ مرزائیت میں پنجاب میں سب سے پہلے آپ نے ہی یہ فتویٰ جاری فرمایا کہ قادیانیوں کے ساتھ مسلمان مرد یا عورت کا نکاح حرام و ناجائز ہے۔

بعد میں علماء دین ومفتیانِ شرح متین نے اسی فتویٰ مبارکہ سے استفادہ کرتے ہوئے مرزائیوں سے مناکحت و تزویج کو ناجائز اور ان سے میل جول اور ذبیحہ تک کو حرام قرار دیا۔ مرزا نے جب نبوت کا دعویٰ کیا اور حکیم نور الدین نے اس کی تائید کی تو آپ نے حکیم نور الدین کا ایسا ناطقہ بند کیا کہ آپ کی موجودگی میں اسے کبھی بھیرہ میں داخل ہونے کی جرأت نہ ہوئی۔

مجاہد اسلام مولانا فقیر محمد جہلمی

حضرت مولانا فقیر محمد صاحب جہلمی نے ۱۳ ذی

---

[۱] محمد عمر نعیمی علیہ الرحمۃ تاج العلماء: تاجدار اہل سنت حضرت صدر الافاضل (مقالہ) مطبوعہ "سوادِ اعظم" کا "حیات صدر الافاضل نمبر" جلد ۲ شمارہ ۲۳/۲۴ جون ۱۹۵۹ء، ص ۵

[۲] المجمل المعدد ص ۲۲ [۳] ایضاً ص ۲۲ [۴] ایضاً ص ۲۴

الحجۃ ۱۳۰۲ھ میں جہلم سے ایک ہفتہ وار پرچہ "سراج الاخبار" کے نام سے جاری کیا اس اخبار نے اپنے دور کے اعتقادی فتنوں خاص طور پر فتنۂ مرزائیت کی تردید میں بڑا کام کیا مرزا قادیانی اور اس کے حواری "سراج الاخبار" کے کارناموں سے سٹپٹا اٹھے چنانچہ انہوں نے ہر امکانی کوشش سے "سراج الاخبار" کو بند کرانے کے حربے استعمال کئے آپ اور آپ کے رفیق کار حضرت مولانا محمد کرم دین صاحب دبیر پر مقدمات کا دور شروع ہوا، مگر یہ عالی قدر ہستیاں ان مصائب و آلام سے کب گھبرانے والی تھیں ابتلا و آزمائش کی آندھیاں اُن کے پائے استقلال میں کوئی لغزش پیدا نہ کرسکیں گورداس پور کی عدالت میں مقدمہ چلا جو قادیانی اور اس کے حواریوں کی شکست پر منتج ہوا مرزا قادیانی کی خوب گت بنی اور اللہ تعالیٰ نے مجاہد اسلام مولانا فقیر محمد جہلمی اور مولانا کرم دین صاحب کو باعزت بری فرمایا۔ آپ نے بڑی اہم کتابیں یادگار چھوڑی ہیں جن میں "حدائق حنفیہ" کو خاص شہرت حاصل ہوئی۔

استاذ العلماء مولانا حکیم محمد عالم صاحب آسی امرتسری

حضرت مولانا محمد عالم آسی حضرت مولانا مفتی غلام قادر بھیروی سے شرف تلمذ رکھتے تھے تبلیغ سنیّت اور ردِّ مرزائیت میں کارہائے نمایاں انجام دیئے تردید مرزائیت میں آپ نے دو ضخیم جلدوں میں (۱۳۵۲ھ ربیع الاوّل مطابق ۱۹۳۳ء جولائی) وہ عظیم الشان تاریخی تصنیف "الکاویہ علی الغاویہ" (چودھویں صدی کے مدعیان نبوت) عربی اور اردو علیحدہ علیحدہ شائع فرمائی یہ نادر روزگار کتاب ایک ہزار چھیاسٹھ صفحات پر پھیلی ہوئی ہے پہلی جلد ۱۸×۲۲ سائز کے چار سو سولہ صفحات پر مشتمل ہے۔ دوسری جلد اسی سائز کے چھ سو پچاس صفحات کو اپنے دامن میں سموئے ہوئے ہے اس تصنیف میں یہ خوبی ہے کہ بڑی آزادی کے ساتھ مرزائی مذہب کا جتنا لٹریچر ہے (مع پوسٹر اشتہار وغیرہ) سب کا خلاصہ مع تنقیدات اہلِ اسلام درج کیا گیا ہے۔ علمائے امّت اور اہلِ قلم حضرات نے اسے کمال نظر تحسین سے دیکھا۔ چنانچہ مولانا ابوالوفا ثناء اللہ امرتسری اس پر تقریظ لکھتے ہوئے اپنے خیالات کا یوں اظہار کرتے ہیں "کتاب "الکاویہ علی الغاویہ" (چودھویں صدی کے مدعیان نبوت) مصنفہ جامع المعقول والمنقول جناب مولانا محمد عالم آسی میں نے دیکھی کتاب اپنے مضمون میں جامع ہے اسلامی دنیا میں بہاء اللہ ایرانی اور مرزا قادیانی نے جو تہلکہ مچا رکھا ہے آج اس کی نظیر نہیں ملتی ان کے حالات اور مقالات کی جامع کتاب چاہیئے تھی مصنف علام نے اس ضرورت کو پورا کر دیا[1] جزاہ اللہ۔ ثناء اللہ ۔ ۱۷ ستمبر ۱۹۳۴ء"

حضرت مولانا مفتی غلام مرتضیٰ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ

حضرت مولانا مفتی غلام مرتضیٰ صاحب علیہ الرحمۃ میانی ضلع شاہ پور کی وہ عظیم المرتبت شخصیت ہے جس نے فتنۂ قادیانیت کا قلع قمع کرنے میں بے نظیر کارنامے انجام دیئے آپ کو حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب قدس سرہٗ سے بیعت کا شرف حاصل تھا کئی سال مدرسہ نعمانیہ لاہور کے اول مدرس رہے ۱۴، یا ۱۵ مئی ۱۹۰۸ء کو حکیم نورالدین صاحب بھیروی سے مولانا ابراہیم قادیانی

---

[1] الکاویہ علی الغاویہ (اردو) مطبوعہ امرتسر ص ۶۵۰

کے مکان واقع کشمیری بازار میں حیاتِ مسیح ابن مریم پر تاریخی مکالمہ ہوا۔ حکیم نورالدین بھیروی خلیفہ اول مرزا قادیانی آپ سے سخت مرعوب ہوگیا اور ایسی کوئی دلیل پیش نہ کرسکا جس پر اسے خود تسلی ہوتی آخر اپنا سا منہ لے کر رہ گیا۔ یہ تاریخی مکالمہ النظفر الرحمانی میں آپ نے درج فرمایا۔[1]

۱۸، ۱۹، ۲۰ اکتوبر ۱۹۲۴ء کو حضرت مولانا مفتی غلام مرتضیٰ صاحب کا مولوی جلال الدین شمس قادیانی سے بمقام ہریا تحصیل پھالیہ ضلع گجرات تاریخی مناظرہ ہوا۔ مسلمانوں کی طرف سے صدر جلسہ حضرت مولانا مفتی غلام محمد صاحب گھوٹوی ملتانی علیہ الرحمۃ تھے جب کہ قادیانیوں نے پہلے دن کرم داد صاحب اور دوسرے روز حاکم علی قادیانی کو صدر جلسہ بنایا گیا۔

اس تاریخی مناظرہ کی کارروائی سننے کے لئے ہر مذہب و مسلک کے لوگ دور دور سے آئے مناظرہ دو روز تک جاری رہا مناظرِ اسلام حضرت مولانا مفتی غلام مرتضیٰ نے تحریری و تقریری دلائل کے انبار لگا دیئے آپ کی گرفت اتنی مضبوط تھی کہ مدِ مقابل مولوی شمس صاحب کی کوئی پیش نہ گئی اور گھبراہٹ کے عالم میں قادیانیوں نے جلسہ کو درہم برہم کرنے کی بھی ناکام کوشش کی مگر حسنِ انتظام اور مفتی اسلام کے پرجوش خطاب سے ان کے سب منصوبے دھرے کے دھرے رہ گئے اور اللہ تعالیٰ نے مفتی غلام مرتضیٰ علیہ الرحمۃ کے باعث اسلام کو غلبہ عطا فرمایا اور باطل ناکام و نامراد ہوا قادیانی مناظر بڑی ذلت کی شکست سے دوچار ہوا۔ حضرت مولانا مفتی غلام محمد صاحب گھوٹوی صدر مناظرہ

---

[1] غلام مرتضیٰ مولانا النظفر الرحمانی فی کسف القادیانی مطبوعہ لاہور پرنٹنگ پریس ص ۲۰۴ تا ۲۰۷

مفتی غلام مرتضیٰ صاحب کے جوابی دلائل سے اس قدر متاثر ہوئے کہ پکار اٹھے :

"میرا دل اس وقت یہ گواہی دیتا تھا کہ اگر مفتی صاحب کی تقریر مرزا صاحب خود سنتے تو مسلمان ہو جاتے مگر ہدایت مقدر نہ تھی۔" اس تاریخی مناظرہ کے اختتام پر حضرت مولانا مفتی غلام مرتضیٰ صاحب نے مرزا محمود احمد خلیفہ ثانی مرزا قادیانی کو لاہور میں مناظرہ کا چیلنج دیا[1] مگر وہ بھی اپنے باپ کی طرح نام نہاد دارالامان قادیان سے باہر نہ نکل سکا قادیانیوں پر اس مناظرِ اسلام کے علم و فضل اور مناظرہ کی دھاک بیٹھ گئی۔"

۲۰ اکتوبر ۱۹۲۴ء کو حضرت مولانا مفتی غلام محمد صاحب گھوٹوی فتح کی خوشخبری سنانے حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب کی خدمت میں گولڑہ شریف حاضر ہوئے۔ مناظرہ کی مفصل کارروائی اور فتح کی نوید سن کر حضرت قبلہ عالم پیر صاحب قدس سرہ نے حضرت مولانا مفتی غلام مرتضیٰ علیہ الرحمۃ کی طرف مبارک بادی کا مکتوبِ گرامی ارسال فرمایا جو من و عن یہاں درج کیا جاتا ہے۔"[2]

"مخلص فی اللہ مفتی غلام مرتضیٰ حفظکم اللہ تعالیٰ۔
بعد سلام و دعا کے الحمد اللہ ای لمنۃ کہ اد سبحان و تعالیٰ نے آپ کو توفیق اظہارِ حق بوجہ اتم عنایت فرمائی۔ مخلصی مولوی غلام محمد صاحب سے مفصل کیفیت معلوم ہوئی بل کے بل نے سب بل مبطلین کے نکال دیئے اللھم وفقنا لما تحب و ترضی وصل وسلم وبارک علی سیدنا محمد وآلہ وصحبہ والحمد للہ اولاً وآخراً سب احباب سے مبارک بادی۔"
العبد الملتجی والمشتکی الی اللہ المدعو بمہر علی شاہ بقلم خود۔

---

[1] النظفر الرحمانی فی کسف القادیانی ص ۲۰۷، ۲۲۰
[2] ایضاً ص ۴

اس مناظرہ کی مفصل کارروائی حضرت مولانا مفتی غلام مرتضےٰ صاحب علیہ الرحمہ نے "الظفر رحمانی" نامی کتاب میں جمع فرمائی یہ کتاب ۲۲×۱۸/۸ کے ۲۲۲ صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔

علامہ ابوالحسنات سید محمد احمد صاحب قادری علیہ الرحمۃ

آپ علماء میں واحد سنی تھے جن کو تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء میں تمام مکاتیب فکر کے علماء نے قائد تسلیم کیا آپ نے اس تحریک میں پرجوش حصہ لیا اور تمام مسلمانوں کو دعوتِ عمل دی اور حکومت کے سامنے مذہبی مطالبات پیش کئے آپ نے بحیثیت صدر مجلسِ عمل ان مطالبات کے لئے بڑی جدوجہد کی۔ سید مظفر علی شمسی بیان کرتے ہیں۔ کہ [۱] "میں اس وقت مجلس عمل کا سیکرٹری تھا۔ ہر جلسہ میں مجھے موصوف کے قریب رہنے کا موقع ملا۔ میں ان سے بہت متاثر تھا۔ انہیں ہر سٹیج پر باعمل پایا خواجہ ناظم الدین مرحوم وزیر اعظم سے ہر ملاقات میں مولانا کے ہمراہ رہا جس شان سے موصوف نے قوم کے مطالبات پیش کئے انہیں کا حصہ تھا۔ ہر ملاقات کے بعد خواجہ صاحب اکثر حضرت مولانا کے پیچھے نماز ادا کرتے ان کی شخصیت اور علم وفضل کا اقرار کرتے۔ مولانا ہر ملاقات میں ان سے ایک ہی خواہش کا اظہار کرتے کہ شمع رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پروانوں کے مطالبات تسلیم کریں اس سلسلہ میں مولانا نے پورے ملک کا دورہ کیا اور ختم نبوت کے سلسلے میں لاکھوں مسلمانوں سے خطاب کیا۔ میں حیران تھا کہ ایک گوشہ نشین عالم کس طرح اس مسئلہ کے لئے بے قرار ہے میں نے اکثر موصوف کو مسلمانوں کے لئے رو رو کر دعائیں مانگتے دیکھا۔"

حکومت نے جب کوئی بات تسلیم نہ کی تو کراچی میں مجلسِ عمل نے ڈائریکٹ ایکشن کا اعلان کیا جس کا ایک طریق یہ تھا کہ کارکن خاموشی سے کتبے ہاتھ میں لئے گورنروں اور وزیر اعظم پاکستان کے بنگلوں پر خاموش احتجاج کریں حکومت نے اسی رات حضرت مولانا کی قیادت میں ان کے رفقاء کو گرفتار کر لیا اور کراچی سنٹرل جیل میں بھیج دیا۔ اس گرفتاری کے بعد پورے ملک میں تحریک نے زور پکڑا پنجاب سے روح فرسا خبریں پہنچنی شروع ہوئیں۔ آپ کو اچانک ایک دن اطلاع ملی کہ حضرت مولانا خلیل احمد قادری خطیب مسجد وزیر خاں کو مارشل لاء حکومت نے پھانسی کی سزا دے دی ہے۔ مولانا اپنے اکلوتے فرزند کے متعلق یہ المناک خبر سن کر سجدے میں گر گئے ـــــ اور عرض کیا۔ الٰہی" میرے بچے کی قربانی کو منظور فرما۔ ڈیڑھ ماہ تک کراچی میں قید و بند کی صعوبتوں سے دوچار رہنے کے بعد سکھر سنٹرل جیل میں نظر بند کر دیئے گئے۔ سخت گرمیوں کے دن تھے۔ آٹھ مربع فٹ کوٹھڑی میں علامہ ابوالحسنات، مولانا عبدالحامد بدایونی مولانا صاحبزادہ سید فیض الحسن صاحب، سید عطاء اللہ شاہ بخاری اور سید مظفر علی صاحب شمسی بند تھے۔ حیدر آباد جیل میں بھی قید رہے۔ چھ ماہ سی کلاس گزارنے کے بعد اے کلاس ملی۔ بعد ازاں لاہور منتقل کر دیئے گئے جہاں تحقیقاتی عدالت میں پیش ہوئے [۱] جناب مظفر علی صاحب شمسی بیان کرتے ہیں کہ "جس ہمت اور اولوالعزمی سے علامہ ابوالحسنات نے قید میں دن گزارے اس کی مثال ملنی بہت مشکل ہے۔ نازونعم میں پلا ہوا انسان، لاکھوں انسانوں کے دلوں کا بادشاہ علم و عمل کا شہنشاہ مگر محبت رسول نے امتحان

---

[۱] روزنامہ مشرق لاہور ۵ نومبر ۱۹۶۷ء ص ۳ مولانا ابوالحسنات سید محمد احمد قادری از مظفر علی شمسی۔

[۱] روزنامہ مشرق ۵ نومبر ۱۹۶۷ء ص ۳

چاہا تو بے دریغ قید و بند کی صعوبتوں کو برداشت کرنے کے لئے تیار ہو گیا اور اس شان سے قید کاٹی کہ مثال بن گید کیا مجال جو کسی سے شکایت کی یا کسی کا شکوہ کیا ہو یا اپنے مشن سے دستبرداری کا ارادہ کیا ہو۔ جیل میں آپ کا بہترین شغل قرآن کریم کی تفسیر لکھنا تھا کئی برس قید میں کاٹے اور بہت شدت کے ساتھ قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں، جن کے باعث آپ کی زندگی پر بڑا برا اثر پڑا۔

ردِ مرزائیت کے سلسلہ میں آپ نے رسائل و جرائد اور اخبار و اشتہارات کے ذریعہ بھی بڑی خدمت انجام دی ہے۔ قادیانیت کے رد میں ذیل کی دو کتابیں آپ کی مستقل یادگار ہیں۔

۱۔ مرزائیت پر تبصرہ
۲۔ قادیانی مذہب کا فوٹو

مولانا عبدالحامد بدایونی رح

حضرت مولانا بدایونی علیہ الرحمۃ کی زندگی کا سب سے بڑا مشن عقیدۂ ختم نبوت کی حفاظت تھا۔ چنانچہ اس تحریک میں آپ نے بڑا نمایاں حصہ لیا۔ تحریکِ تحفظِ ختم نبوت کی حمایت اور مرزائیت کی تردید کی پاداش میں حکومت نے انہیں گرفتار کر لیا۔ ایک سال تک سکھر اور کراچی کی جیلوں میں علامہ ابوالحسنات قادری کے ساتھ نظر بند رہے۔ قید و بند کی سخت صعوبتوں کو بڑی جوانمردی سے برداشت کیا۔ ان کی مدبرانہ فراست نے پورے ملک میں اس تحریک کو مقبول بنایا۔

مولانا محمد عمر صاحب اچھروی رح

ردِ مرزائیت میں آپ کی معرکہ آراء تصنیف "مقیاس النبوت" تین ضخیم حصوں میں بڑے سائز کے تقریباً ڈیڑھ ہزار صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔

پہلی جلد مقیاس النبوۃ فی حقیقت من عادانی غیر الابوۃ : ۴۲۳ صفحات پر مشتمل ہے
دوسری جلد مقیاس النبوۃ فی ثبوت انقطاع النبوۃ : ۲۸۰ صفحات پر مشتمل ہے
تیسری جلد مقیاس النبوۃ فی رد مدار النبوۃ : ۷۵۳ صفحات پر مشتمل ہے

حضرت مولانا مفتی مسعود علی صاحب قادری فرماتے ہیں کہ :۔

"اس موضوع پر اتنی مفصل کتاب میری نظر سے نہیں گزری پوری کتاب کی کتابت و طباعت معقول ہے۔ میرے خیال میں جس کے پاس یہ کتاب ہو اسے قادیانیت کے خلاف کسی دوسری کتاب خریدنے کی زحمت گوارا نہ کرنا پڑے گی۔ مولانا مرحوم نے اہل سنت کی طرف سے عظیم الشان کارنامہ انجام دیا ہے۔"[1]

مولانا عبدالستار خاں صاحب نیازی

آپ نے تحریک ختم نبوت کے لئے اپنی زندگی کو وقف کر رکھا ہے جب ۱۹۵۲ء میں تحریک تحفظ ختم نبوت چلی تو آپ کراچی میں تھے۔ ۱۳ فروری کو تحریک شروع ہوئی ۲۴ - ۲۵ فروری کو گرفتاریوں کا آغاز ہوا چنانچہ آپ پولیٹیکل ورکرز کنونشن کے دورہ سے لاہور واپس آئے اور ۲۷ فروری کو جامع مسجد داتا گنج بخش میں جمعہ کے بعد جلسہ عام سے خطاب کر رہے تھے کہ اطلاع ملی۔

"تحریک کے تمام رہنما گرفتار کر لیے گئے ہیں۔"

رہنماؤں کی گرفتاری کے بعد یہ خطرہ پیدا ہو گیا تھا

---

[1] ختم نبوت نمبر ترجمان اہل سنت۔ اگست دسمبر ۱۹۷۲ء ص ۱۰۷

کہ پُرامن تحریک تشدد کی راہ اختیار کرے گی چنانچہ آپ نے ۱۳؍مارچ ۱۹۵۲ء کو مسجد وزیر خاں میں تحریک کے مرکزی نظام کا دفتر قائم کیا اور حضرت مولانا مفتی محمد حسین صاحب نعیمی مدظلہٗ کے تعاون سے چار ہزار کا بیاں تحریک کے اغراض و مقاصد کی شہر اور مضافات میں تقسیم کیں[1] ان دنوں روزانہ دو جلسے ہوا کرتے تھے۔ مسجد وزیر خاں کے جلسہ سے زیادہ تر آپ ہی خطاب کرتے تھے۔ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس فردوس شاہ پولیس فورس کے ساتھ آپ کو گرفتار کرنے آ رہا تھا کہ کسی نوجوان نے اسے چھرا گھونپ کر ہلاک کر دیا۔

مارشل لاء لگا دیا گیا اور اس میں سب سے زیادہ ہاتھ اس وقت کے وزیر داخلہ سکندر مرزا کا تھا۔ ۹؍مارچ کو صوبائی اسمبلی کا اجلاس شروع ہو رہا تھا فیصلہ یہ کیا گیا کہ مسئلہ کو اسمبلی میں پیش کیا جائے۔ مسجد وزیر خاں سے اسمبلی پہنچنا مشکل تھا کیونکہ جگہ جگہ پولیس اور ملٹری کا پہرہ تھا آپ قصور ٹھہرے ہوئے تھے۔ وہیں سے کسی نے پولیس کو اطلاع کر دی اور آپ ۱۶؍مارچ کی صبح نماز فجر کے وقت گرفتار کر لیے گئے۔[2]

گرفتاری کے بعد مولانا عبدالستار خاں نیازی کو شاہی قلعہ لاہور میں منتقل کر دیا گیا جہاں پولیس نے ۲۳؍مارچ سے ۱۹؍اپریل تک ایک لمحہ بھی سونے نہ دیا۔ ۱۶؍اپریل سے آپ کو پتہ چلا کہ آپ کے خلاف ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ فردوس علی شاہ کے قتل اور بغاوت کا مقدمہ بنا دیا گیا ہے ۲۷، ۲۸؍اپریل کو ملٹری عدالت نے مقدمہ کی سماعت شروع کی۔ ۷؍مئی کو فیصلہ سنا دیا گیا اور آپ کو بغاوت کے الزام میں سزائے موت کا حکم ہوا۔

جب عدالت کے ایک رکن نے پوچھا کہ آپ کو موت کا کوئی خوف نہیں؟ تو آپ نے جواب دیا "سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ایسی ہزاروں زندگیاں قربان کی جا سکتی ہیں"۔ اسی شام آپ کو پھانسی کی کوٹھڑی میں منتقل کر دیا گیا۔ آپ ۷ دن اور ۸ راتیں اس کوٹھڑی میں رہے

خود فرماتے ہیں ۱۴؍مئی کو عصر کی نماز سے فارغ ہوا ہی تھا کہ اطلاع ملی "سزائے موت ۱۴؍سال قید میں بدل گئی ہے۔ ۱۰؍مئی کی صبح آپ پھر جیل منتقل کر دیئے گئے۔ جہاں مولانا خلیل احمد قادری، مولانا نصر اللہ خاں عزیز سید نقی علی اور مولانا ابوالاعلیٰ مودودی اکٹھے ہو گئے تھے۔ پھر آپ کو راولپنڈی جیل منتقل کر دیا گیا۔ چودہ سال کی سزا بعد میں جسٹس شریف نے تین سال میں بدل دی پھر آپ ۲ سال بعد ۲۹؍اپریل ۱۹۵۵ء کو ضمانت پر رہا کر دیئے گئے۔

۸؍جولائی ۱۹۵۵ء کو رہائی سے صرف دو ماہ بعد شیرانوالہ گیٹ کی مسجد میں مسئلہ ختم نبوت پر تقریر کی جس پر سکندر مرزا (وزیر داخلہ) نے بنگال ریگولیشن کے تحت گرفتار کر لیا اور ساہیوال جیل میں بھیج دیئے گئے۔ ۲۶؍جولائی کو جسٹس کیانی کے حکم سے رہائی ملی۔

۱۹۵۳ء میں تحریک تحفظ ختم نبوت سے لے کر ۱۹۷۴ء کی تحریک تک آپ نے اپنے نصب العین کی خاطر بے پناہ قربانیاں دیں اور آخر اپنی زندگی میں ۷ ستمبر کا دن بھی دیکھ لیا ۱۹۷۴ء کی تحریک میں بھی آپ نے دن رات کام کیا۔

حضرت مولانا سید محمود احمد صاحب رضوی

آپ کی ذات والا برکات کسی تعارف کی محتاج نہیں۔

---

[1] ماہنامہ رضائے حبیب (علماء اہل سنت نمبر) صـ۲۱
[2] ایضاً صـ۲۱۔

تحریک ختم نبوت ۱۹۷۴ء میں کراچی سے پشاور تک لاہور سے کوئٹہ تک جگہ جگہ دورے کئے۔ مجلسِ عمل کے سیکرٹری جنرل کی حیثیت سے دن رات آپ نے ایک کر رکھا تھا آخر اللہ تعالیٰ نے کامیابی و کامرانی سے ہمکنار کیا۔ آپ نے ردِّ مرزائیت میں قلمی جہاد بھی فرمایا خصوصاً ردِ مرزائیت میں ہفت روزہ "رضوان" لاہور کا ختم نبوت نمبر تاریخی اہمیت کا حامل ہے۔ ۱۹۵۳ء کی تحریک میں حصہ لینے پر آپ تین ماہ شاہی قلعے میں بھی محبوس رہے۔

ابوالنصر منظور احمد صاحب ہاشمی

آپ جامعہ فریدیہ ساہیوال کے بانی و مہتمم ہیں تردید قادیانیت میں آپ نے مثالی کارنامے انجام دیئے۔ ۱۹۵۳ء کی تحریک میں ساہیوال (منٹگمری) میں مجلس عمل کے صدر تھے اور تحریک کے جلوس کی قیادت کرتے ہوئے گرفتار کر لئے گئے۔ ساڑھے سات ماہ تک ساہیوال جیل میں قید با مشقّت کی سزا ہوئی۔

۱۹۷۴ء کی تحریک کے دوران ساہیوال میں بھی آپ نے بڑا مجاہدانہ کارنامہ سرانجام دیا۔ سوشل بائیکاٹ کے جواز پر آپ نے سب سے پہلے رسالہ تصنیف فرمایا اور تحریک کے دوران پنتالیس ہزار کاپیاں چھپوا کر پورے ملک میں تقسیم کرائیں۔

تحریر : محمد منشا تابش قصوری

تحریکِ ردِّ مرزائیت کے تین مجاہد

تیرھویں صدی کے آخر اور چودھویں کے اول میں پنجاب کے قصبہ "قادیان" سے ایک کذّاب انسان جھوٹی نبوت کا لبادہ اوڑھ کر رونما ہوا، جس نے اپنے متبعین کے علاوہ تمام مسلمانانِ عالم کو کافر کہنا اپنے لیے طرۂ امتیاز سمجھا اور آخر دم تک اس کا یہی محبوب مشغلہ رہا۔

برطانوی سامراج کے مامور کردہ اس کذّاب نے اپنی ولایت، مجددیت، محدثیت، مہدویت، مسیحیت اور نبوت کا ڈھونگ رچایا۔ آیاتِ قرآنی اور احادیثِ رسولِ حقانی کی تحریف کو اپنے لیے ڈھال بنایا۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر خاتم الانبیاء والمرسلین حبیبِ کبریا رسولِ مجتبےٰ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم تک تمام انبیائے کرام علیہم السلام کی شان میں توہین و تنقیص کے کُھلے کُھلے، فضائل و مراتب اور معجزات کا انکار کیا۔ بالخصوص سید عالم خاتم النبیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کے معجزۂ شق القمر کے انکار کے علاوہ لاتعداد معجزات کو صرف تین ہزار تک محدود گردانا اور اپنے نام نہاد طلسمات کی تعداد دس لاکھ سے زائد بیان کر کے معجزات کی حیثیت سے ان کا ڈھنڈورا پیٹ کر افضلیت کے دعوے الاپے۔ حتیٰ کہ عین خدا ہونے کا دعویٰ تک کر دیا۔

مرزا قادیانی کے ان دعوؤں سے عالمِ اسلام کے قلوب مجروح ہوئے، عاشقانِ رسولِ انام تڑپ اُٹھے، شمعِ نبوت کے پروانوں نے اپنا اپنا محاذ سنبھال لیا اور اس کے استیصال کے لیے شب و روز وقف کر دیئے۔ بریلی، دہلی، لاہور، امرتسر، راولپنڈی، آگرہ، بمبئی، مراد آباد، پنجاب، یو۔پی، سندھ غرض پاک و ہند کے علمائے ربانی کے علاوہ مصر و شام اور حرمین شریفین (زادہما اللہ شرفاً و تعظیماً) کے علمائے حقانی نے اپنا اوّلین فرض سمجھتے ہوئے مرزا پر فتویٰ کفر و ارتداد صادر فرمایا اور اس کی اُمت کے ساتھ میل جول، مناکحت اور ان کے ذبیحہ کو حرام قرار دیا۔

انگریزوں نے مسلمان کے ہاتھوں پے در پے شکست کھانے کے بعد انتقامی جذبے سے مسلمانوں کو آپس میں لڑانے کا پروگرام بنایا، وہ سمجھتے تھے کہ مسلمانوں سے میدانِ کارزار میں نمٹنا ان کے بس کی بات نہیں، اس لیے انہوں نے مختلف سازشوں کے ذریعہ جذبۂ عشقِ رسول اور جذبۂ جہاد ختم کرنے کا منصوبہ بنایا۔ اس مقصد کے لیے انگریزوں نے جن لوگوں کو استعمال کیا، ان میں سرِ فہرست مرزا غلام احمد قادیانی تھا جس نے انگریز کے ایماء پر نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا اور جہاد کو حرام قرار دیا۔ مرزا کے اس جھوٹے دعوے کے بعد فوراً ہی علمائے حق نے اس کا تعاقب کیا اور اس کے

دعویٰ کی قلعی کھول دی۔ اس فتنۂ ارتداد اور متنبیٔ قادیان کے استیصال کے لیے جن اکابر علماء نے اہم کردار ادا کیا ان کی خدمات کا مختصر خاکہ پیش کرنے سے پہلے ایک عظیم انکشاف ہدیۂ ناظرین کیا جاتا ہے، جو ردِّ مرزائیت میں بڑی اہمیت رکھتا ہے۔

عظیم انکشاف

بٹالہ کے علماء و مشائخ کرام سے مرزا غلام احمد قادیانی کے آباؤ اجداد کو بے پناہ عقیدت و ارادت تھی، اگاہے گاہے مرزا غلام مرتضےٰ (پدرِ مرزا غلام احمد) بھی بٹالہ حاضر ہوتا رہتا تھا، ان دنوں مولانا پیر سید حسن شاہ صاحب قادری ابن سید محی الدین قادری فاضل بٹالوی زیب سجادہ تھے۔ سید ظہور حسن قادری بٹالوی اپنے فرزند مولانا عبدالقادر بٹالوی کے نام اپنے ایک مکتوب میں اپنے والد ماجد (مولانا پیر حسن شاہ صاحب قادری) کے اس عظیم انکشاف کا اظہار فرماتے ہوئے رقمطراز ہیں :—

"مرزا غلام احمد قادیانی ایک روز مولانا پیر حسن شاہ صاحب قادری کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضرت نے اسے ہدایت فرمائی کہ عقیدۂ اہل سنت و جماعت پر ثابت قدم رہنا اور خواہشات نفسانیہ اور ہوائے شیطانیہ کا غلام نہ بن جانا جب یہ کلام حافظ عبدالوہاب صاحب (جو حضرت کے شاگرد اور مرید اور یونیورسٹی میں عربی کے پروفیسر تھے) نے سنا، تو عرض کیا حضور آپ نے اسے جس طرح ہدایت فرمائی ہے اس کی کیا وجہ ہے؟ ارشاد فرمایا کہ کچھ مدت بعد اس شخص (غلام احمد) کا دماغ خراب ہو جائے گا اور یہ نبوت کا دعویٰ کردے گا کیونکہ مجھے اللہ تعالیٰ کی عطا سے معلوم ہوا ہے کہ قادیان سے قرنِ شیطان کا ظہور ہوگا اور وہ نبوت کا دعوےٰ کرے گا۔" (ارشاد المسترشدین صفحہ ۱۶۱)

اس پیشگوئی کے ۳۶ سال بعد مرزا غلام احمد قادیانی نے مسیحیت و نبوت کا دعویٰ اُگل دیا۔ مرزا کے دعویٔ نبوت کے بعد جن علمائے کرام نے اسوۂ صدیقی پر عمل پیرا ہو کر اس کا مقابلہ کیا۔ ان میں سے تین نامور مجاہدین کا ذکر قارئین ضیائے حرم کی خدمت میں پیش ہے۔

قاضی فضل احمد صاحب لدھیانوی

حضرت مولانا قاضی فضل احمد صاحب لدھیانوی (کورٹ انسپکٹر پولیس پنشنر لدھیانہ) اہل سنت کی وہ عظیم المرتبت شخصیت اور مقتدر ہستی ہیں جنہوں نے زبان و قلم سے فرقۂ باطلہ کے خلاف ڈٹ کر جہاد کیا اور وہ کارہائے نمایاں انجام دیئے جو ہمیشہ یادگار رہیں گے۔ جب قاضی صاحب کی شہرۂ آفاق تصنیف "انوار آفتاب صداقت" کا ظہور ہوا تو ملت اسلامیہ کے اکابر علماء و مشائخ نے زبردست خراج تحسین سے نوازا اور تقاریظ سے اس لاجواب تصنیف کو مزین فرماتے ہوئے آپ کے علم و فضل پر بھی مہر تصدیق ثبت فرمائی جن میں مولانا شاہ احمد رضا خاں صاحب بریلوی کا اسم گرامی بھی شامل ہے

ناموسِ رسالت پر جب حملہ ہوا تو قاضی صاحب کا راہوارِ قلم ردِّ مرزائیت[1] میں خوب چلا۔ ۱۸۹۸ء مطابق ۱۳۱۶ھ میں آپ نے مرزا قادیانی کی کتاب ازالۃ الاوہام کے رد میں "کلمۂ فضل رحمانی بجواب اوہام غلام احمد قادیانی" تصنیف فرمائی جو علمائے کرام کی تصدیق و تقاریظ کے ساتھ ۱۸۹۸ء میں لاہور سے شائع ہوئی۔ اس کے بعد بھی قادیانی کذاب کے رد میں آپ برابر لکھتے رہے اور درج ذیل کتابیں آپ کے رشحات قلم کی یادگار ہیں :

---

[1] فضل الوحید مطبوعہ سراج دین ۱۹۳۵ء ص ۲۷۶ مصنفہ قاضی صاحب

(۲) نیام ذوالفقار علی برگردن خاطی مرزائی فرزند علی مطبوعہ ۱۳۳۹ھ لاہور۔

(۳) جمعیت خاطر، غلام رسول انسپکٹر پولیس مرزائی سے تحریری بحث مطبوعہ ۱۳۳۳ھ - لاہور

(۴) کیا مرزا قادیانی مسلمان تھا؟ جناب ہرگز نہیں۔ غیر مطبوعہ ۱۳۳۷ھ

(۵) تردید فتویٰ ابوالکلام آزاد و مولوی محمد علی مرزائی مطبوعہ ۱۳۴۲ھ (سورت)

(۶) مخزن رحمت بردِ قادیانی دعوت مطبوعہ ۱۳۴۵ھ (لدھیانہ)

مولانا ابوالفضل محمد کرم الدین دبیر

مولانا ابوالفضل محمد کرم الدین صاحب دبیر (م ۱۳۶۵ھ) پنجاب کے ان نامور علماء میں سے ہیں جنہوں نے ردِ مرزائیت میں نمایاں کردار انجام دیا۔ ضلع جہلم کی ایک غیر معروف بستی موضع بھیں آپ کے مولد و مسکن کے باعث دُور دور تک مشہور ہوئی۔ جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء کے وقت آپ کی عمر چار پانچ سال کے لگ بھگ بتائی جاتی ہے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی پھر لاہور اور امرتسر کے مختلف مدارس سے علوم و فنون کی تکمیل کر کے اپنے گاؤں میں درس و تدریس کا سلسلہ قائم کیا۔ سیال شریف میں حضرت خواجہ محمد الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کا شرف حاصل تھا۔ نہایت ذکی، سلیم الطبع، وجیہہ، بلند قامت، مضبوط جسامت، وسیع القلب اور حاضر جواب تھے۔

مرزا قادیانی نے جب اپنے باطل دعاوی کا سلسلہ شروع کیا تو مولانا اس فتنہ کی سرکوبی کے لیے میدانِ عمل میں کُود پڑے۔ آپ کے دستِ راست مولانا فقیر محمد صاحب جہلمی رحمۃ اللہ علیہ نے ان دنوں جہلم سے ہفتہ وار پرچہ "سراج الاخبار" جاری کر رکھا تھا۔ انہوں نے سراج الاخبار کو ردِ قادیانیت کے لیے وقف فرماتے ہوئے مولانا محمد کرم الدین صاحب کو اس کا ایڈیٹر مقرر کر دیا اور قادیانی کذّاب کا نہایت مدلّل اور ٹھوس مضامین سے تعاقب شروع فرمایا۔ جس کی تاب نہ لاتے ہوئے مرزا اور اس کے حواری اوچھے ہتھکنڈوں پر اتر آئے اور خفت مٹانے کے لیے اپنی پُشت پناہ گورنمنٹ برطانیہ کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ آپ کی ناقابلِ جواب تحریرات کو بہانہ بنا کر مقدمات کی ابتداء کر دی۔ پہلا مقدمہ[1] مرزا کے حواری حکیم فضل دین بھیروی کی طرف سے ۱۴ نومبر ۱۹۰۲ء کو زیرِ دفعہ ۴۱۷ تعزیرات ہند گورداسپور میں دائر ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے مولانا ابوالفضل کو اس مقدمہ میں باعزت طور پر بری فرمایا حالانکہ اس مقدمہ کی نسبت مرزا قادیانی نے اپنی فتح کے الہامات متواتر شائع کیے تھے۔

دوسرا مقدمہ[2] بھی حکیم فضل دین بھیروی ہی نے ۲۹ جون ۱۹۰۳ء کو مولانا کے خلاف گورداسپور میں دائر کیا۔ اس میں بھی آپ کامیابی سے ہمکنار ہوئے اور مرزائیوں کی خوب گت بنی اور مقدمہ خارج ہو گیا۔ پھر تیسرا مقدمہ شیخ یعقوب علی تراب ایڈیٹر اخبار الحکم قادیان کی طرف سے مولانا ابوالفضل اور مولانا فقیر محمد صاحب جہلمی کے خلاف دائر ہوا جس میں ہر دو مستغاثہ علیہما پر ۴۵ روپے جرمانہ ہوا جو ادا کر دیا گیا، اس لیے کہ حقیر سی رقم کی خاطر اپیل کرنا غیر مناسب تھا۔ ۱۷ جنوری ۱۹۰۳ء کو جہلم میں مرزا کی مطبوعہ کتاب مواہب الرحمٰن تقسیم کی گئی جس میں مولانا ابوالفضل کے خلاف سخت توہین آمیز کلمات استعمال کیے گئے تھے۔ چونکہ مقدمات کی ابتداء مرزائیوں کی طرف سے

---

[1] تازیانہ عبرت مصنفہ مولانا ابوالفضل صاحب دبیر، مطبوعہ مسلم پرنٹنگ پریس لاہور صہ ۳۵۔ آفتاب ہدایت مصنفہ مولانا ابوالفضل صاحب دبیر، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ چکوال صہ ۱

[2] تازیانہ عبرت صہ ۳۷ تا ۴۱

[3] مہر منیر، مولانا فیض احمد فیض گولڑہ شریف صہ ۲۵۳

ہو چکی تھی، اس لیے مولانا ابوالفضل نے بھی مرزا غلام احمد قادیانی اور حکیم فضل دین بھیروی کے خلاف استغاثہ دائر کر دیا اور یہ مقدمہ[1] حق و باطل کے درمیان عظیم الشان معرکہ کی صورت اختیار کر گیا، اہل حق کی طرف سے شہادت میں بڑے بڑے فضلائے کرام پیش ہو رہے تھے اور فریق مخالف کیطرف سے حکیم نورالدین بھیروی، خواجہ کمال الدین لاہوری اور اسکے حواری ایڑی چوٹی کا زور لگاتے رہے، روپیہ پانی کی طرح بہایا۔ الہامات کے ذریعے اپنے حواریوں کی حوصلہ افزائی کی گئی مگر یہ سب حربے مٹی کے گھروندے ثابت ہوئے اور مقدمہ مرزا کے لیے سوہانِ روح بن گیا۔ مولانا ابوالفضل نہایت استقلال اور ثابت قدمی سے مقابلہ کرتے رہے، عدالت میں جرح کے دوران کئی کئی گھنٹے اتنی زبردست تقریریں کیں کہ مخالفین تلملا اُٹھے۔ خواجہ کمال الدین وکیل مرزا بے ساختہ پکار اٹھا کہ مولانا محمد کرم الدین کے دلائل کا جواب نہیں۔ مقابلہ میں مرزا صاحب کو عدالت میں دو لفظ بولنے کی بھی جرأت نہ ہوگی۔ بلکہ چھ چھ گھنٹے مرزا غلام احمد کو مجرموں کے کٹہرے میں دست بستہ کھڑا ہونا پڑا۔ اس مقدمہ کا پُر لطف پہلو یہ بھی ہے کہ مرزا اپنی ناکامی کو دیکھتے ہوئے اتنا مرعوب ہوا کہ عدالت میں جب پیشی کی تاریخ ہوتی تو بیماری کا سرٹیفکیٹ بھیج دیا کرتا۔ تقریباً دو سال تک یہ تاریخی مقدمہ چلتا رہا۔ آخر ۸ اکتوبر ۱۹۰۴ء کو گورداسپور کی عدالت سے مرزا کو پانچ صد روپے جرمانہ، عدم ادائیگی کی صورت میں چھ ماہ قید محض کی سزا ہوئی جب کہ اس کے حواری حکیم فضل دین کو دو صد روپے جرمانہ یا پانچ ماہ قید کی سزا سنائی گئی۔ اس مقدمہ میں مرزا قادیانی اور اس کے حواریوں کو عبرتناک شکست اور سخت ذلّت کا سامنا کرنا پڑا۔ نیز اس مقدمہ کے بارے بھی الہام مرزا کی خوب مٹی پلید ہوئی۔ اور مولانا ابوالفضل کو اللہ تعالےٰ نے اپنے فضل و کرم سے خوب خوب نوازا۔

ان مقدمات کے علاوہ آپ نے مرزائیت کے خلاف مناظرے فرمائے۔ فنِ مناظرہ میں آپ نے خاصی شہرت پائی۔ مرزا قادیانی کے بعد مولوی اللہ دتہ وغیرہ مرزائی مناظرین سے مناظرے ہوئے اور ہر مرتبہ شکست فاش دی اور ایسا کیوں نہ ہوتا جب کہ خود مرزا غلام احمد جو اس مشن کا بانی تھا اسے آپ نے پے در پے شکستوں سے دوچار کر دیا تھا۔ اس کے متبعین کی کیا مجال تھی کہ آپ سے بازی لے جاتے۔ الغرض مرزائیوں کو ہر میدان میں آپ سے ذلّت کا سامنا نصیب ہوا۔ ردِّ مرزائیت کے سلسلہ میں آپ کی تصانیف میں سے "مرزائیت کا جال" اور "تازیانۂ عبرت" قابلِ دید ہیں۔

علامہ محمد حسن صاحب فیضی

مولانا علامہ ابوالفیض محمد حسن صاحب فیضی (م ۱۹۰۱ء) مولانا ابوالفضل محمد کرم الدین صاحب دبیرؔ کے چچازاد بھائی تھے۔ ادب عربی کے ماہر، نظم میں ممتاز، بے نقط عربی قصائد لکھنے میں انہوں نے شہرتِ دوام حاصل کی، مدرسہ انجمن نعمانیہ لاہور میں کئی سال تک مسند درس و تدریس پر جلوہ گر رہے۔ حضرت پیر سید مہر علی شاہ صاحب سے بیعت کا شرف حاصل تھا۔ مولانا غلام احمد صاحب پرنسپل مدرسہ نعمانیہ کے ارشد تلامذہ میں شمار ہوئے، مرزا غلام احمد قادیانی کے فتنہ کے استیصال میں آپ نے اپنی خداداد صلاحیتوں کے جوہر دکھائے۔

۱۳ فروری ۱۸۹۹ء کا واقعہ ہے کہ علامہ فیضی صاحب

---

[1] تازیانہ عبرت ص ۴۲۔ آفتاب ہدایت ص ۱۸۔ مہر منیر از مولانا فیض احمد فیض گولڑہ شریف ص ۲۵۳۔

ایک غیر منقوط عربی قصیدہ لکھ کر مرزا قادیانی کے پاس سیالکوٹ پہنچے، مسجد حکیم حسام الدین صاحب میں مرزا اپنے ممتاز حواریوں کے جلو میں بیٹھا ڈینگیں مار رہا تھا کہ یہ شیرِ نر دھاڑتا ہُوا جا پہنچا اور للکار کر فرمایا، تمہیں الہام کا دعویٰ ہے تو مجھے تصدیقِ الہام کے لیے یہی کافی ہے کہ اس قصیدہ کا مطلب حاضرینِ مجلس کو واضح سنا دیں۔ مرزا صاحب اس قصیدہ کو چپکے چپکے دیکھتے رہے، لیکن اس کی عبارت بھی نہ سمجھ سکے حالانکہ نہایت خوشخط عربی رسم الخط میں لکھا تھا، پھر اپنے ایک حواری کو دیا۔ اس نے یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ ہم کو تو اس کا پتہ ہی نہیں چلتا۔ آپ ترجمہ کر کے دیں۔ علامہ صاحب نے اپنا قصیدہ واپس لے لیا اور زبانی گفتگو شروع فرما دی۔ مرزا پر ایسا رعب طاری ہوا کہ ع

نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن

آخر پکار اُٹھا: "مَیں نبی نہیں نہ رسول ہوں، نہ مَیں نے دعویٰ کیا، فرشتوں کو، لیلۃ القدر کو، معراج کو، احادیث اور قرآن کریم کو مانتا ہوں، مزید ازاں عقائد اسلامیہ کا اقرار کرتا ہوں۔"

دوسرے روز یعنی ۱۴ فروری ۱۸۹۹ء کو علامہ فیضی صاحب نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کی نسبت دلیل مانگی۔ تو متنبیٔ قادیان کی ساری عربی دانی کی ہوا نکل گئی۔ اس گفتگو کے بعد آپ نے مولانا فقیر محمد صاحب جہلمی کے ہفتہ وار پرچہ "سراج الاخبار" میں ۹ مئی ۱۸۹۹ء کو بے نقط قصیدہ کے بارے میں جو مرزا غلام احمد قادیانی سے بات چیت ہوئی تھی مشتہر کرائی اور ساتھ ہی مرزا صاحب کو مناظرہ کا چیلنج دیتے ہوئے اعلان فرمایا:

"مَیں مرزا صاحب کو اشتہار دیتا ہوں کہ اگر وہ اپنے عقیدہ میں سچے ہوں تو آئیں، صدر جہلم میں کسی مقام پر مجھ سے مباحثہ کریں، مَیں حاضر ہوں، تحریری کریں یا تقریری، اگر تحریر میں ہو تو نثر میں کریں یا نظم میں، عربی ہو یا فارسی یا اُردو۔ آیئے، سُنیئے اور سنایئے۔"[1]

سراج الاخبار میں مذکورہ اشتہار سے پہلے آپ نے وہ بے نقط قصیدۂ عربی فروری ۱۸۹۹ء میں ہی رسالہ انجمن نعمانیہ لاہور میں بھی مشتہر کرایا اور آخر میں نوٹ لکھا:

"اب بھی ہم دیکھنا چاہتے ہیں کہ مرزا صاحب اس قصیدہ کا جواب اس صنعت کے عربی قصیدہ کے ذریعے ایک ماہ تک لکھنے کی طاقت رکھتے ہیں یا نہیں۔ ہر دو قصائد کا موازنہ پبلک خود کرے گی، لیکن تہذیب و متانت سے جواب دیا جائے۔"[2]

اور جب مرزا قادیانی نے ۲۰ اور ۲۲ جولائی ۱۹۰۰ء کے مطبوعہ اشتہار کے ذریعہ حضرت قبلہ عالم پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی علیہ الرحمہ اور دیگر علماء کو دعوت دی کہ لاہور آ کر میرے ساتھ بپابندیٔ شرائط مخصوصہ فصیح و بلیغ عربی میں قرآن کریم کی چالیس آیات یا اس قدر سورہ کی تفسیر لکھیں، فریقین کو سات گھنٹے سے زیادہ وقت نہ ملے اور ہر دو تحریرات ۲۰ اوراق سے کم نہ ہوں اور ان تحریرات کو تین غیر جانبدار علماء ملاحظہ کر کے حلفاً فیصلہ کریں۔ جس کی تحریر فصیح و بلیغ ہوگی وہ سچا اور دوسرا جھوٹا" الخ....

آپ نے اس اشتہار کے شائع ہوتے ہی ۱۳ اگست ۱۹۰۰ء کو سراج الاخبار صـ۶ پر اشتہار دیتے ہوئے مرزا صاحب

---

[1] سراج الاخبار جہلم شمارہ ۹ مئی ۱۸۹۹ء بحوالہ تازیانہ عبرت صـ۴۶

[2] تازیانہ عبرت صـ۴۸ (نوٹ، جو صاحب ذوق اس مبارک قصیدہ کو دیکھنا چاہیں وہ تازیانہ عبرت صـ۴۷، ۴۸ ملاحظہ فرمائیں)

مرزا قادیانی

۱۸۵۷ء کی تحریک آزادی کے بارے میں لکھتے ہیں:

"ان لوگوں (مسلمانوں) نے چوروں، قزاقوں اور حرامیوں کی طرح اپنی محسن گورنمنٹ (برطانیہ) پر حملہ کرنا شروع کیا اور اس کا نام جہاد رکھا۔" (حاشیہ ازالہ اوہام ص ۲۲)

کو چیلنج کیا:

"اگر تمہیں عربی لکھنے کی طاقت ہے تو جہاں مجھے بلائیں مقابلہ کے لیے حاضر ہوں، آپ کے ساتھ ہر ایک مناسب شرط پر عربی نظم و نثر لکھنے کو تیار ہوں، تاریخ کا تقرر کر دیجیے اور مجھے اطلاع کر دیجیے کہ میں اپنے آپ کو حاضر کروں مگر یاد رہے کہ کسی طرح بھی عربی نویسی کو مجددیت یا نبوت کا معیار تسلیم نہیں کیا گیا۔"

اس چیلنج کا جواب بھی مرزا کی طرف سے فیضی مرحوم کی زندگی میں ہرگز نہ ملا، نہ مرزا کو طاقتِ مقابلہ ہوئی۔

مولانا فیض احمد گولڑوی مہرِ منیر میں رقمطراز ہیں کہ

"جب مرزا صاحب نے حضرت قبلۂ عالم کو تفسیر نویسی کا چیلنج دیا تو مولوی فیضی نے ان کی علمیت سے واقفیت کے باعث ایک مطبوعہ اشتہار کے ذریعہ مرزا صاحب کو جواباً چیلنج کیا کہ حضرت پیر صاحب کی ذاتِ گرامی تو بہت بلند ہے پہلے آپ میرے ساتھ اپنی ہی تمام شرائط پر تفسیر نویسی کا مقابلہ کر لیجیے، اس اشتہار میں انہوں نے بعض باتیں بہت پتے کی لکھیں۔"

حضرت قبلۂ عالم پیر مہر علی شاہ صاحبؒ مرزا کا چیلنج قبول فرماتے ہوئے سینکڑوں، علماء، فقراء، ہزاروں مریدین اور عقیدت مندوں کے ساتھ ۲۴ اگست ۱۹۰۰ء کو لاہور جلوہ افروز ہوئے۔ مرزا کی طرف سے مقابلہ کا دعوت ۲۵ اگست ۱۹۰۰ء تھا۔ مگر اس نے نہ آنا تھا اور نہ آیا۔ آخر ۲۷ اگست ۱۹۰۰ء کو شاہی مسجد لاہور میں حضرت قبلۂ عالم پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑویؒ کی صدارت میں تاریخی جلسہ منعقد ہوا۔ سب سے پہلے حضرت مولانا ابوالفیض محمد حسن علی صاحب فیضی نے دوبارہ غرضِ انعقادِ جلسہ اور کارروائی مباحثہ، ایک تحریر پڑھی اور آخر ایک معرکہ آرا تقریر میں فرمایا کہ "اس سے پہلے بھی دنیا میں مرزا جیسے بلکہ اس سے بڑھ کر بہت سے جھوٹے نبی، مسیح، مہدی بننے کا دعویٰ کرنے والے پیدا ہو کر اور اپنے کیفرِ کردار کو پہنچ کر حرفِ غلط کی طرح صفحۂ ہستی سے مٹ چکے ہیں، مرزا کا بھی یہی حشر ہوگا۔"[1]

القصہ اس شیر دل فاضل شعلہ نوا خطیب، بے نظیر ادیب عدیم المثال مناظرِ اسلام نے اپنی زندگی کو ردِ مرزائیت کے لیے وقف کر دیا۔ مرزا کو مقابلے کے لیے چیلنج پر چیلنج دیئے اور اس کی ناک میں دم کر دیا۔ مرزا کو زندگی میں مقابلہ کی جرأت تک نہ ہوئی۔ آخر یہ بیباک اور نڈر سپاہی جوانی کے عالم میں ۱۷ اکتوبر ۱۹۰۱ء کو اس دارِ فانی سے راہ گزارِ عالمِ جاودانی ہوا۔[2] مرزا نے حسبِ عادت مرحوم کی وفات کو بھی اپنی صداقت کا ایک نشان بنا لیا۔ مگر مرزا کی یہی پیشگوئیاں اس کے گلے کا ہار بن گئیں اور مولانا محمد کرم الدین صاحب دبیر کے مقدمہ میں مجسٹریٹ کے سامنے اُن سے صاف انکار کر دیا۔[3]

---

[1] مہرِ منیر ص ۲۳۶ و تازیانۂ عبرت ص ۵۰ تا ۵۶

[2] تازیانۂ عبرت ص ۵۴

[3] آفتابِ ہدایت ص ۱۷ و تازیانۂ عبرت ص ۴۳)

مولانا نواب الدین رمدائی کی خدمات

ایک تاریخی غلطی کا ازالہ

مرزا غلام احمد قادیانی کے ردّ و ابطال کے سلسلے میں علما و مشائخ کی خدمات بڑی وقیع ہیں۔ اگر انہیں منضبط کیا جائے تو یہ تاریخی سرمایہ بڑا مفید ثابت ہوگا۔ ہمیں اپنے اسلاف کے ولولہ انگیز کارناموں سے نئی زندگی ملے گی اور ہماری علمی بصیرت میں بھی بے پناہ اضافہ ہوگا۔

انگریز کے عہد میں قرآنِ حکیم کو تحریفِ معنوی سے بچانے کے لیے جن بزرگوں نے انتھک کوششیں کیں، وہ یہی لوگ تھے۔

صوفیاء کو ہم دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ ایک وہ جو کھل کر سامنے آ گئے، اور ایک طبقہ وہ تھا جس نے پس منظر میں رہ کر خدمات سرانجام دیں۔ اس طبقے کی حیثیت وہی تھی جو فوج کے ایک اعلےٰ افسر کی ہوتی ہے جو پس منظر میں رہ کر اپنے سپاہیوں کو ہدایات دیتا ہے اور ان کی نقل و حرکت پر گہری نظر رکھتا ہے۔ اس نوع کے بزرگوں میں یوں تو تمام صوفیائے کرام شامل ہیں، لیکن خصوصیت سے اس سلسلے میں حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی اور صوفی محمد حسین صاحب مراد آبادی کا نام لیا جا سکتا ہے۔ حاجی صاحب نے حضرت پیر سید مہر علی شاہؒ صاحب کو یہ کہہ کر حجازِ مقدس کی اقامت سے باز رکھا تھا کہ ہندوستان میں ایک فتنہ پیدا ہونیوالا ہے جس کا استیصال آپ کے ہاتھوں ہوگا اور حضرت صوفی صاحب نے اپنے نامور خلیفہ خواجہ سراج الحق صاحب کرنالوی کو بنفسِ نفیس مراد آباد سے تشریف لا کر گورداسپور بٹھایا تھا اور حضرت خواجہ نے یہیں سے تبلیغ کا آغاز کیا۔

مرزا نے جب سنسنی خیز پیش گوئیوں کے ذریعے عوام کو اپنی طرف متوجہ کرنا شروع کیا، تو حضرت خواجہ نے علماء و صوفیا کی جماعت لے کر قادیان کے گرد ایک تبلیغی حصار قائم کر دیا۔ دیہات کے لوگ مرزا سے

> حسبِ ارشاد مضمون بھیج رہا ہوں، یہ چونکہ ایک ہی نشست میں لکھوایا ہے اور محض حافظے سے کام لیا گیا ہے، اس لیے اسے بغور دیکھ لیجئے۔ مجھے زیادہ غور و فکر کا موقع نہیں مل سکا۔ تاہم ضروری باتیں آ گئی ہیں جن سے مؤرخ کو کافی مواد مل سکتا ہے۔ اپنے دو شعر بے اختیار یاد آ گئے ہیں، انہیں نمبر میں شائع کر دیجئے ؎
>
> ختم ہے سلسلۂ وحی و نزولِ جبریلؑ
> کوئی پیغام نہ آیا ترے پیغام کے بعد
> بعثتِ خواجہؐ ہوئی بعدِ رسولانِ کرام
> صفیں ہو جائیں مکمل تو امام آتا ہے
>
> مظہر الدین

واقف تھے مرزا کی کریہہ صورت میں اُن کے لیے کوئی جاذبیت کشش نہ تھی۔ جب وہ خواجہ سراج الحق کرناوی کی صورت میں نُور کے ایک پیکر کو اپنی نگاہوں کے سامنے دیکھتے تو ان کے لیے حق و باطل میں امتیاز کرنا مشکل نہ رہتا۔ وہ حضرت کی بیعت کر لیتے۔ حضرت خواجہ نے کوئی دس بارہ افراد کو خلعتِ خلافت سے سرفراز فرما کر تبلیغ کا کام سونپ دیا۔ یہ علما و صوفیا اسی علاقے کے رہنے والے تھے۔ میرے والدِ ماجد مولانا نواب الدین صاحب قصبہ رمداس ضلع امرتسر کے تھے۔ والد صاحب چونکہ حضرت کے خلیفۂ اعظم تھے اور غیر معمولی اوصاف و کمالات کے حامل۔ اس لیے انہیں قادیان کے خطرناک محاذ "ستکوہا" پر متعین کیا گیا جو قادیان سے تین کوس کے فاصلے پر تھا اور بٹالہ سے اگلے سٹیشن "چھینا" سے اتر کر قادیان جانے والوں کی رہگزر میں ایک اہم مقام کی حیثیت رکھتا تھا۔

تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد جب والد صاحب قادیان پر حملہ آور ہوتے تو تیزی سے دیہات میں یہ خبر پھیل جاتی کہ مولوی صاحب مرزا سے مناظرہ کرنے جا رہے ہیں اور دیہاتی عوام اپنے ہل چھوڑ کر ساتھ ہو جاتے۔ یہ واقعہ میری پیدائش سے چند سال پہلے کا ہے۔ مرزا غلام احمد اور حکیم نورالدین سے گفتگو کا سلسلہ صرف علمی مباحث تک ہی محدود نہ رہتا بلکہ والد صاحب اسے شدید مطعون بھی کرتے۔ یہ خبریں تو مجھ تک عینی شاہدوں کے ذریعے بکثرت پہنچی ہیں کہ مرزا غلام احمد دق ہو کر عجز و انکسار کی راہ اختیار کر لیتا اور اپنے دعووں کی تاویلیں کرنے لگتا۔ مرزا کی موت کے بعد مناظروں کا دور شروع ہوا، تو والد صاحب پنجاب کے عظیم مناظر ہونے کی حیثیت سے ان کا مقابلہ کرنے لگے۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ ان کے مناظروں کی تعداد کتنی ہے؟ سینکڑوں یا ہزاروں۔ بہر حال مناظروں میں زبانی کلامی ہی باتیں نہ ہوتی تھیں، بلکہ جہادِ فی سبیل اللہ کا آغاز بھی ہو جاتا تھا۔ بہت کم مناظرے ایسے ہوئے ہوں گے جن میں والد صاحب نے اپنے چھ سات فٹ کے لٹھ کا استعمال نہ کیا ہو۔

غالباً ۱۹۲۹ء کا واقعہ ہے کہ پاکپتن شریف کی درگاہ میں والد صاحب سے جو مناظرہ ہوا تھا، اس میں والد صاحب نے لٹھ سے کام نہ لیا تھا۔ شاید یہ اس لیے کہ یہ اُن کے پیر و مرشد کی درگاہ تھی۔ اُس وقت پاکپتن شریف کی جامع مسجد کے خطیب ایک متبحر عالمِ دین مولانا عبدالحق صاحب تھے جو یہیں کے ایک زمیندار بھی تھے۔ مرزائیوں سے شرائطِ مناظرہ طے کرنے کے لیے مولانا تشریف لے جانے لگے تو میں بھی ان کے ساتھ ہو گیا۔ مرزائی بڑے کرّ و فر کے ساتھ آئے تھے۔ مَیں اُن کی کتابوں کے انبار اور اُن کا کرّ و فر دیکھ کر مرعوب ہو گیا۔ دل میں یہ خیال گزرنے لگا کہ میرے والد صاحب کے پاس تو کوئی کتاب نہیں، وہ کیسے مناظرہ کریں گے! چنانچہ جب میں نے اپنے اس تأثر کا والد صاحب سے اظہار کیا تو وہ ہنس پڑے اور مولانا عبدالحق صاحب سے فرمانے لگے کہ دیکھو! مظہر کیا کہہ رہا ہے۔ پھر مولانا سے فرمایا۔ اس لڑکے کو سمجھاؤ کہ مناظرہ کتابوں سے نہیں، تائیدِ ربّانی سے ہوتا ہے اور الحمدللہ یہ ہمیشہ میرے شاملِ حال رہی ہے، مَیں نے زندگی میں اربابِ باطل سے تمام مناظرے کتاب کے بغیر کیے ہیں۔

یہاں یہ ذکر بھی خالی از دلچسپی نہ ہو گا کہ مرزائیوں نے عام دستور کے خلاف پاک پتن شریف کے مناظرے میں والدِ ماجد کے مقابلے کے لیے کہن سال اور گرگانِ باران دیدہ کی بجائے نوجوان مناظروں کو بھیجا جو والدِ ماجد کے تبحرِ علمی، زورِ خطابت، شخصیت، ذہانت و فطانت اور شجاعت و بہادری سے قطعی طور پر ناآشنا تھے۔ ان نوجوانوں کے سرخیل تین مناظروں کا نام تو مجھے اب تک یاد ہے۔ جلال الدین شمس، عبدالرحمٰن اور سلیم۔

الحمد للہ اسی مناظرے میں ۳۰ آدمیوں نے مرزائیت سے توبہ کی اور والد صاحب کے حلقۂ ارادت میں شامل ہو گئے۔

محمدی بیگم کے قصبہ "پٹی" میں جب والد صاحب کا مناظرہ ہوا تو فریقِ مخالف آنکھ ملا کر بات کرنے سے گریز کر رہا تھا۔ والد ماجد نے متعدد بار کڑک کر کہا کہ ادھر دیکھو! لیکن وہ آنکھ چرا رہا تھا۔ سٹیج پر بیٹھے ہوئے بعض لوگوں نے کہا کہ حضرت! ان لوگوں کا خیال ہے کہ آپ جادوگر ہیں اور آپ کی آنکھوں میں سحر ہے۔ یہ سُن کر والد صاحب ہنس پڑے اور اپنے مخصوص انداز میں فرمایا:

تُم نے جادوگر اسے کیوں کہہ دیا
دہلوی ہے داغؔ بنگالی نہیں

ضمناً یہ بات بھی سُن لیجیے جو میں نے والدِ ماجد کی زبان سے سُنی ہے۔ فرمایا کہ ایک روز قادیان سے گذر ہوا، تو میں نے احباب سے کہا کہ مرزا غلام احمد سے ملے بغیر یہ سفر ناتمام رہے گا، آؤ مرزا سے ملتے چلیں۔ جب میں گیا تو مرزا اور حکیم نورالدین چند لوگوں کے سامنے مثنوی مولانا روم کے اشعار پڑھ رہے تھے، مرزا کی زبان سے مولانا روم کی تعریف و توصیف سُن کر میں نے کہا کہ مولانا روم تو حیاتِ مسیح کے قائل ہیں، فرماتے ہیں۔ ؎

عیسٰے و ادریس چوں ایں راز یافت
بر فرازِ گنبدِ چارم شتافت

عیسٰے و ادریس بر گردوں شدند
زاں کہ از جنسِ ملائک آمدند

مرزا نے جواب دیا کہ یہ ان کی انفرادی رائے ہے۔ میں نے کہا کہ آپ کی رائے انفرادی نہیں؟ یہ اجماعی ہے؟ مرزا نے جھٹ حکیم نورالدین سے کہا کہ بھئی! مولانا کے لیے چائے لاؤ۔ ایک صاحب نے جھٹ پُوچھا کہ حضرت! آپ نے چائے پی؟ فرمایا: "استغفر اللہ! یہ کیسے ممکن تھا۔"

یہاں مجھے بے اختیار ایک واقعہ یاد آگیا اور وہ یہ کہ والد صاحب نے اپنی موت سے ہفتہ عشرہ پہلے مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ مظہر! اللہ کریم مجھے بخش دے گا۔ تھوڑے سے وقفے کے بعد فرمانے لگے کہ اعمال کے باعث نہیں، اعمال کا محاسبہ ہوا تو مجھے جہنم کا کوئی مناسب گوشہ بھی نہیں ملے گا۔ میں نے زندگی میں مرزائیوں کو بہت مارا ہے، اسی لیے اُمید ہے کہ اللہ کریم مجھے بخش دے گا۔

جب مرزا ایک مقدمے میں ماخوذ ہو کر گورداسپور کی کچہری میں آیا تو والد صاحب بھاگم بھاگ کچہری پہنچ گئے اور مرزا کے گرد لوگوں کا حلقہ توڑ کر مرزا کا بازو پکڑ لیا۔ بازو کو ایک شدید جھٹکا دے کر فرمانے لگے کہ مردود! نبوّت اگر جاری ہوتی اور اللہ تعالیٰ اس علاقے میں کوئی نبی بھیجتا تو بتا! کہ مجھ جیسے وجیہہ انسان بھیجتا یا تجھ جیسے بجّو کو؟ یہ سُن کر حاضرین کے انبوہ سے ایک قہقہہ بلند ہوا اور مرزا پر سکتے کا عالم طاری ہو گیا۔ والد صاحب کی روانگی کے وقت ہی خواجہ سراج الحق صاحب کو یہ معلوم ہو گیا تھا کہ مولوی صاحب مرزا سے باتیں کرنے کے لیے گئے ہیں۔ چنانچہ بہت جلد حضرت [illegible] پہنچ گئے اور والد صاحب کو اپنے ساتھ لے آئے۔

میری عمر بہت چھوٹی تھی کہ ہمارے خاندان میں سے ایک خاتون کا رشتہ ایک مرزائی سے ہو گیا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ یہ شخص مرزائی ہے تو والد صاحب کو بہت صدمہ ہوا۔ وہ کہہ رہے تھے کہ کافر سے مسلمان خاتون کا رشتہ جائز نہیں، لیکن میرے ماموں [illegible] ی ابراہیم تحصیلدار جو مشہور ناول نگار نسیم حجازی کے والد تھے، اگرچہ مرزا کے بہت خلاف تھے

اور مرزا کے ردّ میں بالعموم یہی دلیل دیا کرتے تھے کہ میں نے اور مرزا غلام احمد نے سیالکوٹ میں پٹوار کا امتحان دیا، وہ فیل ہو گیا اور میں پاس ہو گیا۔ جو شخص پٹواری نہ بن سکے، وہ فرستادۂ خدا کیسے ہو سکتا ہے؟ مگر وہ کہہ رہے تھے کہ کوئی ایسی صورت ہونی چاہیے کہ ہمارے خاندان کی لڑکی عدالت میں نہ جائے۔ چنانچہ والد صاحب نے یہ کہہ کر موصوفہ سے نکاح کر لیا کہ عدالت کا معاملہ میں خود نپٹ لوں گا۔

مرزائیوں کو جب اس نکاح کی اطلاع ملی تو انہوں نے گورداسپور کی عدالت میں مقدمہ دائر کر دیا۔ یہ مقدمہ سات سال تک جاری رہا۔ انجام کار والد صاحب کو فتح ہوئی اور میری دوسری والدہ مرزا بشیر الدین اور چوہدری ظفر اللہ خاں کی انتہائی سعی و کوشش کے باوجود ایک بار بھی عدالت میں پیش نہ ہو سکیں۔

جب مرزا بشیر الدین بطورِ گواہ عدالت میں آیا، تو ظفر اللہ خان نے یہ مسئلہ کھڑا کر دیا کہ بشیر الدین کو عدالت میں کرسی ملنی چاہیے۔ ادھر سے یہ تقاضا تھا کہ کرسی ملے تو دونوں کو۔ ورنہ دونوں کھڑے رہیں۔ والد صاحب بیٹھنے پر کھڑا رہنے کو ترجیح دے رہے تھے۔ کافی بحث کے بعد یہی فیصلہ ہوا کہ دونوں کھڑے رہیں۔ بشیر الدین اور ظفر اللہ پر والد صاحب کی جرح دیدنی تھی جس کا تھوڑا سا تصور اب بھی میرے ذہن میں محفوظ ہے۔ والد صاحب کہہ رہے تھے کہ برخوردار! تیرے والد کو حیض آتا تھا؟ اور ظفر اللہ بٹ بٹا رہا تھا۔ مختصر یہ کہ تنسیخِ نکاح کا یہ پہلا مقدمہ تھا جو والد صاحب نے جیتا۔ مقدمہ بہاولپور بہت بعد کی بات ہے۔

تحریکِ ختمِ نبوت کے دوران تنسیخِ نکاح کے سلسلے میں جتنی تحریریں میرے سامنے آئی ہیں، ان میں کہیں بھی یہ مذکور نہیں کہ تنسیخِ نکاح کا پہلا مقدمہ مولانا نواب الدین گنگوہی نے جیتا تھا۔ حالانکہ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے۔

یہاں میں ایک ضروری بات کہنا چاہتا ہوں اور وہ یہ کہ جب مرزا غلام احمد قادیانی نے محمدی بیگم سے اپنے آسمان پر نکاح ہونے کا دعویٰ کیا تو والد صاحب محمدی بیگم کے قصبہ "پٹی" پہنچ گئے۔ یہاں پہنچ کر انہوں نے اپنی سحر بیانی اور روحانی قوت سے "پٹی" کے مغلوں کو اپنے حلقۂ ارادت میں شامل کر لیا۔ محمدی بیگم کا خاندان والد صاحب کا مرید ہو گیا۔ یوں مرزا غلام احمد کا آسمانی نکاح زمین پر نہ ہو سکا۔ یہ والد صاحب کا مرزا پر سیاسی حملہ تھا۔ پٹی میں والد صاحب کے ورودِ مسعود کی داستان ان کے ایک مرید مشہور صحافی اور شاعر حاجی لق لق مرحوم کے قلم سے چند سال پیشتر ہفت روزہ چٹان میں چھپ چکی ہے۔

آج سے تقریباً نصف صدی پیشتر کے اسلامی اجتماعات کے اشتہارات کو اگر دیکھا جائے تو ان میں والدِ ماجد کے نام کے ساتھ فاتح قادیان کے الفاظ ملیں گے۔ یہ خطاب علمائے اسلام نے والد صاحب کو اسی لیے دیا تھا کہ انہوں نے تنسیخ نکاح کا پہلا مقدمہ جیتا تھا۔ ورنہ مناظر تو اس عہد میں اور بھی تھے۔

غالباً ۱۹۲۵ء کا واقعہ ہے کہ مرزائیوں نے ریاست جموں و کشمیر کو اپنی تخریبی سرگرمیوں کی آماجگاہ بنا لیا؛ چنانچہ حضرت پیر جماعت علی شاہ صاحب نے اس فتنے کے سدِّباب کے لیے جموں میں ایک تبلیغی کانفرنس منعقد کی اور مشاہیر علمائے اسلام کو دعوت نامے بھیجے۔ ان میں والد صاحب کا نام بھی تھا۔ یہ وہ عہد تھا کہ والد صاحب اپنے آبائی وطن ریداس ضلع امرتسر میں تشریف لا چکے تھے۔ اس وقت ہمارا عظیم الشان مکان زیرِ تعمیر تھا اور والد صاحب کی ساری توجہ مکان کی تعمیر پر مرکوز تھی۔ اسی دوران میں حضرت امیر ملت

کا دعوت نامہ آگیا اور والد صاحب تمام کام چھوڑ کر جموں روانہ ہوگئے۔ روانگی کے وقت مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ تم بھی چلو گے! لیکن اس عہدِ طفولیت میں میری تمام تر توجہ اپنے کبوتروں پر مرکوز تھی۔ مَیں نے جواب دینے میں ذرا تامل کیا تو مسکرا کر فرمانے لگے کہ تیرے کبوتروں کی حفاظت کے لیے میں خاص آدمی مقرر کر دیتا ہوں۔ جموں میں مَیں مرزائیوں کو جو پٹخنیاں دوں گا وہ تیرے کبوتروں کی قلابازیوں سے بہتر ہوں گی۔ مزا نہ آیا تو کسی کے ساتھ واپس بھیج دوں گا۔ یہ سُن کر میں ہنس پڑا اور ساتھ جانے کے لیے تیار ہوگیا۔ اس منظر کو دیکھنے والے لوگ ابھی تک بقیدِ حیات ہیں۔

کانفرنس میں زیادہ تر والد ماجد ہی کی تقریریں ہوتی تھیں۔ اس معرکے سے خوش ہو کر حضرت پیر جماعت علی شاہ صاحب والد صاحب کو اپنے ساتھ علی پور لے گئے۔ علی پور میں والد صاحب کا قیام طویل سے طویل تر ہوتا گیا۔ ہر روز رات کو والد صاحب کی تقریر ہوتی تھی اور دن علمی و عرفانی باتوں میں گزرتا تھا۔ ایک بچے کے لیے ایسے ماحول میں زیادہ دیر ٹھہرنا مشکل ہوتا ہے؛ چنانچہ میں گاؤں میں گھومنے پھرنے لگا، بلکہ حضرت امیرِ ملت خود فرما دیتے کہ مظہر! جاؤ مسجد، مدرسہ اور تہ خانے دیکھ آؤ! ایک روز میں واپس آیا، تو حضرت نے فرمایا کہ مسجد اور مدرسہ پسند آیا؟ میں نے اثبات میں جواب دیا، تو فرمانے لگے کہ بس تعلیم کے لیے یہیں آجاؤ۔ مختصر یہ کہ یہیں سے صاحبزادگان سے تعلقات کی ابتدا ہوئی۔

کچھ زیادہ مدت نہ گزری تھی کہ مرزائیوں نے حضرت پیر جماعت علی شاہ صاحب، مولانا دیدار علی شاہ صاحب اور والدِ ماجد کا جموں و کشمیر میں داخلہ قانوناً رکوا دیا۔ اس سے عوام نے اور بھی خوشگوار اثر لیا۔ وہ سمجھنے لگے کہ مرزائی، مسلمان علما کی تاب نہیں لا سکتے۔

میرے عنفوانِ شباب میں والد صاحب کے مرزائیوں سے جو مناظرے ہوئے انہی کا یہ نتیجہ تھا کہ مجھے تمام سوالات و جوابات یاد ہوگئے جنہیں میں نے قلم بند کر کے خاتم المرسلین کے نام سے شائع کر دیا۔ یہ میری پہلی تصنیف تھی جس پر استادِ محترم ابوالبرکات سید احمد صاحب، والد ماجد اور مولانا مرتضےٰ احمد خاں میکش نے تقریظیں لکھیں۔ میرے سنِ بلوغ کو پہنچنے کے بعد والد صاحب کے جو مناظرے ہوئے ان کی علمی باتیں اب تک میرے حافظے میں محفوظ ہیں۔ خدا نے چاہا تو سب باتیں کبھی ضیائے حرم میں لکھوں گا۔

جن نفوسِ قدسیہ نے تبلیغِ حق کے اس سلسلہ میں حضرت خواجہ سراج الحق صاحب اور والدِ ماجد کا ساتھ دیا۔ جی تو یہی چاہتا ہے کہ ان کا تذکرہ بھی کروں، لیکن ان کی فہرست بڑی طویل ہے۔ مختصر طور پر یہی کہہ سکتا ہوں کہ حضرت خواجہ کے ساتھ درویشوں کی ایک جماعت ہوتی تھی جنہیں دیکھ کر یہ گمان گزرنے لگتا تھا کہ سلف صالحین کی کوئی جماعت قبروں سے نکل آئی ہے۔ دراز قامت چہرے درخشندہ۔ طویل ڈاڑھی۔ مو دراز۔ ہاتھ میں لمبا عصا اور تسبیح اور رنگین لباس میں ملبوس، قدسیوں کی اس جماعت کے ساتھ حضرت خواجہ کسی گاؤں میں پہنچتے تو لوگ جمع ہو جاتے۔ غایت درجہ عقیدت و محبت کا اظہار کرنے لگتے اور دعاؤں اور تعویذات کا سلسلہ شروع ہو جاتا۔ نمازِ تہجد کے بعد حضرت خواجہ ذکرِ جہر فرماتے، تو سامعین پر وجد و کیف کا عالم طاری ہو جاتا۔ مرزائیوں میں ذوق و شوق کی یہ متاع کہاں تھی؟ وہ عوام کا تاثر زائل کرنے کے لیے کمال بے حیائی سے یہی کہتے کہ یہ جذب و شوق نہیں، نئی گندم کھانے کا اثر ہے لیکن ایسی خرافات سے عوام کے تاثر کا زائل ہونا ممکن نہ تھا۔

والدِ ماجد کے ساتھ زیادہ تر تعداد علما، فضلا، ادبا، شعرا

کی ہوتی تھی جن میں حفیظ جالندھری، مرتضےٰ احمد خان میکش، حاجی لق لق۔ عبدالمجید قرشی (سیرت کمیٹی والے) اور محمدی بیگم کے ایک قریبی عزیز مرزا نوازش علی بیگ بھی شامل تھے۔

مولانا عبدالمجید سالک بھی کبھی کبھار آجاتے۔ خیر یہ تو معروف شخصیتوں کا ذکر ہے غیر معروف شخصیتوں میں بھی بڑے باکمال لوگ موجود تھے۔ زندگی میں کبھی فرصت ملی تو اس داستان کو پوری تفصیل سے لکھوں گا اور ان اصحاب کا ذکر بھی کروں گا، جنھوں نے مرزائیوں کے ساتھ مقدمہ میں سات سال تک اپنا سرمایہ صرف کیا، ان لوگوں کو بڑی شدت سے یہ احساس تھا کہ اگر ہمارے پیرو مرشد مقدمہ ہار گئے تو مرزائیوں کو بڑی تقویت ملے گی۔

آخر میں میں ایک ضروری بات کہنا چاہتا ہوں اور وہ یہ کہ تمام خواجگانِ چشت کے عرسوں کی تاریخیں ہجری سنہ کے اعتبار سے مقرر چلی آرہی ہیں۔ بخلاف اس کے خواجہ سراج الحق صاحبؒ نے جب گورداسپور میں عرس کا افتتاح کیا تو عرس کی تاریخ عیسوی سنہ کے اعتبار سے مقرر کی۔

میرے عہدِ طفولیت میں ایک دفعہ ایک صاحب نے سوال کیا کہ حضرت! اپنے بزرگوں کے خلاف عرس کی تاریخ عیسوی کیوں مقرر کی گئی ہے؟

حضرت نے فرمایا کہ انہی تاریخوں میں قادیان کا جلسہ ہوتا ہے۔ ہمارا مقصد یہ ہے کہ لوگ اُدھر نہ جائیں، بلکہ اِدھر آئیں۔ بظاہر یہ ایک معمولی سی بات معلوم ہوتی ہے لیکن اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ عوام کو مرزائیت سے باز رکھنے کی حضرت کو کس قدر فکر تھی۔ عین ممکن ہے کہ یہ تدبیر بھی حضرت نے اپنے پیرو مُرشد صوفی محمد حسین صاحب مراد آبادی کے ایما اور مشورہ سے اختیار کی ہو۔

بقیہ : مشائخ کانفرنس

ساہیوال۔ علامہ سید محمد ذاکر شاہ ایم اے دھر کنہ جہلم۔ ۳۹۔ مولانا محمد ہدایت اللہ قادری زینت المساجد گوجرانوالہ۔ ۴۰۔ حضرت صاحبزادہ عبدالحق صاحب بندیال شریف۔ ۴۱۔ حضرت مولانا محمد عبدالرحمٰن چشتی ناظم دارالعلوم رحمانیہ حنفیہ شاہوالہ ضلع سرگودھا۔ ۴۲۔ جناب خدا بخش سیکرٹری دارالعلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف۔ ۴۳۔ مولانا ساجد الرحمٰن صاحب بگھار شریف۔ ۴۴۔ مولانا مفتی عبدالمالک صاحب مانسہرہ۔ ۴۵۔ علامہ عبدالقیوم صاحب جامعہ نظامیہ لاہور۔ ۴۶۔ علامہ سید غلام محی الدین شاہ صاحب شیخ الحدیث جامعہ رضویہ راولپنڈی۔ ۴۷۔ علامہ سید عبدالرحمان شاہ صاحب خطیب ہری پور ہزارہ۔ ۴۸۔ علامہ مولانا سید حسین الدین شاہ صاحب ناظم اعلیٰ جامعہ رضویہ ضلع راولپنڈی۔ ۴۹۔ مولانا اورنگزیب صاحب خطیب قاسم آباد۔ راولپنڈی۔

مغرب کے بعد کانفرنس کا دوسرا دور شروع ہوا، جس میں بڑی مفید تجاویز سامنے آئیں۔ تجاویز پیش کرنے والوں میں سے اب صرف پیر محمد امیر شاہ صاحب (پشاور) مولانا ثناء اللہ گل صاحب (مردان) اور مولانا سید محمود احمد رضوی (لاہور) کے اسمائے گرامی یاد رہ گئے ہیں۔

روایت: حضرت مولانا عبدالستار خان صاحب نیازی
تحریر: ابو زاہد نظامی

تحریکِ ختمِ نبوّت ۵۳ء کی کہانی میری زبانی

خاندانی پس منظر

مَیں نے ایک ایسے ماحول میں آنکھ کھولی جہاں ہر وقت دین کا چرچا تھا۔ مجھے یاد ہے مَیں بچپن میں گھر میں تہجّد کے لیے بیدار ہونے والوں کے ساتھ بیدار ہوتا تھا۔ میرے ناناجان کو تاریخِ اسلام (خاص طور پر دورِ شیخین کی) فتوحات سے بڑی دلچسپی تھی۔ مَیں نے انہی کے زیرِ تربیت حضرت خالد بن ولیدؓ، حضرت سعد ابنِ وقاصؓ، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ اور حضرت ابوعبیدہؓ ابن الجراح کے مجاہدانہ کارناموں سے اپنی قلبی وابستگی پیدا کی، پھر حضور ختمی مرتبت محمد کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذاتِ اقدس و اعلیٰ سے محبت جنون کی حد تک پہنچ گئی۔

سکول اور کالج میں مَیں ہمیشہ مستشرقین کی ایسی نگارشات پر سیخ پا ہو جاتا تھا جن سے حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی ذاتِ اقدس کے بارے میں اشارتاً یا کنایتاً سوءِ ادبی کا پہلو نکلتا تھا۔

محبت کے انہی اثرات کو مَیں نے مسلمان سلاطین کے دفاع میں محسوس کیا اور ہمیشہ سلطان محمود غزنویؒ اور نگزیب عالمگیر اور سلطان ٹیپو شہید کے لیے ایک باغیرت محافظ کا پارٹ ادا کیا۔

عقیدۂ ختمِ نبوت پر استقامت

میٹرک کے بعد مَیں حضرت علامہ اقبالؒ کی زیرِ نگرانی قائم شدہ اشاعتِ اسلام کالج میں داخل ہو گیا۔ جہاں فرقِ باطلہ اور ادیانِ باطلہ کے ردّ کا خصوصی اہتمام تھا، اس زمانے میں مَیں نے فتنۂ قادیانیت کے مضرات اور مضرات کا جائزہ لیا اور اس کے بعد جونہی میرا شعور پختہ ہوا، اس میں استقامت پیدا ہوتی چلی گئی۔

میں نے بحیثیت صدر شعبۂ اسلامیات اسلامیہ کالج لاہور (۱۹۴۳ء تا ۱۹۴۶ء) اپنے شاگردوں میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ناموس اور تحفّظ کا لازوال جذبہ پیدا کیا۔ اسمبلی میں بھی میں نے عقیدہ خاتمیت کو زندگی اور آخرت کے تمام مسائل میں ہر لحاظ سے آخری رہنما کی حیثیت میں پیش کیا۔ حضرت علامہ اقبالؒ، حضرت مولانا

ظفر علی خانؒ، حضرت پیر سید مہر علی شاہؒ کی تصانیف سے میں نے بھرپور استفادہ کیا۔

پاکستان بننے کے بعد

جب بُنیادی اصولوں کی کمیٹی نے اپنی رپورٹ پیش کی، تو میں نے بحیثیت داعیٔ خلافت پاکستان گروپ" اس پر تبصرہ کرتے ہوئے چھ مثبت اور تین منفی اصول بطورِ اساس آئین پیش کیے جو یہ تھے :

مثبت اصول :

۱۔ قطعیت قوانین کتاب۔
۲۔ ختمیت احکام رسالت
۳۔ توسل مناہج خلافت
۴۔ اتباع مسلک اجماع
۵۔ اطاعت فتویٰ و فیصلہ
۶۔ تمسک میثاق بیعت

منفی اصول

۱۔ امتناع فرعونیت [۱]
۲۔ امتناع قارونیت [۲]
۳۔ امتناع یزیدیت [۳]

مثبت اور منفی اصولوں کی اشاعت کے بعد میں نے مستقل طور پر آئین خلافت پاکستان کا مسودہ پیش کیا، جو اردو اخبارات، احسان اور زمیندار اور بعد ازاں انگریزی روزنامہ سول اینڈ ملٹری گزٹ میں (مورخہ ۴، جنوری ۱۹۵۳ء کو) شائع ہوا۔

اپنے آئین میں میں نے ختمیت احکام رسالت کو تمام دفعات کا محور قرار دیتے ہوئے لکھا کہ زندگی کے ہر پہلو سے متعلق اللہ کے احکام پہنچانے والے اس کے آخری بلاواسطہ نائب حضور خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں۔

حکومت کے ہر شعبہ کے لیے قرآن کے بعد دوسرے واجب التعمیل ماخذ اور واسطۂ اقتدار حضورؐ کے احکامات ہوں گے۔ مَیں نے اپنے آئین میں قومیت، حاکمیت، قانون سازی، رائے دہندگی، اقتدار، ملکیت، علم و حقیقت، عدلیہ، تصوّر ریاست اور طبقہ واریت میں نظریۂ حق کو متعین کرتے ہوئے حضورؐ کی ذات بابرکات کو معیارِ حق قرار دیا تھا۔

خوفناک قادیانی منصُوبہ

انہی دنوں قادیانی مرزائیوں نے صُوبہ بلوچستان پر قبضہ کرنے کے لیے ایک خوفناک منصوبہ تیار کیا اور ایک باضابطہ سازش کے ذریعے ہر ڈیپارٹمنٹ میں کلیدی اسامیوں

---

[۱] فرعون (مظہر ملوکیت) کہتا تھا کہ اپنی رعایا کا رب میں ہوں، اس لیے میرا قانون مانو خدا کی شریعت مت ؎ یم کرو۔ تمہاری زندگی اور موت میرے ہاتھ میں ہے۔

[۲] قارون (مظہر سرمایہ داری) کہتا تھا مال میرا ہے۔ مَیں نے اپنے علم سے حاصل کیا۔ موسیٰؑ کو خدا کے نام پر میرے مال پر پابندیاں لگانے اور خرچ کرنے کا کوئی حق نہیں۔

[۳] یزید (ریاکار مدعی اسلام) کہتا تھا۔ میرے بُرے اعمال پر اعتراض کرنے سے اُمت محمدیہؐ کی سالمیت خطرے میں پڑ جائے گی۔ حسین تقویٰ کا نام لے کر انتشار اور بغاوت پھیلاتا ہے اور اقتدار پر قبضہ کرنا چاہتا ہے۔

پر قبضہ کرنے کے لیے اپنے آدمی مقرر کیے۔ حتیٰ کہ مرزا بشیر الدین محمود نے اس امر کا شکوہ کیا کہ آج کل ہمارا ہر نوجوان ملٹری کا رُخ کرتا ہے، ملٹری میں ہماری خاصی تعداد قابض ہو چکی ہے۔ اب ہمیں دوسرے شعبوں کی طرف رُخ کرنا چاہیے۔

اس فرقہ کی جارحیت یہاں تک بڑھ گئی کہ انہوں نے دینی جماعتوں کے سربراہوں کا نام لے کر انہیں نیست و نابود کرنے کا اعلان کیا۔ اس طرح ایک پبلک جلسہ میں چودھری ظفراللہ خان نے (فولادی جیکٹ پہن کر) خطاب کرتے ہوئے کہا: کہ ہماری کامیابی و کامرانی کی منزل اب قریب آ چکی ہے۔ ہمارے مخالفین نہایت قلیل مدت میں برباد ہو جائیں گے۔ یہی لب و لہجہ ناقوس مرزائیت "الفضل" کا تھا جس میں نہایت تہدید آمیز بیانات شائع ہوتے تھے۔

علمائے اسلام کا کنونشن

سرکاری مسودہ آئین میں مسلمان کی تعریف نہ پا کر علمائے اسلام نے (جس میں تمام مکاتیب فکر کے علماء شامل تھے) برکت علی اسلامیہ ہال میں ایک کنونشن بلایا۔ غالباً یہ اوائل دسمبر ۱۹۵۲ء کا ذکر ہے۔ اس کنونشن میں چودھری ظفراللہ خاں کے سابقہ ہفوات (قائداعظم کے نماز جنازہ نہ پڑھنے سے لے کر حالیہ دھمکی تک) پر غور کیا گیا۔ اس کنونشن میں سجادہ نشین سیال شریف حضرت خواجہ حافظ قمرالدین سیالوی دامت برکاتہم العالیہ خصوصی طور پر شریک ہوئے اور انہوں نے اپنی غیرت ایمانی کے جوش میں یہاں تک فرما دیا کہ یہ مسئلہ باتوں سے صاف نہیں ہوگا۔ آپ مجھے حکم دیں میں قادیانیوں سے نپٹ لوں گا اور چند دنوں میں ربوہ کو صفحۂ ہستی سے ناپید کر دوں گا۔ حضرت خواجہ صاحب کی اس تقریر سے علماء کے حوصلے بہت بڑھ گئے۔

اس مرکزی کنونشن میں تین مطالبات مرتب کیے گئے۔

۱۔ سر ظفراللہ کو وزارتِ خارجہ سے ہٹایا جائے کیونکہ وہ اپنے اس مذہبی عقیدے کا خود اقرار کر چکے ہیں کہ برطانوی حکومت سے وفاداری ان کے دین و ایمان میں داخل ہے اور جو شخص کسی غیر مملکت سے شرعی وفاداری اپنے ایمان میں داخل سمجھتا ہو وہ پاکستان کی آزاد مملکت میں وزارتِ داخلہ پر متمکن رہنے کا ہرگز اہل نہیں۔

۲۔ کوئی شخص اس وقت تک مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک وہ ہر مسئلہ میں جناب خاتم النبیینؐ کی تعلیمات کو آخری حجت تسلیم نہ کرے اور حضورؐ کی تعلیمات میں سے کسی کی تفسیر و تعبیر یا تاویل کا سوال پیدا ہو تو مسلمانوں کی کثرتِ رائے کے فیصلہ کی پابندی کو اپنے لیے ضروری سمجھے۔ پاکستان اس لیے حاصل کیا گیا ہے کہ یہاں اسلام کی تعلیمات کے مطابق زندگی بسر کرنے کی خاطر ایک وطن قائم کیا جائے۔ لہٰذا جو لوگ پاکستان میں رہنا چاہیں لیکن خاتم النبیینؐ کی تعلیمات کو کسی مسئلہ میں آخری حجت تسلیم نہ کریں یا حضورؐ کی کسی تعلیم کی تاویل میں مسلمانوں کی کثرتِ رائے کی پابندی قبول نہ کریں انہیں آئینِ پاکستان کے تحت غیر مسلم اقلیت قرار دینا چاہیے۔

۳۔ پاکستان بن جانے کے بعد یہاں سب سے بڑا مسئلہ حکومت کو اسلامی تعلیمات کے ماتحت لانے کا ہے۔ حکومت صرف وزارت کا نام نہیں بلکہ اس میں سرکاری ملازمین کو بھی بڑا عمل دخل حاصل ہے۔ لہٰذا جب تک پاکستان میں سرکاری محکموں کی کلیدی اسامیوں پر صرف ان سرکاری ملازمین کو مقرر نہیں کیا جاتا جو ہر مسئلہ میں خاتم النبیینؐ کی تعلیمات کو آخری حجت تسلیم کریں اور حضورؐ کی تعلیم کی تاویل میں مسلمانوں کی کثرتِ رائے کی

پابندی اپنا ایمانی اور مذہبی فرض سمجھیں۔ تب تک پاکستان کو اسلامی مملکت نہیں بنایا جا سکتا۔

تحریک شروع ہو گئی

مجھے اس تحریک میں ایک خصوصیت حاصل تھی وہ یہ کہ میں اسمبلی کا ممبر تھا اور ممبران اسمبلی سے میرا تعلق رہتا تھا، علاوہ ازیں میں نے تحریک پاکستان میں جو کام کیا تھا اس کی وجہ سے مسلم لیگ کے کارکنان سے بھی میرے خاصے تعلقات تھے نیز کالجوں کے طلباء سے بھی رابطہ تھا، مجلس تحفظ ختم نبوت نے کراچی میں کنونشن کیا تو اس کے تیرہ نمائندوں میں میرا بھی نام تھا، لیکن مجھے اس میں شامل نہیں کیا گیا۔ ان کا خیال تھا کہ یہ گرم اور تیز آدمی ہے ایسا نہ ہو اس کی وجہ سے وقت سے پہلے تصادم ہو جائے۔ ادھر دولتانہ نے ایک چال چلی اس کا مقصد یہ تھا کہ اس کی حکومت کے بجائے مرکز کو نشانہ بننا چاہیئے چنانچہ ابتداء میں دولتانہ نے تحریک کی مخالفت کی، لیکن جب تحریک نے زور پکڑا تو اس نے اپنے صوبے میں مخالفت نہ کرنے کا فیصلہ کر لیا اور کہا کہ مسلمانوں کا مطالبہ آئینی ہے انھیں مرکز سے رجوع کرنا چاہیئے۔

ادھر احراری بھی یہی چاہتے تھے کہ دولتانہ ناراض نہ ہو، انہیں معلوم تھا کہ میں حزب اختلاف میں ہوں اور میری شمولیت سے دولتانہ اس تحریک میں رکاوٹیں ڈال سکتا ہے ان کی اس مصلحت کو میں بُرا نہیں سمجھتا تھا۔ کیونکہ یہی صوبہ تحریک کے لیے مناسب ترین تھا۔ جب تحریک تیز ہو گئی اور یہ حضرات کراچی میں خواجہ ناظم الدین سے ملاقات کے لیے گئے تو معلوم ہوا کہ وہ گرفتار ہو گئے۔ (یہ ۲۵ر فروری ۱۹۵۳ء کی بات ہے) میں نے مشورہ دیا کہ لاہور سے ۷۰۰ میل دور کراچی میں اپنے آپ کو گرفتاری کے لیے پیش کرنا مناسب نہیں ہے اس سے تحریک کو فائدہ نہیں پہنچے گا۔ میاں دولتانہ غلط کہتا ہے کہ میں تمہاری تحریک سے متفق ہوں اگر وہ متفق ہے تو صوبائی اسمبلی میں جا کر قرارداد پاس کرے، دوسری بات یہ ہے کہ دولتانہ بھی خواجہ ناظم الدین ہی کا بنایا ہوا ہے۔ میرا مشورہ ہے کہ کراچی والے کراچی میں، پنجاب والے پنجاب میں اور سرحد والے سرحد میں کام کریں۔ اس طرح یہ تحریک ملک گیر صورت اختیار کرلے گی۔ اور صوبے مجبور ہو کر مرکز پر دباؤ ڈالیں گے۔

علماء کی گرفتاری کی اطلاع مجھے جمعہ کے دن مسجد حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ میں تقریر کے دوران ملی نیز مجھے یہ بھی معلوم ہوا کہ نیا قافلہ کراچی جانے والا ہے۔ میں نے کہا کہ اس کی بجائے پنجاب اسمبلی کا گھیراؤ کیا جائے اور ممبروں کو مجبور کیا جائے کہ وہ مرکز سے ہمارا مطالبہ تسلیم کرائیں۔ لیکن میری تجویز نہ مانی گئی۔ حتیٰ کہ سب قائدین گرفتار ہو گئے۔ ان کے گرفتار ہوتے ہی تحریک ختم ہونے لگی۔

گرفتاریوں کے بعد

ادھر میں نے تہیہ کر لیا کہ تحریک ختم نہیں ہونے دوں گا۔ چنانچہ ۲۷، ۲۸ / مارچ کو میں نے علماء سے ملاقات کی۔ اس وقت بعض لوگ ایسے بھی تھے جن کا رابطہ جیل میں مجلس عمل کے حضرات سے تھا۔ ان کی معرفت ہم نے ان کی رائے معلوم کی۔ انھوں نے بھی یہی مشورہ دیا کہ اب کراچی گروپ بھیجنے کی بجائے لاہور میں کام کیا جائے کیونکہ لاہور اور پنجاب سے جو قافلے بھیجے جاتے تھے انھیں راستے میں اتار کر جنگلوں میں چھوڑ دیا جاتا تھا۔ غرض میں نے تحریک کو از سر نو منظم کرنے کا فیصلہ کیا اور ۲۸ر فروری کو اعلان کر دیا کہ آج تک یہ تحریک مذہبی تھی لیکن اب یہ سیاسی بھی ہے

تحریک کا مرکز

ان حالات میں مَیں نے مسجد وزیر خاں کو تحریک کا مرکز بنایا اور وہاں سے تحریک کو آگے بڑھایا۔ میں نے لوگوں کو ہدایت

کی کہ وہ مثبت نعرے لگائیں اور تصادم سے گریز کریں جبکہ حکومت یہ چاہتی تھی کہ تصادم ہو۔ حکومت نے بہت کوشش کی کہ گڑبڑ پیدا کی جائے، لیکن کامیاب نہ ہو سکی۔ تحریک میں جو آدمی بھی شریک ہوتا تھا وہ یہ طے کر کے آتا تھا کہ وہ ناموسِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جان دے دے گا۔ ہم نے طے کیا کہ اگر لاٹھی چارج ہوا تو لاٹھیاں کھاتے رہیں گے۔ چنانچہ یہی ہوا، مولانا خلیل صاحب نے مشورہ دیا کہ ایسے موقع پر سب زمین پر لیٹ جائیں۔ پولیس نے اٹھانا چاہا لیکن وہ نہ اُٹھے۔ ایک ڈی ایس پی نے ایک نوجوان کو ٹھوکر لگائی۔ اس کی بغل میں حمائل تھی وہ دور جا پڑی اور پھٹ گئی۔

اس دن تین جلوس روانہ کئے گئے تھے گورنمنٹ ہاؤس، سول سیکرٹریٹ اور ڈسٹرکٹ کورٹ کی طرف۔ جلوس کے بعد یہ لوگ پرامن طور پر واپس آگئے۔ کچھ گرفتاریاں بھی ہوئیں۔

ادھر ڈی۔ ایس۔ پی کے قرآن مجید کو ٹھوکر لگانے سے لوگ بپھر گئے۔ وہاں ایک آدمی تھا (جس کا نام میں نہیں لینا چاہتا) اس نے دہلی دروازے کے باہر تقریر میں اس واقعہ پر لوگوں کو بھڑکا دیا۔ میرا ہیڈ کوارٹر مسجد وزیر خاں میں تھا۔ حکومت کا خیال تھا کہ مجھے پکڑ لینے سے تحریک ختم ہو جائے گی۔ چنانچہ انہوں نے دیکھا کہ میں کس وقت اکیلا ہوتا ہوں۔ عصر کی نماز میں عام طور پر میں کام کی زیادتی کی وجہ سے آخری صف میں کھڑا ہوتا تھا۔ انہوں نے اسکیم بنائی کہ چند آدمی بھیج کر مجھے اٹھوا لیا جائے۔

میں مسجد کے حجرے میں بیٹھا نوجوانوں کو ہدایات دے رہا تھا کہ ایک شخص آیا اور مجھے دیکھ کر واپس چلا گیا۔ میں نے نوجوانوں کو بتایا کہ یہ آدمی مشکوک نظر آتا ہے۔ اس کا تعاقب کرو۔ نوجوان اس کے پیچھے گئے۔ لیکن اسے پکڑ نہ سکے۔ کچھ دیر بعد ڈی۔ ایس۔ پی ایک جتھا لے کر وہاں آیا اور مسجد میں داخل ہونا چاہا۔ ہم نے مسجد کے باہر باقاعدہ پہرہ لگایا ہوا تھا اور کوڈ ورڈز سے پیغامات کا کام لیتے تھے۔ رضاکاروں نے دروازے پر انہیں روک لیا اور ساتھ ہی ڈی۔ ایس۔ پی فردوس شاہ کو بعض لڑکوں نے قتل کر دیا۔ کچھ پولیس والے بھی زخمی ہو گئے۔

میں سمجھ گیا کہ حکومت اپنی چال میں کامیاب ہو گئی ہے ہمارا طریقہ یہ تھا کہ دن بھر تقریریں ہوتی تھیں اور رات کو بھی تقاریر کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ رات کو ایک ڈیڑھ بجے کے قریب ہم لوگ مسجد سے نکل کر ایک اور پوشیدہ مقام پر منتقل ہو جاتے تھے۔ اس واقعے کے بعد میں چوکنا ہو گیا۔

پولیس کا تشدّد

۴ تاریخ کو میں نے جلسے میں ایک قرارداد پاس کرائی کہ جن لوگوں نے ڈی۔ ایس۔ پی فردوس شاہ کو قتل کیا ہے انہوں نے بُرا کیا ہے اور وہ ہمارے آدمی نہیں، وہ حکومت کے آدمی ہیں اور اس تحریک کو تباہ کرنا چاہتے ہیں۔ یہ قرارداد پاس ہو گئی۔ لیکن صبح تشدد کیا گیا اور پولیس والے بے تحاشہ فائرنگ کرنے لگے۔ ساتھ ہی قادیانی بھی فوج اور پولیس کی وردیوں میں ملبوس باہر سے آکر فائرنگ کرنے لگے اس موقع پر ہمارے نوجوانوں نے جو قربانیاں دیں انہیں سن کر آپ یقیناً دنگ رہ جائیں گے۔ دہلی دروازے کے باہر چار نوجوانوں کی ڈیوٹی تھی۔ پولیس نے ایک ایک کر کے چاروں کو گولی کا نشانہ بنا دیا۔ ہمارا ایک جلوس مال روڈ سے آرہا تھا اور اس کے نعرے صرف لاالٰہ الااللہ، نعرہ تکبیر اور نعرہ رسالت تھے۔ وہاں پر زبردست فائرنگ ہوئی۔ لیکن نوجوان سینہ کھول کھول کر سامنے آتے رہے اور جام شہادت نوش کرتے رہے۔

مارشل لاء

یہ پانچ تاریخ کا واقعہ ہے، ۶ تاریخ کو جمعہ تھا۔ حکومت نے یہ شرارت کی کہ ایک پوسٹر نکالا جس میں یہ اعلان کیا کہ آج عبدالستار خاں نیازی جمعہ شاہی مسجد میں پڑھائیں گے۔ اس سکیم کا مقصد یہ تھا کہ ہماری قوت بٹ جائے۔ ادھر میں نے ایک جیپ کے ذریعے شہر میں اعلان کیا اور اس پوسٹر کی تردید کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ۶ تاریخ کو شاہی مسجد میں ہمارا کوئی آدمی نہیں گیا۔ اسی دن مارشل لاء لگا دیا گیا، ہماری تحریک کامیاب ہو چکی تھی۔ صوبائی حکومت نے میرے پاس اسمبلی کے سپیکر خلیفہ شجاع الدین کو بھیجا اور کہلوایا کہ پنجاب کی حکومت آپ کے مطالبات مرکز کو پہنچائے گی اور آپ سے بات چیت کرے گی۔ ہم نے ان سے وعدہ کیا کہ تحریک پرامن رہے گی لیکن آپ کو بھی ہماری تحریک ختم کرنے کی کوششیں بند کرنا ہوں گی۔

۶ تاریخ کی رات کو متعدد آدمی خوف وہراس کی وجہ سے اور برقی نظام کے ختم ہونے کی وجہ سے مسجد میں نہیں آئے، میں نے حاضرین کو بتایا کہ آپ کی تحریک کا اللہ حافظ ہے، آپ مردانہ وار آگے بڑھتے رہیں۔ ۷ تاریخ کو پورے اہتمام سے پروگرام جاری رکھے گئے اور مسجد میں بڑا زبردست اجتماع ہوا، جس میں میں نے مسجد وزیر خاں کو ایک ایسا قلعہ قرار دیا جسے کوئی فتح نہ کرسکتا ہو۔

۹ تاریخ سے اسمبلی کا سیشن شروع ہو رہا تھا۔ میں اس کی تیاری میں مصروف ہو گیا لیکن ۹ تاریخ کو ہمارے بہت سے ساتھیوں کو پکڑ لیا گیا اور میرے خلاف بھی مقدمہ قتل درج کر لیا گیا۔ میرا پروگرام یہ تھا کہ میں کسی طرح اجلاس شروع ہونے پر اسمبلی میں داخل ہو جاؤں، لیکن اسمبلی سیشن ۱۶ تاریخ کو اور پھر ۲۲ تاریخ تک کے لیے ملتوی ہو گیا۔ میں ایک ریڑھے میں بیٹھ کر مسلح نوجوانوں کی حفاظت میں لاہور سے نکل گیا۔ بے شمار تکالیف کے بعد ہم اوکاڑہ پہنچے۔ وہاں سے پاک پتن شریف چلے گئے ادھر ملٹری مجھے تلاش کرنے میں چھاپے مار رہی تھی۔ پاک پتن سے میں سیدھا قصور گیا۔ قصور میں جن لوگوں کے ہاں میں ٹھہرا انہوں نے غداری کی اور ملٹری کو میرے بارے میں اطلاع کر دی۔

گرفتاری اور پھانسی کا حکم

اگر اس وقت مجھے آدھ گھنٹہ کی مہلت بھی مل جاتی تو میں اسمبلی گیٹ تک پہنچنے میں کامیاب ہو جاتا۔ میرا پروگرام یہ تھا کہ فوج کے قبضے میں جانے سے پہلے اسمبلی میں تقریر کروں اور اپنی تحریک کے بارے میں پوری تفصیلات ممبروں کو بتا دوں۔

قصور سے گرفتار کر کے مجھے لاہور قلعہ میں لایا گیا۔ ۲۳ مارچ سے ۹ اپریل تک ہم (میرے ساتھ بشیر مجاہد بھی تھا) قلعہ میں رہے۔ مجھے ۱ نمبر کوٹھری میں بند کر دیا گیا جہاں سے بیانات لینے کے بعد مجھے جیل منتقل کر دیا گیا اور مجھے چارج شیٹ دی گئی۔ ملٹری کورٹ میں کیس چلا۔ جو ۱۷ اپریل کو شروع ہوا اور مئی تک چلتا رہا۔ مولانا مودودی کا کیس میرے بعد چلا۔

۷ مئی کو صبح ۹ بجے مجھے بلایا گیا اور اسپیشل ملٹری کورٹ کے ایک آفیسر اور ایک کیپٹن مجھے ایک کمرے میں لے گئے، جہاں قتل کے کیس کے نو اور ملزم بھی تھے مگر فردوس شاہ ڈی۔ ایس۔ پی کے قتل کا کیس ثابت نہ ہو سکا۔ دوسرا کیس بغاوت کا تھا اس کے ثبوت کے لیے میری دو تقریریں ان کے پاس تھیں لیکن ان میں بغاوت کا کوئی جملہ تک نہیں تھا۔

آخر کیس ختم ہو گیا اور مجھے قتل کے کیس سے بری کر دیا گیا مگر دوسرے کیس کے متعلق انہوں نے مجھے ایک آرڈر پڑھ

کر سنایا۔

"YOU WILL BE HANGED BY NECK TILL YOU ARE DEAD."

"تمہاری گردن پھانسی کے پھندے میں اس وقت تک لٹکائی جائے گی جب تک تمہاری موت نہ واقع ہو جائے۔"

میں نے یہ آرڈر لیا تو اس افسر نے مجھ سے کہا کہ اس پر دستخط کرو، میں نے کہا جب میں پھانسی کے پھندے کو بوسہ دوں گا اس وقت اس پر دستخط کروں گا۔ اس نے کہا تمہیں ابھی اس پر دستخط کرنا ہوں گے۔ میں نے کہا کہ میں آپ کو پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ جس وقت میں پھانسی پر پہنچوں گا تو اس پر دستخط کروں گا۔ میں جیل میں ہوں اور آپ کے پنجوں میں ہوں مجھے جاؤ اور پھانسی دے دو، میں اسی وقت دستخط کر دوں گا۔ انہوں نے پھر کہا کہ دستخط کرو۔ لیکن میں نے انکار کر دیا۔ اس پر وہ بولا کہ ہمارے آفیسر ہم سے پوچھیں گے کہ تم نے نوٹس دے دیا یا نہیں تو میں کیا جواب دوں گا۔ تعجب ہے کہ میں جیل میں ہوں اور آپ میرے دستخط مانگ رہے ہیں۔ آخر میں نے کہا کہ اگر آپ کو اپنے افسران ہی کا خوف ہے تو میں آپ کی خاطر اس پر دستخط کیے دیتا ہوں چنانچہ میں نے بڑے اطمینان سے اس پر دستخط کر دیئے۔

یہ تمام گفتگو انگریزی میں ہوئی جو اس طرح تھی۔

افسر: PLEASE SIGN IT.

میں: I WILL SIGN IT WHEN I KISS THE ROB.

افسر: YOU WILL HAVE SIGN IT.

میں: I AM ALREADY TOLD YOU THAT I WILL SIGN IT WHEN I KISS THE ROB. HOWEVER I AM IN YOUR CLUTCHES I AM BEHIND THE BARS. TAKE ME TO THE GALLOWS, HANG ME.

افسر: MR NIAZI! OUR OFFICERS WILL ENQUIRE FROM US WHETHER YOU WERE SERVED WITH THE NOTICE i.e. DETH WARRANT.

میں: IF YOU SO FEAR FROM YOUR OFFICERS, WELL I SIGN IT FOR YOU.

دستخط کر دینے کے بعد اس افسر نے میری ہمت کے بارے میں پوچھا تو میں نے کہا کہ تم میری ہمت (MORAL) کے بارے میں کیا پوچھتے ہو وہ تو آسمانوں سے بھی بلند ہے تم اس کا اندازہ نہیں کر سکتے۔

وہ چلا گیا تو میں کمرے میں تنہا رہ گیا۔ اب میں آپ کو اپنے دل کی حالت بتاتا ہوں جب میں نے موت کا یہ پیغام سنا تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے میری مدد کی اور مجھے سورۃ ملک کی یہ آیت یاد آگئی۔

خلق الموت والحیات لیبلوکم ایکم احسن عملاً۔

میں نے اس آیت سے یہ تاثر لیا کہ موت و حیات کا خالق صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ یہ لوگ میری زندگی کا سلسلہ منقطع نہیں کر سکتے۔ اگر اس مقصد کے لیے جان بھی جائے تو اس سے بڑی زندگی کیا ہو سکتی ہے! بہرحال اس کے جانے کے بعد مجھ پر ایک لمحہ کیلئے خوف کا حملہ ہوا لیکن فوراً یہ شعر زبان پر آگیا۔

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را
ہر زمان از غیب جانے دیگر است

اس شعر نے میری ایسی ہمت بندھائی کہ مجھ پر وجد کی کیفیت طاری ہوگئی، میں اس شعر کو پڑھتا تھا اور کمرے میں جھومتا پھرتا تھا۔ اب مجھ پر خوف کی کوئی کیفیت نہ تھی۔ اس عالم میں میں کمرے سے باہر آیا تو ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ جیل مہر محمد حیات نے یہ خیال کیا کہ ملٹری کورٹ نے مجھے بری کر دیا ہے۔ چنانچہ اس نے کہا: نیازی صاحب مبارک ہو، بری ہوگئے؟ میں نے کہا، اس سے بھی آگے نکل گیا ہوں۔ اس نے کہا کیا مطلب؟ میں نے کہا کہ اب انشاء اللہ حضورؐ کے غلاموں اور عاشقوں کی فہرست میں میرا نام بھی شامل ہوگا۔ وہ پھر بھی نہ سمجھا تو میں نے کہا میں کامیاب ہوگیا۔

میری سزائے موت کی خبر جنگل کی آگ کی طرح پورے ملک میں پھیل گئی۔ ادھر جیل میں قیدی تک مجھے دیکھ کر روتے تھے جب مجھے پھانسی کی کوٹھری میں لے جایا گیا تو میں نے لوگوں کو اطمینان دلایا اور کہا کہ کتنے عاشقانِ رسولؐ جامِ شہادت نوش کر رہے ہیں۔ اگر میں بھی اس نیک مقصد کے لیے جان دے دوں گا تو میری خوش قسمتی ہوگی۔

۱۲ر تاریخ کی شام کو مغرب کے بعد میں وظیفہ پڑھ رہا تھا کہ ایک قیدی میرے پاس آیا اس سے معلوم ہوا کہ ایک اور مولوی صاحب کو بھی سزائے موت ہوئی ہے اور اسے بھی پھانسی کی کوٹھری میں لایا جا رہا ہے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ مولانا مودودی کو بھی پھانسی کی سزا کا حکم سنایا گیا ہے۔

۱۳ر تاریخ کو مولانا کے صاحبزادے عمر فاروق مودودی اور چودھری سلطان احمد صاحب انہیں ملنے آئے اور مجھ سے بھی ملے۔ میں نے مولانا کے صاحبزادے کو تسلی دی اور کہا بیٹا! یہ تمہارے باپ کو پھانسی نہیں دے سکتے۔

ہم لوگ سنٹرل جیل میں تھے کہ ایک روز ایک ملٹری آفیسر بھاگتا ہوا آیا اور مبارک باد دی اور کہا کہ تمہاری پھانسی کا حکم ۱۴ سال کی سزائے قید میں تبدیل ہوگیا ہے۔ یہ سن کر مولانا مودودی نے مجھے مبارکباد دی، میں نے کہا آپ یقین رکھیں آپ کے لیے بھی یہ آرڈر آجائے گا اور ایسا ہی ہوا۔ شام کو اُن کے لیے بھی آرڈر آگیا۔

رہائی

اس دوران میں معلوم ہوا کہ کچھ لوگ معافیاں مانگ کر جیل سے جانے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ اتفاق سے انہی دنوں عید آگئی۔ جیل میں نماز عید کا اجتماع ہوا تو میں نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ ختم نبوت کے لیے جدوجہد کرنا اگر جرم ہے تو یہ جرم ہم بار بار کریں گے۔ حکومت علماء کو معافی مانگنے کے لیے اکسا رہی ہے ہم ہرگز ہرگز معافی نہیں مانگیں گے۔ میری اس تقریر سے یہ رجحان ختم ہوگیا اور کوئی عالم بھی معافی مانگ کر رہا نہیں ہوا۔

۲۳ر مارچ ۱۹۵۳ء کو ہمیں گرفتار کیا گیا اور ۲۹ر اپریل ۱۹۵۵ء کو ضمانت پر رہا کیا گیا۔ گویا دو سال ایک ماہ اور چھ دن ہم گرفتار رہے۔

آخری بات

۵۳ء کی تحریک کو اب بیس سال سے زیادہ گذر چکے ہیں۔ وہ تحریک ماضی کی ایک نہ بھولنے والی داستان بن چکی ہے لیکن اس حقیقت کو کبھی نہ بھولیے کہ ۵۳ء کی تحریک ختم نبوت ۷۴ء کی تحریک کا پیش خیمہ تھی اور کون کہہ سکتا ہے کہ ان دونوں تحریکوں کا آپس میں کوئی تعلق نہیں۔ میرے نزدیک تو وہ پہلی کوشش تھی اور یہ دوسری —— خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے دوسری کوشش میں ہمیں کامیاب کر دیا۔

✿

محمود احمد غازی

قادیانیت

علمائے ازہر کی نظر میں

چند روز ہوئے اخبارات میں جامعہ ازہر کے بعض علماء کا ایک حالیہ فتویٰ شائع ہوا ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی اور اس کے متبعین اپنے نامعقول دعاوی اور خلافِ اسلام عقائد و نظریات کی بناء پر کافر اور دائرۂ اسلام سے خارج ہیں۔ اس فتویٰ سے بعض لوگوں کے ذہنوں میں کچھ اس قسم کا تاثر پیدا ہوا کہ قادیانیت کے بارے میں عالمِ اسلام کے اس عظیم دینی و علمی مرکز سے یہ اپنی نوعیت کا پہلا فتویٰ ہے، جب کہ اصل حقیقت حال اس سے مختلف ہے۔ علمائے ازہر کم و بیش ۳۵۔۳۶ سال سے وقتاً فوقتاً اُمتِ مسلمہ کو اس فتنہ کے مہلک اثرات اور تباہ کن نتائج و عواقب سے باخبر کرتے رہے ہیں۔

قادیانیت کے بارے میں بعض علمائے ازہر کی آراء اور ان کی تحریروں کے اقتباسات دیے جاتے ہیں جن سے اندازہ ہو سکے گا کہ اس فتنہ کے بارے میں دُنیا بھر کے مسلمان اہلِ علم ایک طرح سوچتے آ رہے ہیں اور اس مسئلہ کے حل کے لیے یکساں تجاویز پیش کرتے ہیں۔ اس مختصر مضمون سے یہ اندازہ بھی کیا جا سکے گا کہ قادیانیت کے بارے میں برصغیر پاک و ہند کے علماء نے جو رویّہ اور نقطۂ نظر اختیار کیا ہے اس کو جامعۂ ازہر کے اہلِ علم کی متفقہ تائید حاصل رہی ہے۔

جامعۂ ازہر کے جیّد عالم اور اپنے وقت کے ممتاز مفکر، فقیہہِ عصر علامہ شیخ محمد ابوزہرہ مرحوم اپنی کتاب المذاہب الاسلامیہ میں قادیانیت کے ظہور کے اسباب و وجوہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب انگریزوں نے مغلوں کی اسلامی حکومت کو ختم کر کے برِصغیر ہندوستان میں مغربی تہذیب و تمدّن کو بزور رائج کرنا چاہا اور اس میں وہ ناکام رہے، تو انکو ایسے نام نہاد مسلمانوں کی ضرورت محسوس ہوئی جو مغربی اور مسیحی افکار و نظریات کو مسلمانوں میں رواج دینے میں مدد دے سکیں۔ ان کو کچھ لوگ ایسے بھی درکار تھے جن کے نام مسلمانوں جیسے ہوں کہ اُن کے سروں پر مسلمانوں کی نمائندگی کا تاج رکھ کر اُن کو بڑے بڑے عہدے دیئے جائیں اور اس کے بعد ان کالے انگریزوں سے وہ کام لیا جائے جو انگریز اپنی تمام تر قوت اور جاہ و جلال کے باوجود نہ کر سکا تھا۔

یہ سب تاریخی، سیاسی اور معاشرتی پس منظر تفصیل سے بیان کرنے کے بعد شیخ محمد ابوزہرہ لکھتے ہیں:

"اس کے نتیجے کے طور پر ہندوستان میں بہت سے گمراہ اور کجرو فرقے وجود میں آئے، ان میں سب سے زیادہ نمایاں، طاقتور اور تعداد میں کم ہونے کے باوجود سب سے زیادہ

فعال فرقہ غالباً قادیانیوں ہی کا ہے۔ یہ فرقہ جو خود کو مسلمانوں کی طرف منسوب کرتا ہے اس کا بانی ایک شخص مرزا غلام احمد تھا... اس شخص کا دعویٰ تھا کہ وہ اللہ کا رسول ہے اور یہ کہ اس کی رسالت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کے منافی نہیں۔ اس شخص کی تفسیر (یا تحریف ؟) کے بموجب خاتم النبیین کے معنی نبیوں کی مہر کے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جو بھی رسول یا نبی آئے گا، وہ آپ کی مہر اور آپ کی نبوت کے اقرار سے آئے گا اور آپ کی شریعت کو زندہ کرے گا۔"

مرزا غلام احمد قادیانی کے دُوسرے لایعنی اور مضحکہ خیز دعاوی کا ذکر کرنے کے بعد شیخ مرحوم لکھتے ہیں :

"اس میں کسی قسم کے شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں کہ یہ فرقہ ان تمام امور کا مخالف و منکر ہے جن پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک سے ہی تمام مسلمانوں کا اجماع رہا ہے . . . . قادیانیوں کے ان سب دعاوی کی کوئی دلیل بھی پیش نہیں کی جا سکتی، ان کی حیثیت سخن سازی سے بڑھ کر نہیں۔ ان لوگوں کے یہ دعوے ان طے شدہ امور سے بھی بالکل موافقت نہیں رکھتے جن کی صحت پر دلائل و براہین قائم کیے جا چکے ہیں۔ یہ ایک ایسی صُورتِ حال ہے، جو قادیانیہ کے لوگوں کو اسلام سے خارج کر دینے کے لیے کافی ہے.... اس لیے کہ اس شخص کی تعلیمات کا اسلام سے کوئی بھی تعلق نظر نہیں آتا۔"

جامعۂ ازہر کے ایک اور جیّد عالم اور وہاں کی اسلامی تحقیقاتی اکیڈیمی کے سیکرٹری جنرل جناب ڈاکٹر شیخ عبدالرحمٰن بیصار کی رائے میں "قادیانی فرقہ اسلام کے صراطِ مستقیم سے انحراف کی ایک نمایاں مثال ہے۔ یہ فرقہ اسلامی معاشرہ میں عجیب وغریب افکار و نظریات کو ماضی میں بھی رواج دیتا رہا ہے اور اب بھی دے رہا ہے۔ اس قسم کے افکار و نظریات کا اسلام سے نہ کوئی تعلق ہے اور نہ واسطہ۔ اس انحراف کو درست کرنا اور اس کجروی کی طرف عامۃ المسلمین کو متوجہ کرنا ایک ایسی ذمّہ داری ہے جو تمام مسلمانوں پر یکساں عائد ہوتی ہے۔"

گذشتہ سال جامعۂ ازہر کے کلیۂ اصول الدین کے استاذ اور مشہور مبلغ جناب حسن عیسیٰ عبدالظاہر نے القادیانیۃ: نشأتھا و تطورھا (قادیانیت : اس کا آغاز اور اس کا ارتقاء) کے نام سے ایک بہت عمدہ اور عالمانہ کتاب لکھی ہے۔ اس کتاب کو جامعۂ ازہر کی اسلامی تحقیقاتی اکیڈمی نے شائع کیا ہے۔ ذیل میں اس کتاب کے کچھ اقتباسات پیش کیے جاتے ہیں۔

۱۔ "مرزا غلام احمد ۱۲۵۲ھ مطابق ۱۸۳۹ء میں سکھ عہدِ حکومت کے آخری زمانہ میں پیدا ہوا۔ اس کا تعلق ایک ایسے خاندان سے تھا جو قدیم زمانہ میں سمرقند سے آکر قادیان نامی ایک بستی میں آباد ہو گیا تھا۔ اس خاندان کا تعلق ترکوں کی مغل شاخ کے خانوادۂ تیموری سے بتایا جاتا ہے، لیکن خود مرزا غلام احمد نے پہلے اپنے آباؤ اجداد کے حوالہ سے اس نسب نامہ کا اقرار کیا اور بعد میں اپنی نام نہاد وحی کے حوالہ سے نہ صرف خود کو فارسی النسل بتایا بلکہ اپنا مادری سلسلہ بنی فاطمہ کے ذریعہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم سے جوڑ دیا۔" (چہ نسبت خاک را بعالم پاک)

۲۔ "مرزا غلام احمد نے اپنی زندگی نہایت تنگدستی اور عسرت کے عالم میں شروع کی۔ اس زمانہ میں جب کہ مسلمانوں کو سرکاری ملازمت نہایت مشکل سے ملتی تھی مرزا کو پچیس سال کی عمر میں (بن پڑھا لکھا ہونے کے باوجود) سیالکوٹ کی کچہری میں پندرہ رُوپے ماہوار کی نوکری مل گئی .... وہ اس ملازمت پر چار سال ۱۸۶۴ء سے ۱۸۶۸ء تک رہا۔ ملازمت کے دوران اس نے انگریزی کی چند ابتدائی کتابیں

پڑھ کر قانون کا امتحان دینا چاہا، لیکن اس کو ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔"

۳۔ "باپ کے مرنے کے بعد مرزا کی زندگی کا سب سے اہم مسئلہ روزی کا حصول تھا۔۔۔۔ لیکن ادھر اس کے دعوٰں کا ظاہر ہونا تھا کہ اُدھر اُس کا معیارِ زندگی بلند ہونا شروع ہو گیا۔ اُس نے اپنے جاہل پیروکاروں میں جو مذہبی لیڈری حاصل کر لی تھی۔ اُس کے ذریعے اس کی معیشت کافی سے زیادہ حد تک سُدھر گئی۔ اب اس پر مال و دولت کے دروازے کھل گئے اور غریبوں کی جیبوں سے، اس کے دعاوی سے دھوکہ کھا جانے والے متوسط طبقہ کے لوگوں سے اور نہ جانے کہاں کہاں سے دنیاوی مال و اسباب کی بارش ہونے لگی۔ یہ سب کچھ اس مادی مدد کے علاوہ تھا جو انگریزی حکومت اس کو اور اس کے پیروکاروں کو بہم پہنچاتی تھی۔ یہ لوگ فوج، پولیس، عدلیہ اور دُوسرے حکومتی شعبوں میں بے شمار بڑے بڑے مناصب حاصل کر لیتے تھے۔"

۴۔ "مرزا غلام احمد کی تصویر اگر کوئی شخص دیکھے جو عام طور پر اس کی کتابوں کے شروع میں موجود ہوتی ہے، تو اس کو ایک ضعیف و نزار اور بیمار شخص نظر آئے گا جس پر تھکن۔ بے وقوفی اور کند ذہنی کے آثار نمایاں ہیں۔۔۔۔ اس شخص کی کند ذہنی، بے وقوفی اور عبادت کا یہ عالم تھا کہ اس کو دائیں اور بائیں جُوتے کا پتا نہ چلتا تھا۔ یہاں تک کہ اس کو ان دونوں میں فرق کرنے کے لیے روشنائی سے نشانی لگانی پڑتی تھی۔ وہ استنجے کے ڈھیلے۔ جن کی اس کو کثرتِ پیشاب کے باعث بار بار ضرورت پڑتی تھی۔ شکر کے ٹکڑوں کے ساتھ ______ جن کو وہ بڑے شوق سے کھاتا تھا۔ ایک ہی جیب میں رکھ لیا کرتا تھا۔ نوجوانی میں اس شخص کو ہسٹریا اور مراق کا مرض بھی رہ چکا تھا۔ اس کے علاوہ اسے کو شدید اعصابی دورے بھی پڑتے تھے جن کی وجہ سے وہ کبھی بیہوش ہو جاتا اور کبھی غش کھا کر گر پڑتا تھا۔ اس طرح وہ عمر بھر ذیابیطس کا مریض رہا۔ دوران سر کی شکایت ان سب کے علاوہ تھی۔"

۵۔ "ان سب امراض کے ساتھ ساتھ ان صاحب کے سر میں مذہبی لیڈرشپ حاصل کر لینے کا سودا بھی سما گیا اور یہ بات اس کے اوہام و خیالات میں جڑ پکڑنے لگی، اب وہ عالمِ اسلام پر غلبہ حاصل کر نے لینے کے خواب دیکھنے لگا اور معمولی مذہبی لیڈرشپ سے بڑھ کر نبوت کے نام سے یہ کاروبار شروع کر دیا۔ اس سلسلہ میں اُس نے اپنی گندی زبان، مخالفین کی شان میں سخت ہجو کے استعمال

مہمل الہامات کے چند نمونے

۱۔ تو ہمارے پانی سے ہے اور وہ بزدلی سے ہیں۔ (انجام آتھم صہ ۵۵)

۲۔ بابو الٰہی بخش چاہتا ہے کہ تیرا حیض دیکھے۔ (تتمہ حقیقت الوحی صہ ۱۴۳)

۳۔ اتنے میں تین فرشتے آسمان سے آئے۔ ایک کا نام خیراتی تھا۔ (حیات النبی ج اوّل صہ ۹۵)

۴۔ خدا کی فیلنگ اور خُدا کی مُہر نے کتنا بڑا کام کیا۔ (حقیقت الوحی صہ ۹۶)

۵۔ ربنا عاج۔ ہمارا رب عاجی ہے۔ (براہین ج ۴ صہ ۵۲۳)

۶۔ پریشن۔ عمر۔ پراطوس یعنی پڑاطوس یعنی پلاطوس۔ (مکتوبات احمدیہ ج ۱ صہ ۶۸)

کے علاوہ معاصر علماء، اللہ کے نیک بندوں اور عام مسلمانوں کو گالیاں دینا اپنا شیوہ بنالیا۔۔۔۔ ایک طرف وہ اپنی لیڈری اور نبوّت کے سہانے خوابوں اور اپنے اوہام و خرافات کی دُنیا میں آباد تھا، دُوسری طرف اس میں نبوّت تو کُجا معمولی قیادت اور لیڈرشپ کے بنیادی اوصاف بھی مفقود تھے۔ سچائی اور راست گفتاری کا عنصر اس شخص میں نام کو نہ تھا۔

ومن اظلم ممن افتریٰ علی اللہ کذبا او قال اُوحی الی ولم یوح الیہ شئ ومن قال سانزل مثل ما انزل اللہ اور اس شخص سے زیادہ ظالم آخر کون ہوسکتا ہے جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ افتراء کرے یا یہ کہتا پھرے کہ مجھ پر وحی آئی ہے۔ درآں حالیکہ اس پر کچھ بھی وحی نہیں اُتاری گئی۔ اسی طرح اُس شخص سے بڑا ظالم بھی کون ہوسکتا ہے جو کہے کہ میں بھی وحی اتار سکتا ہوں جیسی کہ اللہ تعالیٰ نے اتاری ہے"۔

۶۔ قادیانیت کی پوری تاریخ اور ان لوگوں کے معتقدات پر بحث کرتے ہُوئے فاضل مصنف جناب حسن عیسےٰ عبدالظاہر حکیم الامت حضرت علامہ اقبال مرحوم کی رائے سے کامل اتفاق کرتے ہُوئے لکھتے ہیں:

"اس مسئلہ کا قطعی حل علمائے اسلام کی رائے میں یہی ہے کہ قادیانیوں کو اسلامی معاشرہ سے الگ کردیا جائے اور حکومت اُن کے ساتھ غیر مسلم اقلیت کا سا سلوک کرے"۔ یہ رائے سب سے پہلے علامہ ڈاکٹر محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے پیش کی۔ انہوں نے پوری قوت اور صراحت سے یہ مطالبہ کیا اور اپنے لیکچروں، تقریروں، مضامین، مقالات، بیانات اور خطوط میں اس مطالبہ کو دہرایا۔ اُنہوں نے فرمایا کہ قادیانی اسلام سے کہیں زیادہ دُور ہیں بہ نسبت اس دوری کے جو سکھوں اور ہندوؤں میں ہے، جبکہ انگریزی حکومت نے سکھوں کو ہندوؤں سے الگ ایک اقلیت قرار دے رکھا ہے۔ حالانکہ سکھ اقلیت اور ہندوؤں کے مابین معاشرتی، مذہبی اور ثقافتی روابط و تعلقات موجود ہیں۔ وہ آپس میں شادیاں بھی کرتے ہیں، جبکہ قادیانی مسلمانوں کے ہاں (اور مسلمان قادیانیوں کے ہاں) شادی بیاہ کرنے اور سسرالی رشتے قائم کرنے کو حرام سمجھتے ہیں۔ قادیانیت کے بانی نے اپنے پیروکاروں کو مسلمانوں سے ہر قسم کے تعلقات کی ممانعت کرتے ہُوئے کہا تھا کہ مسلمان خراب اور فاسد دودھ ہیں جبکہ ہم تازہ دُودھ ہیں"۔

جامعہ ازہر کا ایک تاریخی فتوےٰ

مضمون ختم کرنے سے قبل مناسب ہے کہ جامعہ ازہر کے اس تاریخی فتوے کا بھی ذکر کردیا جائے جو آج سے ۳۵ سال قبل قادیانیت کے بارے میں اس عظیم اسلامی ادارہ سے جاری ہُوا تھا۔ جامعہ ازہر عالم اسلام کی قدیم ترین درسگاہوں میں سے ہے اور وہاں کے علماء کی دینی آراء کو عالم اسلام میں بڑی قدر و منزلت سے دیکھا جاتا ہے۔ ۱۹۳۹ء میں قادیانیوں نے کوشش کی کہ کسی نہ کسی طرح جامعہ ازہر کے علماء سے اپنی تائید میں فتویٰ حاصل کرلیا جائے۔ اس گروہ کا خیال تھا کہ اگر کسی نہ کسی طرح دھوکہ دہی اور سخن سازیوں کے ذریعے ازہر سے کوئی تحریر ایسی حاصل کرلی جائے جس سے قادیانیوں کی حمایت کا پہلو نکلتا ہو یا نکالا جاسکتا ہو تو دُنیا کے بہت سے ناخواندہ مسلم عوام کو بہکانے پھسلانے کا بڑا ہتھیار میسر آجائے گا۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے اوّل اوّل دو قادیانی مبلّغوں کو مصر بھیجا اور اُن کو طالب علم کی حیثیت سے جامعہ ازہر کے کلیۂ اصول الدین میں داخل کرا دیا۔ کلیۂ اصول الدین میں داخلہ حاصل کرتے ہی ان دونوں

باقی صہ ۱۳۱ پر

تحریر : عابد نظامی

پس خدا بر ما شریعت ختم کرد — بر رسولِ ما رسالت ختم کرد
رونق از ما محفلِ ایام را — اُو رُسل را ختم و ما اقوام را
خدمتِ ساقی گری باما گزاشت — داد مارا آخریں جامے کہ داشت
لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ ز احسانِ خدا است — پردۂ ناموسِ دینِ مُصطفےٰ است
قوم را سرمایۂ قوت ازو — حفظ سِرِّ وحدتِ ملت ازو
حق تعالیٰ نقشِ ہر دعویٰ شکست — تا ابد اسلام را شیرازہ بست
دل زغیر اللہ مُسلماں برکند — نعرۂ لَا قَوْمَ بَعْدِیْ مے زند

(اسرار و رموز صہ ۱۱۸)

۱۷۹۹ء میں سُلطان ٹیپو کی شہادت کے بعد اگرچہ انگریزوں نے سُکھ کا سانس لیا تھا، لیکن مسلمانوں کے جذبۂ جہاد سے وہ اب بھی سخت خائف تھے۔ انگلستان میں انگریزوں کے بڑے بڑے مدبر سر جوڑ کر بیٹھتے اور سوچتے کہ مسلمانوں کے ہوتے ہوئے ہندوستان میں چین سے حکومت کرنی مشکل ہے کیونکہ آزادی حاصل کرنے کی خاطر وہ بار بار جنگ کے لیے اُٹھتے ہیں اور اس جنگ کو جہاد سمجھتے ہیں، جو ان کے دین میں نماز اور روزہ کی طرح فرض ہے۔

۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں بھی مسلمان پیش پیش تھے۔ اور اگرچہ انگریزوں نے حالات پر قابو پانے کے بعد ان بہادر مسلمانوں کو چُن چُن کر گولیوں کا نشانہ بنا دیا۔ جنہوں نے تحریکِ آزادی میں نمایاں حصّہ لیا تھا؛ تاہم انگریزوں کے دل ابھی "جہاد" کے خوف سے لرزاں تھے۔ اس مقصد کے لیے اُنہوں نے پنجاب سے ایک ایسے آدمی کو تیار کرنے کا منصوبہ بنایا جو مسلمانوں سے اس جذبۂ جہاد کو ختم کر دے۔ یہ قُرعہ انگریزوں کے ایک نمک خوار مرزا غلام احمد قادیانی کے نام نکلا جس نے پہلے مسیح موعود اور پھر نبی ہونے کا دعویٰ کر دیا اور کہا کہ میری نبوّت میں جہاد کرنے کا حکم منسوخ کر دیا گیا ہے۔ اب صغیر کے لوگوں کو انگریزی حکومت کا وفادار بن کر رہنا چاہیے ؎

اب چھوڑ دو اے دوستو جہاد کا خیال — دیں کے لیے حرام ہے اب جنگ اور قتال

(درثمین : از مرزا قادیانی)

آغا شورش کاشمیری اس روایت کے ذمہ دار ہیں کہ کتاب "THE ARRIVAL OF BRITISH EMPIRE IN INDIA" میں درج ہے کہ:

"۱۸۶۹ء میں انگلینڈ سے برطانوی مدبروں اور مسیحی رہنماؤں کا ایک وفد اس بات کا جائزہ لینے کے لیے ہندوستان پہنچا کہ ہندوستانی باشندوں میں برطانوی سلطنت سے وفاداری کا بیج کیوں کر بویا جا سکتا ہے اور مسلمانوں کو رام کرنے کی صحیح ترکیب کیا ہو سکتی ہے؟ ...... اس وفد نے ۱۸۷۰ء میں دو رپورٹیں پیش کیں جن میں کہا گیا ہے کہ ہندوستانی مسلمانوں کی اکثریت اپنے روحانی رہنماؤں کی اندھا دھند پیروکار ہے اگر اس وقت ہمیں کوئی ایسا آدمی مل جائے جو اپاسٹالک پرافٹ (حواری نبی) ہونے کا دعویٰ کرے تو بہت سے لوگ اس کے گرد اکٹھے ہو جائیں گے، لیکن مسلمانوں میں ایسے شخص کو ترغیب دینا مشکل نظر آتا ہے۔ یہ مسئلہ حل ہو جائے، تو پھر ایسے شخص کی نبوت کو حکومت کی سرپرستی میں بطریقِ احسن پروان چڑھایا جا سکتا ہے۔ اب ہم پورے ہندوستان پر قابض ہیں، تو ہمیں ہندوستانی عوام بالخصوص مسلمان جمہور کی داخلی بے چینی اور باہمی انتشار کو ہوا دینے کے لیے اس قسم کے عمل کی ضرورت ہے۔ (بحوالہ عجمی اسرائیل ص ۱۹)

بہرحال واقعہ کچھ بھی ہو مرزا صاحب نے (جو خود اپنے بیان کے مطابق انگریزوں کا خود کاشتہ پودا ہیں)، ۱۹۰۰ء میں دعویٰ نبوت کر دیا اور اپنی پوری توجہ جہاد کی منسوخی اور انگریزوں کی اطاعت کی طرف مبذول کر دی۔ خود لکھتے ہیں:

"میں نے ممانعت جہاد اور انگریزی اطاعت کے بارے میں اس قدر کتابیں لکھی ہیں اور اشتہار شائع کیے ہیں کہ اگر وہ رسائل اور کتابیں اکٹھی کی جائیں تو پچاس الماریاں ان سے بھر سکتی ہیں۔"

(تریاق القلوب ص ۱۵ مرزا غلام احمد قادیانی مطبوعہ ۱۹۰۲)

اسی طرح "ستارہ قیصرہ" میں لکھا ہے:

"مجھ سے سرکار انگریزی کے حق میں جو خدمت ہوئی وہ یہ تھی کہ میں نے پچاس ہزار کے قریب کتابیں اور رسائل اور اشتہارات چھپوا کر اس ملک اور نیز دوسرے بلادِ اسلام میں اس مضمون کے شائع کیے کہ گورنمنٹ انگریزی ہم مسلمانوں کی محسن ہے۔ لہٰذا ہر ایک مسلمان کا یہ فرض ہونا چاہیے کہ اس گورنمنٹ کی سچی اطاعت کرے اور دل سے اس دولت کا شکر گزار اور دعاگو رہے اور یہ کتابیں میں نے مختلف زبانوں یعنی اردو، فارسی، عربی میں تالیف کر کے اسلام کے تمام ملکوں میں پھیلا دیں اور یہاں تک کہ اسلام کے دو مقدس شہروں مکے اور مدینے میں بھی بخوشی شائع کر دیں اور روم کے پایۂ تخت قسطنطنیہ اور بلاد شام اور مصر اور کابل اور افغانستان کے متفرق شہروں میں جہاں تک ممکن تھا اشاعت کر دی جس کا نتیجہ ہوا کہ لاکھوں انسانوں نے جہاد کے وہ غلیظ خیالات چھوڑ دیئے جو نافہم ملاؤں کی تعلیم سے ان کے دلوں میں تھے۔ یہ ایک ایسی خدمت مجھ سے ظہور میں آئی کہ مجھے اس بات پر فخر ہے کہ برٹش انڈیا کے تمام مسلمانوں میں سے اس کی نظیر کوئی مسلمان دکھلا نہیں سکتا۔"

(ستارہ قیصرہ ص ۷ مرزا غلام احمد قادیانی)

مرزا قادیانی کے دعوئ نبوت کرتے ہی علمائے اسلام میدانِ عمل میں اتر آئے اور پنجاب کے اس جھوٹے نبی سے اُمتِ محمدیہ کو محفوظ و مامون رکھنے کے لیے سر دھڑ کی بازی لگا دی۔ اُنہوں نے مرزا قادیانی سے مناظرے کیے اور ہمیشہ بھرے مجمع میں اسے

دلائل کی قوت سے ذلیل کیا علمائے کرام نے مرزا کے ردّ میں کتابیں لکھیں تاکہ پڑھے لکھے لوگ اس کی جھوٹی نبوت کے شر سے محفوظ رہیں۔ دوسری طرف انگریزی خواں طبقے کے سامنے ختم نبوت کے مسئلے کو جدید رنگ میں پیش کرنے کا شرف حضرت علامہ محمد اقبال کو حاصل ہوا جنھوں نے قادیانیت کو نہ صرف برصغیر میں بے نقاب کیا، بلکہ یورپ میں بھی اس کے خلاف پوری قوت سے آواز بلند کی۔

علامہ اقبال کی رائے میں اگر مرزا قادیانی نبوّت کا دعویٰ نہ بھی کرتا اور صرف جہاد کی مخالفت ہی پر اکتفا کرتا تو تب بھی وہ اُمّت محمدیہ میں شامل نہیں رہ سکتا تھا کیونکہ فرضیت جہاد کا حکم قرآنِ حکیم میں موجود ہے اور قرآن حکیم کی کسی نص کا انکار ہی دائرہ اسلام سے خارج کر دیتا ہے۔ علامہ کے نزدیک ایسی نبوّت "برگِ حشیش" کی مانند ہے جس کے عناصر میں قوت و شوکت (یعنی جہاد) کا پیام نہ ہو۔ ؎

وہ نبوّت ہے مسلماں کے لیے برگِ حشیش　　جس نبوّت میں نہیں قوت و شوکت کا پیام

(ضرب کلیم)

مرزا قادیانی کی نبوت کا دُوسرا بڑا مقصد برصغیر میں رہنے والوں کو انگریزی حکومت کا وفادار بنانا تھا، ان پر خدا کی طرف سے جو "الہام" ہوتے تھے وہ ہمیشہ انہی دو مقاصد کی خاطر ہوتے تھے یا پھر اُن کی اپنی تعریف میں۔ حیرت ہے کہ مرزا صاحب کی "نبوّت" کے دوران ایک "وحی" بھی ایسی نہیں اُتری جس میں اُن کے ماننے والوں کے لیے کسی معاشی، عمرانی یا معاشرتی ہدایت کا ذکر ہو۔ ان پر نازل ہونے والا فرشتہ "ٹیچی ٹیچی" ہمیشہ انگریزوں سے وفاداری کا پیغام لے کر آتا تھا۔ علامہ اقبال نے ٹھیک کہا تھا ؎

فتنۂ ملّت بیضا ہے امامت اس کی　　جو مسلماں کو سلاطیں کا پرستار کرے (ضربِ کلیم)

ملّت کا وجود وحدت افکار کی بدولت قائم ہے، لیکن مرزا صاحب کی نبوّت اس وحدت کو فنا کرنے کے درپے تھی۔ حضرت علامہ کے نزدیک ہر ایسا الہام جو مسلمانوں کی وحدت کو پارہ پارہ کرے، الحاد کا حکم رکھتا ہے۔ ؎

ہے زندہ فقط وحدتِ افکار سے ملّت　　وحدت ہو فنا جس سے وہ الہام بھی الحاد

(ضرب کلیم)

محکوم کے الہام سے اللہ بچائے　　غارت گرِ اقوام ہے وہ صورتِ چنگیز

(ضرب کلیم)

اور ایک شعر میں مرزا قادیانی کے تمام عالم اسلام کو کافر قرار دینے کی طرف اشارہ کرتے ہُوئے فرماتے ہیں ؎

پنجاب کے اربابِ نبوّت کی شریعت　　کہتی ہے کہ یہ مومنِ پارینہ ہے کافر

(ضرب کلیم)

علامہ ابنِ خلدون لکھتے ہیں کہ مسلمانوں میں سب سے پہلا اجماع مسئلہ ختم نبوّت کے تحفظ پر ہوا اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے زمانۂ خلافت میں سینکڑوں صحابہ و تابعین نے جن کی اکثریت حفاظ قرآن پر مشتمل تھی، اپنے مقدس خون کا نذرانہ دے کر

اس "پردۂ ناموس دین مصطفےٰ" اور "سرّ وحدتِ ملت" کی محافظت کا فرض ادا کیا - مرزائیوں کے بارے میں علامہ اقبال کی رائے عین شریعت کے مطابق تھی - وہ مسیلمہ کے ہر جانشین کے مقابلے میں اسوۂ صدیقی پر عمل پیرا ہونا لازمی سمجھتے تھے - چنانچہ ایک صاحب کو ختم نبوّت کا مسئلہ سمجھاتے ہُوئے لکھتے ہیں :

" ختم نبوّت کے معنی یہ ہیں کہ کوئی شخص بعد اسلام اگر یہ دعویٰ کرے کہ مجھے الہام وغیرہ ہوتا ہے اور میری جماعت میں داخل نہ ہونے والا کافر ہے' تو وہ شخص کاذب ہے اور واجب القتل۔ مسیلمہ کذاب کو اسی بنا پر قتل کیا گیا ، حالانکہ جیسا طبری لکھتا ہے وہ حضور رسالتمآب (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نبوّت کا مصداق تھا اور اس کی اذان پر حضور رسالتمآب (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نبوت کی تصدیق تھی ۔" (انوار اقبال صہ ۴۵ ، مرتبہ بشیر احمد ڈار)

علامہؒ کو بدنام کرنے کی مہم

قادیانی حضرت علامہ کی ایک تقریر "ملتِ بیضا پر ایک عمرانی نظر" کے ایک جملے کو بہت اُچھالتے ہیں اور کہتے ہیں کہ علامہ قادیانی تحریک کو ٹھیٹھ اسلامی تہذیب کا نمونہ سمجھتے تھے - حالیہ تحریک ختم نبوّت (۱۹۷۴ء) میں بھی قادیانیوں نے علامہ کے اس جملہ کو ہزارہا کی تعداد میں چھپوا کر مسلمانوں میں پھیلایا اور انہیں گمراہ کرنے کی کوشش کی - حالانکہ اس جملے کے بارے میں خود حضرت علامہ کی وضاحت موجود ہے - فرماتے ہیں :

"جہاں تک مجھے یاد ہے ' یہ تقریر میں نے ۱۹۱۱ء یا اس سے قبل کی تھی اور مجھے یہ تسلیم کرنے میں کوئی باک نہیں کہ اب سے ربع صدی پیشتر[1] مجھے اس تحریک سے اچھے نتائج کی اُمید تھی ..... لیکن کسی مذہبی تحریک کی اصل رُوح ایک دن میں نمایاں نہیں ہوتی - اچھی طرح ظاہر ہونے کے لیے برسوں چاہئیں - تحریک کے دو گروہوں (قادیانی اور لاہوری) کے باہمی نزاعات اس امر پر شاہد ہیں کہ خود ان لوگوں کو جو بانی تحریک کے ساتھ ذاتی رابطہ رکھتے تھے معلوم نہ تھا کہ تحریک آگے چل کر کس راستہ پر پڑ جائے گی ؟ ذاتی طور پر میں اس تحریک سے اس وقت بیزار ہوا تھا ، جب ایک نئی نبوت ــــ بانیٔ اسلام کی نبوت سے اعلیٰ تر نبوّت ــــ کا دعویٰ کیا گیا اور تمام مسلمانوں کو کافر قرار دیا گیا - بعد میں یہ بیزاری بغاوت کی حد تک پہنچ گئی جب میں نے تحریک کے ایک رُکن کو اپنے کانوں سے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے متعلق نازیبا کلمات کہتے سنا - درخت جڑ سے نہیں پھل سے پہچانا جاتا ہے - اگر میرے موجودہ رویہ میں کوئی تناقض ہے تو یہ بھی ایک زندہ اور سوچنے والے انسان کا حق ہے کہ وہ اپنی رائے بدل سکے - بقول ایمرسن صرف پتھر اپنے آپ کو نہیں جھٹلا سکتے ۔"

(حرفِ اقبال صہ ۱۲۳-۱۲۲ - مرتبہ لطیف احمد شروانی)

مرزا کے دعویٰ نبوّت سے قبل بعض مسلمان اُسے اسلام کا مخلص اور مسلمانوں کا بہی خواہ خیال کرتے تھے - خود حضرت علامہ

---

[1] " ربع صدی پیشتر " کے لفظ پر غور فرمایئے اس سے صاف ظاہر ہے کہ مرزا کے دعویٰ نبوّت سے بہت پہلے علامہ کو ایسا گمان تھا - (عابد نظامی)

کے بعض رشتہ دار حتیٰ کہ ان کے والد (شیخ نور محمد) اور بڑے بھائی (شیخ عطا محمد) بھی مرزا غلام احمد سے متاثر تھے اور عیسائیوں سے مناظرہ کرنے کے لیے اس کی مالی امداد بھی کرتے تھے، مگر جب مرزا کے مخفی عزائم و دعاوی بے نقاب ہوئے اور مسلمانوں کا سوادِ اعظم اس سے الگ ہو گیا، تو علامہ کے والد اور دوسرے رشتہ داروں نے بھی مرزا سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔ اس کا ثبوت ہمیں خود مرزائیوں کے ہاں سے دستیاب ہوتا ہے۔ سیرت المہدی کی یہ عبارت ملاحظہ فرمائیے:

"ڈاکٹر سر محمد اقبال جو سیالکوٹ کے رہنے والے تھے، اُن کے والد کا نام شیخ نور محمد تھا۔۔۔۔ شیخ نور محمد صاحب نے غالباً ۱۸۹۱ء یا ۱۸۹۲ء میں مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم اور سید حامد شاہ صاحب مرحوم کی تحریک پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیعت کی تھی، ان دنوں سر محمد اقبال سکول میں پڑھتے تھے اور اپنے باپ کی بیعت کے بعد وہ بھی اپنے آپ کو احمدیت میں شمار کرتے تھے اور حضرت مسیح موعود کے معتقد تھے۔ چونکہ سر اقبال کو بچپن سے شعر و شاعری کا شوق تھا۔ اس لیے ان دنوں میں انہوں نے سعداللہ لدھیانوی کے خلاف حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تائید میں ایک نظم بھی لکھی تھی مگر اس کے چند سال بعد جب سر اقبال کالج میں پہنچے، تو اُن کے خیالات میں تبدیلی آ گئی اور انہوں نے اپنے باپ کو سمجھا بجھا کر احمدیت سے منحرف کر دیا۔ چنانچہ شیخ نور محمد صاحب نے حضرت مسیح موعود کی خدمت میں ایک خط لکھا، جس میں تحریر کیا کہ — آپ میرا نام اس جماعت سے الگ رکھیں۔ اس پر حضرت صاحب کا جواب میر حامد شاہ صاحب مرحوم کے نام گیا جس میں لکھا تھا کہ شیخ نور محمد کو کہہ دیں کہ وہ جماعت سے ہی الگ نہیں بلکہ اسلام سے بھی الگ ہیں۔۔۔۔۔ ڈاکٹر سر محمد اقبال اپنی زندگی کے آخری ایام میں (احمدیت کے) شدید طور پر مخالف رہے اور ملک کے نو تعلیم یافتہ طبقہ میں احمدیت کے خلاف جو زہر پھیلا ہوا ہے اس کی بڑی وجہ ڈاکٹر سر محمد اقبال کا مخالفانہ پراپیگنڈا تھا۔"[1]

(سیرت المہدی جلد ۳ صفحہ ۲۴۹ مرزا بشیر احمد ایم اے طبع اول اپریل ۱۹۳۹ء)

مرزا غلام احمد قادیانی کے ایک بیٹے کی تحریر آپ پڑھ چکے ہیں۔ اب دوسرے بیٹے مرزا بشیر الدین محمود کا بیان بھی پڑھ لیجیے جس سے معلوم ہو جائے گا کہ علامہ اقبال قادیانیوں کی مخالفت کی وجہ سے انہیں کس قدر "ناپسند" تھے:

"اللہ تعالیٰ اپنی مشیت کے ماتحت جماعت احمدیہ کے مخلصین کے اخلاص کو اور بھی زیادہ ظاہر کرنے کے ارادے سے نئے نئے لوگوں کو ہمارے مخالفوں کی صف میں لا کھڑا کر رہا ہے۔ پہلے احراری اٹھے۔ پھر اُمراء۔ پھر پیروں۔ گدی نشینوں اور اخبار نویسوں کی ایک جماعت — ہندوستان کے سیاسی لیڈر ابھی تک خاموش تھے — اسی طرح اعلیٰ عہدیدار خاموش تھے یا کم از کم ظاہر میں خاموش تھے، لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ یہ طوفان مخالفت فرو ہونے میں نہیں آتا اور بڑھتا ہی چلا جاتا ہے، تو انہوں نے کہا کہ ہم پیچھے کیوں رہیں؟ اس خیال کا آنا تھا کہ سر مرزا ظفر علی صاحب نے ایک بیان شائع کر دیا۔ پھر ڈاکٹر سر اقبال کو خیال آ گیا کہ میں پیچھے کیوں رہوں۔"

(الفضل قادیان ۳۰ مئی ۱۹۳۵ء بحوالہ پنجاب کی سیاسی تحریکیں صفحہ ۲۱۷۔ عبداللہ ملک)

---

[1] نقل کفر کفر نباشد۔

مگر قادیانی اپنے "نبی زادوں" کی ان تحریروں کے باوجود مسلمانوں میں گمراہی پھیلاتے ہیں اور علامہ کی شدید مخالفت سے صرف نظر کرتے ہوئے اُن کی تقریر کے ایک جملے کو توڑ مروڑ کر لوگوں میں پھیلاتے ہیں۔ اسے نرم سے نرم الفاظ میں ہم شرارت ہی کہہ سکتے ہیں۔

کشمیر کمیٹی سے استعفا کی وجہ

۳۳ء میں جب مرزا بشیر الدین محمود نے کشمیر کمیٹی کو اپنے جماعتی مقاصد کے لیے استعمال کرنا شروع کر دیا، تو علامہ فوراً کشمیر کمیٹی سے علیحدہ ہو گئے۔ انہوں نے اپنے استعفا میں صاف صاف لکھا کہ:

..... واقعات سے یہ امر بالکل واضح ہو گیا ہے کہ وہ ادارہ جس کو قادیانی اخبارات تحریک کشمیر کے نام سے موسوم کرتے ہیں اور جس میں بقول قادیانی اخبار "الفضل" مسلمانوں کو صرف رسمی طور پر شرکت کی اجازت دی گئی تھی۔ اغراض و مقاصد کے لحاظ سے آل انڈیا کشمیر کمیٹی سے بالکل مختلف ہے۔ قادیانی جماعت کے امیر کی جانب سے کئی چٹھیاں جو انہوں نے اپنے کشمیری بھائیوں کے نام لکھی ہیں (غیر قادیانی کشمیری ہونے کی وجہ سے انہیں مسلمانوں کے بجائے بھائی کہا گیا ہے) اس قادیانی تحریک کشمیر کے چند پوشیدہ اغراض کا انکشاف کرتی ہے۔

میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ان حالات کے پیش نظر ایک مسلمان کس طرح ایک ایسی تحریک میں شامل ہو سکتا ہے جس کا اصل مقصد غیر فرقہ داری کی ہلکی سی آڑ میں کسی مخصوص جماعت کا پراپیگنڈا کرنا ہے۔

(حرف اقبال ص ۲۰۴، لطیف احمد شروانی)

مرزائیوں سے اعلان جنگ

مئی ۱۹۳۵ء میں (آل انڈیا کشمیر کمیٹی سے استعفا کے بعد) حضرت علامہ کا ایک بیان ملک کے تمام اردو انگریزی اخبارات میں شائع ہوا، جس نے قادیانیت کے در و بام کو ہلا کر رکھ دیا۔ علامہ کا یہ بیان اصل میں مرزائیوں سے کھلا کھلا اعلان جنگ تھا۔ ان کی نگاہِ بصیرت دیکھ رہی تھی کہ آئندہ چل کر یہ جماعت مسلمانوں کو سیاسی لحاظ سے سخت نقصان پہنچائے گی۔ ان کے طویل بیان کے چند حصے ملاحظہ فرمائیں:

"قادیانیوں اور جمہور مسلمانوں کے نزاع نے نہایت اہم سوال پیدا کر دیا ہے۔ ہندوستان کے مسلمانوں نے حال ہی میں اس کی اہمیت کو محسوس کرنا شروع کیا .....

یہ ظاہر ہے کہ اسلام جو تمام جماعتوں کو ایک رسّی میں پرونے کا دعویٰ رکھتا ہے۔ ایسی تحریک کے ساتھ کوئی ہمدردی نہیں رکھ سکتا جو اس کی موجودہ وحدت کے لیے خطرہ ہو اور مستقبل میں انسانی سوسائٹی کے لیے مزید افتراق کا باعث بنے ——— قبل اسلام مُوبدیت نے حال ہی میں جن دو صورتوں میں جنم لیا ہے میرے نزدیک ان میں بہائیت، قادیانیت سے کہیں زیادہ مخلص ہے، کیونکہ وہ کھلے طور پر اسلام سے باغی ہے لیکن مؤخر الذکر اسلام کی چند نہایت اہم صورتوں کو ظاہری

طور پر قائم رکھتی ہے، لیکن باطنی طور پر اسلام کی رُوح اور مقاصد کے لیے مہلک ہے۔ اس کا حاسد خدا کا تصور جس کے پاس دشمنوں کے لیے لاتعداد زلزلے اور بیماریاں ہوں، اس کا نبی کے متعلق نجومی کا تخیل اور کا روحِ مسیح کے تسلسل کا عقیدہ وغیرہ۔ یہ تمام چیزیں اپنے اندر یہودیت کے اتنے عناصر رکھتی ہیں گویا یہ تحریک ہی یہودیت کی طرف رجوع ہے ....

ہندی مسلمانوں نے قادیانیوں کی تحریک کے خلاف جس شدت احساس کا ثبوت دیا ہے۔ وہ جدید اجتماعیات کے طالب علم پر واضح ہے۔ عام مسلمان جسے پچھلے دن سول اینڈ ملٹری گزٹ میں ایک صاحب نے مُلّا زدہ کا خطاب دیا تھا، اس تحریک کے مقابلے میں حفظِ نفس کا ثبوت دے رہا ہے۔ اگرچہ اُسے ختم نبوت کے عقیدے کی پُوری سمجھ نہیں۔ نام نہاد تعلیم یافتہ مسلمانوں نے ختم نبوت کے تمدنی پہلو پر کبھی غور نہیں کیا اور مغربیت کی ہوا نے انہیں حفظِ نفس کے جذبہ سے بھی عاری کر دیا ہے بعض ایسے ہی نام نہاد تعلیم یافتہ مسلمانوں نے اپنے مسلمان بھائیوں کو رواداری کا مشورہ دیا ہے اگر سر ہربرٹ ایمرسن (گورنر پنجاب) مسلمانوں کو رواداری کا مشورہ دیں تو میں انہیں معذور سمجھتا ہوں کیونکہ موجودہ زمانے کے فرنگی کے لیے جس نے بالکل مختلف تمدن میں پرورش پائی ہو، اس کے لیے اتنی گہری نظر پیدا کرنی دشوار ہے کہ وہ ایک مختلف تمدن رکھنے والی جماعت کے اہم مسائل کو سمجھ سکے ....

کیا یہ مناسب ہے کہ اصل جماعت کو رواداری کی تلقین کی جائے حالانکہ اس کی وحدت خطرہ میں ہو اور باغی گروہ کو تبلیغ کی پُوری اجازت ہو اگرچہ وہ تبلیغ دشنام سے لبریز ہو۔ (حرف اقبال صہ ۱۱۹/۱۱۳ لطیف احمد شروانی)

حضرت علامہ کا یہ بیان ۱۴ مئی ۱۹۳۵ء کے اسٹیٹسمین (دہلی) میں شائع ہوا، تو اس نے ساتھ ہی ایک تنقیدی اداریہ بھی لکھا۔ جس کے جواب میں علامہ نے فوراً ایک توضیحی بیان جاری کیا جس کے چند اقتباسات یہ ہیں:

"میرے بیان مطبوعہ ۱۴ مئی پر آپ نے تنقیدی اداریہ لکھا۔ اس کے لئے میں آپ کا ممنون ہوں .... میں سمجھتا ہوں کہ قادیانیوں کی تفریق کی پالیسی کے پیشِ نظر جو انہوں نے مذہبی اور معاشرتی معاملات میں ایک نئی نبوت کا اعلان کر کے اختیار کی ہے خود حکومت کا فرض ہے کہ وہ قادیانیوں اور مسلمانوں کے بنیادی اختلافات کا لحاظ رکھتے ہوئے آئینی اقدام اٹھائے اور اس کا انتظار نہ کرے کہ مسلمان کب ان کی علیحدگی کا مطالبہ کرتے ہیں ......

آپ چاہتے ہیں کہ میں واضح کروں کہ حکومت جب کسی جماعت کے مذہبی اختلافات کو تسلیم کرتی ہے تو میں اسے کس حد تک گوارا کر سکتا ہوں۔ سو عرض ہے کہ اولاً اسلام لازماً ایک دینی جماعت ہے جس کے حدود مقرر ہیں۔ یعنی وحدتِ الوہیت پر ایمان۔ انبیاء پر ایمان اور رسول کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ختم رسالت پر ایمان۔ دراصل یہ آخری یقین ہی وہ حقیقت ہے جو مسلم اور غیر مسلم کے درمیان وجۂ امتیاز ہے کہ فرد یا گروہ ملتِ اسلامیہ میں شامل ہے یا نہیں؟ مثلاً برہمو خدا پر یقین رکھتے ہیں اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کا پیغمبر مانتے ہیں، لیکن انہیں ملتِ اسلامیہ میں شمار نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ قادیانیوں کی طرح وہ انبیا کے ذریعہ وحی کے تسلسل پر ایمان رکھتے ہیں اور رسول کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ختم نبوت کو نہیں مانتے۔ جہاں تک مجھے معلوم ہے کوئی اسلامی فرقہ اس حدِ فاصل کو عبور کرنے کی جسارت نہیں کر سکا۔ ایران میں بہائیوں نے ختم نبوت کے اصول کو صریحاً جھٹلایا لیکن ساتھ ہی اُنہوں نے یہ بھی تسلیم کیا کہ وہ الگ جماعت ہیں اور مسلمانوں میں شامل نہیں

ہیں۔ ہمارا ایمان ہے کہ اسلام بحیثیت دین کے خدا کی طرف سے ظاہر ہوا، لیکن اسلام بحیثیت سوسائٹی یا ملت کے رسول کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شخصیت کا مرہون منت ہے۔ میری رائے میں قادیانیوں کے سامنے صرف دو راہیں ہیں یا وہ بہائیوں کی تقلید کریں اور ختم نبوت کے اصول کو صریحاً جھٹلا دیں یا پھر ختم نبوت کی تاویلوں کو چھوڑ کر اس اصول کو اس کے پورے مفہوم کیساتھ قبول کریں، ان کی جدید تاویلیں محض اس غرض سے ہیں کہ ان کا شمار حلقۂ اسلام میں ہو تاکہ انہیں سیاسی فوائد پہنچ سکیں۔

ثانیاً ہمیں قادیانیوں کی حکمت عملی اور دنیائے اسلام سے متعلق ان کے رویے کو فراموش نہیں کرنا چاہیے۔ بانی تحریک نے ملت اسلامیہ کو سڑے دودھ سے تشبیہ دی تھی اور اپنی جماعت کو تازہ دودھ سے، اور اپنے مقلدین کو ملت اسلامیہ سے میل جول رکھنے سے اجتناب کا حکم دیا تھا۔ علاوہ بریں ان کا بنیادی اصولوں سے انکار، اپنی جماعت کا نیا نام (احمدی) مسلمانوں کی قیام نماز سے قطع تعلق، نکاح وغیرہ کے معاملات میں مسلمانوں سے بائیکاٹ اور ان سب سے بڑھ کر یہ اعلان کہ دنیائے اسلام کافر ہے۔ یہ تمام امور قادیانیوں کی علیحدگی پر دال ہیں بلکہ واقعہ یہ ہے کہ وہ اسلام سے اس سے کہیں دور ہیں جتنے سکھ ہندوؤں سے۔ کیونکہ سکھ ہندوؤں سے باہمی شادیاں کرتے ہیں۔ اگرچہ وہ ہندوؤں میں پوجا نہیں کرتے۔

ثالثاً اس امر کو سمجھنے کے لیے کسی خاص ذہانت یا غور و فکر کی ضرورت نہیں ہے کہ جب قادیانی مذہبی اور معاشرتی معاملات میں علیحدگی کی پالیسی اختیار کرتے ہیں تو پھر وہ سیاسی طور پر مسلمانوں میں شامل رہنے کے لیے کیوں مضطرب ہیں؟ علاوہ سرکاری ملازمتوں کے فوائد کے ان کی موجودہ آبادی جو چھپن ہزار ہے انہیں کسی اسمبلی میں ایک نشست بھی نہیں دلا سکتی اور اسلیے انہیں سیاسی اقلیت کی حیثیت بھی نہیں مل سکتی۔ یہ واقعہ اس امر کا ثبوت ہے کہ قادیانیوں نے اپنی جداگانہ سیاسی حیثیت کا مطالبہ نہیں کیا کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ مجالس قانون ساز میں ان کی نمائندگی نہیں ہو سکتی۔ نئے دستور میں ایسی اقلیتوں کے تحفظ کا علیحدہ لحاظ رکھا گیا ہے لیکن میرے خیال میں قادیانی حکومت سے کبھی علیحدگی کا مطالبہ کرنے میں پہل نہیں کریں گے۔ ملت اسلامیہ کو اس مطالبہ کا پورا حق حاصل ہے کہ قادیانیوں کو علیحدہ کر دیا جائے۔ اگر حکومت نے یہ مطالبہ تسلیم نہ کیا تو مسلمانوں کو شک گزرے گا کہ حکومت اس نئے مذہب کی علیحدگی میں دیر کر رہی ہے کیونکہ وہ ابھی اس قابل نہیں کہ چوتھی جماعت کی حیثیت سے مسلمانوں کی برائے نام اکثریت کو ضرب پہنچا سکے۔

حکومت نے ۱۹۱۹ء میں سکھوں کی طرف سے علیحدگی کے مطالبہ کا انتظار نہ کیا، اب وہ قادیانیوں سے ایسے مطالبہ کے لیے کیوں انتظار کر رہی ہے۔" (حرف اقبال صہ ۱۲۶ تا ۱۲۹ لطیف احمد شروانی ایم اے)

حضرت علامہ کا یہ بیان اخبارات میں شائع ہوا تو قادیانیوں کے کئی ہمدرد ان کی طرف سے میدان میں اتر آئے حتیٰ کہ پنڈت جواہر لعل نہرو نے بھی قادیانیوں کی ہمدردی میں "ماڈرن ریویو" کلکتہ میں تین مضامین لکھے۔ علامہ نے علالت کے باوجود پنڈت جی کے جواب میں ایک طویل بیان جاری کیا جس کے چند اہم حصے قابل غور ہیں:

"میں نے قادیانیت کے متعلق جو بیان دیا تھا جس میں ایک مذہبی نظریہ کی محض جدید اصول کے مطابق تشریح کی گئی تھی، اس سے پنڈت جی اور قادیانی دونوں پریشان ہیں۔ غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ مختلف وجوہ کی بنا پر دونوں اپنے دل میں مسلمانان ہند کے مذہبی اور سیاسی استحکام کو پسند نہیں کرتے۔۔۔۔

اسلام کا سیدھا سادا مذہب دو قضایا پر مبنی ہے۔ خدا ایک ہے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس سلسلۂ انبیاء کے آخری نبی ہیں جو وقتاً فوقتاً ہر ملک اور زمانے میں اس غرض سے مبعوث ہوئے تھے کہ نوعِ انسانی کی رہنمائی صحیح طرزِ زندگی کی طرف کریں ....

تحریک احمدیت دو جماعتوں میں منقسم ہے جو قادیانی اور لاہوری جماعتوں کے نام سے موسوم ہے۔ اوّل الذکر جماعت بانیٔ احمدیت کو نبی تسلیم کرتی ہے۔ آخرالذکر نے اعتقاداً یا مصلحتاً قادیانیت کی شدت کو کم کر کے پیش کرنا مناسب سمجھا۔ بہرحال سوال کہ آیا بانیٔ احمدیت ایک نبی تھا اور اس کی تعلیم سے انکار کرنا الحادِ کبیرہ کو مستلزم ہے؟ ان دونوں جماعتوں میں متنازعہ فیہ ہے۔ احمدیوں کے ان گھریلو مناقشات کے محاسن کو جانچنا میرے پیشِ نظر مقصد کے لیے غیر ضروری ہے۔ میرا یقین ہے جس کے وجوہ میں آگے چل کر بیان کروں گا کہ ایسے نبی کا تصور جس کے انکار سے منکر خارج از اسلام ہو جاتا ہے، احمدیت کا ایک لازمی عنصر ہے اور لاہوری جماعت کے امام کے مقابلہ میں قادیانیوں کے موجودہ پیشوا تحریک احمدیت کی رُوح سے بالکل قریب ہیں۔

حضور نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بعد کسی ایسے الہام کا امکان ہی نہیں ہے۔ جس سے انکار کفر کو مستلزم ہو۔ جو شخص ایسے الہام کا دعویٰ کرتا ہے وہ اسلام سے غداری کرتا ہے۔ قادیانیوں کا اعتقاد ہے کہ تحریک احمدیت کا بانی ایسے الہام کا حامل تھا لہٰذا وہ تمام عالم اسلام کو کافر قرار دیتے ہیں۔ خود بانیٔ احمدیت کا استدلال جو قرونِ وسطیٰ کے متکلمین کے لیے زیبا ہو سکتا ہے، یہ ہے کہ اگر کوئی دُوسرا نبی نہ پیدا ہو سکے، تو پیغمبر اسلام کی روحانیت نامکمل رہ جائے گی۔ وہ اپنے دعوے کے ثبوت میں کہ پیغمبر اسلام کی رُوحانیت میں پیغمبر خیز قوت تھی۔ خود اپنی نبوت کو پیش کرتا ہے، لیکن آپ اس سے پھر دریافت کریں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی روحانیت ایک سے زیادہ نبی پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے، تو اس کا جواب نفی میں ہے۔ یہ خیال اس بات کے برابر ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آخری نبی نہیں، مَیں آخری نبی ہوں، اس امر کے سمجھنے کی بجائے کہ ختم کا اسلامی تصور نوعِ انسان کی تاریخ میں بالعموم اور ایشیا کی تاریخ میں بالخصوص کیا تہذیبی قدر رکھتا ہے۔ بانیٔ احمدیت کا خیال ہے کہ ختم نبوت کا تصور ان معنوں میں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا کوئی پیرو نبوت کا درجہ حاصل نہیں کر سکتا، خود محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نبوت کو نامکمل پیش کرتا ہے۔ جب میں بانیٔ احمدیت کی نفسیات کا مطالعہ ان کے دعویٰ نبوت کی روشنی میں کرتا ہوں، تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے دعویٰ کے ثبوت میں پیغمبر اسلام کی تخلیقی قوت کو صرف ایک نبی یعنی تحریک احمدیت کے بانی کی پیدائش تک محدود کر کے پیغمبر اسلام کے آخری نبی ہونے سے انکار کر دیتا ہے۔ اس طرح یہ نیا پیغمبر چپکے سے اپنے روحانی مورث کی ختم نبوت پر متصرف ہو جاتا ہے ......"

(حرفِ اقبال صفحہ ۱۲۹ تا ۱۶۱ لطیف احمد شروانی)

اس بیان کے بعد پنڈت نہرو نے اس موضوع پر حضرت علامہ سے خط و کتابت شروع کی۔ ۲۱ جون ۱۹۳۶ء کے ایک مکتوب میں انہوں نے پنڈت جواہر لعل نہرو کو صاف اور فیصلہ کن انداز میں لکھا کہ:

"مَیں اپنے ذہن میں اس امر کے متعلق کوئی شبہ نہیں پاتا کہ احمدی اسلام اور ہندوستان دونوں کے غدار ہیں۔"[1]

---

[1] THOUGHTS AND REFLECTIONS OF Iqbal. PAGE: 306

تحریکِ ختمِ نبوّت اور مولینا ظفر علی خانؒ

تاریخِ اسلام کے ہر طالب علم کو یہ معلوم ہے کہ رحمۃ للعالمین، شفیع المذنبین، سرورِ کائنات، فخرِ موجودات، سرورِ دوعالم نازشِ عرب وعجم، خیر البشر، ساقیِ کوثر، سیّد الانبیاء، شاہِ دوسرا، دانائے سُبل، مولائے کُل اور ختم الرُّسل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلّم کے بعد جس شخص نے اپنی باطل نبوّت کا دعویٰ کیا، وہ جلد یا بدیر اپنے کیفرِ کردار تک ضرور پہنچا۔

اللہ تعالیٰ کی پاک اور سچی کتاب قرآنِ عظیم کا ضابطہ یہی ہے کہ:

جاء الحق وزھق الباطل اِنَّ الباطِلَ کان زھوقاً

مرزا غلام احمد قادیانی (آنجہانی) سے پہلے تاریخِ اسلام کے اوراق میں جن مدعیانِ نبوّت اور اُن کے انجام بد کا ذکر موجود ہے اُن میں بنو عنس کے سردار اسود عنسی، بنو اسد کے طلیحہ بن خویلد، مسیلمہ بن حبیب عرف مسیلمہ کذّاب اور سجاح بنت الحارث کے نام خصوصاً لوگوں کو معلوم ہیں۔ ان جھوٹے نبیوں کی جھوٹی نبوتوں کا انجام اس قدر عبرتناک تھا کہ صدیوں تک کسی شخص کو یہ جراُت جسارت نہ ہو سکی کہ وہ اپنی جھوٹی نبوت کا دعوےٰ کر کے ختمِ نبوّت کے مضبوط ومستحکم قلعے میں نقب زنی کے بارے میں سوچ بھی سکے لیکن برصغیر پاک وہند میں انگریزوں کے دَورِ غلامی میں اہلِ اسلام کو دانستہ جو نقصانات پہنچائے گئے، اُن میں سب سے بڑا دینی نقصان یہ تھا کہ خود انگریزی حکومت نے مرزائے قادیانی کی گمراہ کن تحریک کو آب ودانہ مہیّا کیا۔ اس باطل تحریک کے ساتھ انگریزی حکومت کے جو مفادات وابستہ تھے، اُن میں مسلمانوں کے دلوں سے جذبۂ جہاد ختم کرنا اور اپنے مؤید پیدا کر کے اس طرح اُنہیں غلامی کی مضبوط زنجیروں میں جکڑنا سرِ فہرست تھے۔ مرزائیوں نے انگریزوں کے وفادار بن کر اُن کے ایجنٹوں کا کردار انجام دیا اور اِس طرح اسلام کا دعویٰ کر کے اسلام کو ہر ممکن نقصان پہنچایا۔ گویا مرزائیت کے درخت کی آبیاری کا مقصد انگریز کے جاسوس پیدا کرنا تھا۔ خدا کا شکر ہے کہ علمائے اسلام نے روزِ اوّل ہی سے اِس گمراہ کن تحریک کا محاسبہ شروع کر دیا تھا۔ اس سلسلے میں جن علمائے کرام کی مخلصانہ مساعی کا ذکر خاص طور پر تاریخ کے اوراق میں ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو چکا ہے، اُن میں مولانا احمد رضا خاں بریلویؒ، پیر مہر علی شاہ گولڑویؒ، پیر جماعت علی شاہؒ، مولانا انور شاہ کشمیریؒ۔ مولینا عبد الجبار غزنویؒ، مولینا محمد حسین بٹالویؒ، مولینا ثناء اللہ امرتسریؒ، مولینا داؤد غزنویؒ، سیّد عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، مولینا محمد ابراہیم

سیالکوٹی اور ان کے رفقاء، مولانا احمد علی لاہوری، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی اور ان کے رفقاء، مولانا ابوالحسنات قادری، مولانا عبدالستار خاں نیازی، حافظ کفایت حسین اور مولانا محمد الیاس برنی کے اسمائے گرامی فراموش نہیں کیے جا سکیں گے۔ اسی طرح موجودہ دور میں جن لوگوں کو مرزائیت کی حد تک تحریکِ ختمِ نبوت کو منزلِ تکمیل تک پہنچانے کی سعادت نصیب ہوئی، ان میں مولانا شاہ احمد نورانی، مولانا محمد یوسف بنوری، مولانا مفتی محمود احمد، پروفیسر عبدالغفور، علامہ پیر محمد کرم شاہ، نوابزادہ نصراللہ خاں، مولانا محمود احمد رضوی اور مولانا محمد عطاء اللہ حنیف کے نام مدتوں یاد رہیں گے۔

مذکورہ علمائے کرام اور راہنمایانِ عظام کے علاوہ مشاہیرِ اسلام میں دو نام اس قدر امتیاز و انفرادیت کے حامل ہیں کہ وہ ہر دور میں نمایاں طور پر دلوں اور ذہنوں میں رہیں گے۔ ان میں سے ایک حضرت علامہ اقبالؒ اور دوسرے مولانا ظفر علی خاں مرحوم ہیں۔ عقیدۂ ختمِ نبوت کے تحفظ اور ردِّ مرزائیت کی تحریک میں جو علامہ اقبالؒ کا حصہ ہے، وہ ایک الگ تفصیل کا متقاضی ہے۔ پیشِ نظر اس وقت صرف مولانا ظفر علی خاں مرحوم کی خدمات کا مختصر تذکرہ ہے۔ اگر میں یہ کہوں کہ ردِّ مرزائیت کے سلسلے میں صحافت کے میدان میں مشاہیرِ اسلام میں سے جس شخصیت نے سب سے زیادہ حصہ لیا ہے، وہ مولانا ظفر علی خاں تھے، تو اس میں مبالغے کا شائبہ تک نہیں ہوگا۔

خدا کا ہزار شکر ہے کہ تقریباً ایک صدی پرانا مرزائیت کا دل آزار اور تکلیف دہ مسئلہ اب حل ہو چکا ہے اور مرزائیوں کو پاکستان نیشنل اسمبلی اور سینٹ کے مشترکہ اجلاس میں جملہ اراکین کے متفقہ فیصلے کے مطابق غیر مسلم اقلیت قرار دیا جا چکا ہے۔ اس موقعے پر آپ اس دور کا تصور کیجیے جب اس باطل عقیدے کو انگریز کی مکمل حمایت اور پشت پناہی حاصل تھی اور انگریز کا یہ خودکاشتہ پودا رفتہ رفتہ ایک تناور درخت بن کر اپنے برگ و بار پھیلا رہا تھا۔ انگریزی حکومت کے اس دور میں ہر قسم کے خوف و خطر سے بے نیاز ہو کر مولانا ظفر علی خاں نے اپنی البرز شکن نظم و نثر سے مرزائیت کے قلعے کو پاش پاش کر دیا۔

مولانا ظفر علی خاں جب یہ کہتے ہیں تو اپنے دعوے میں بالکل سچے ہیں کہ:

اس بجھارت کو نہ بوجھا آج تک کوئی ادیب　　　　میں نے ہی آخر کو حل کی چیستانِ قادیاں

یہ اس دور کی بات ہے جب مرزائی گھر گھر اس باطل عقیدے کی اشاعت و تبلیغ کر رہے تھے:

جو مجاور ہیں بہشتی مقبرے کے آج کل　　　　بیچتے پھرتے ہیں گھر گھر استخوانِ قادیاں

مرزا غلام احمد قادیانی کی تحریریں صرف و نحو اور قواعد کی جو اغلاط ہیں، وہ کسی بھی زبان شناس سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ مولانا ظفر علی خاں نے اس طرف بھی نشان دہی فرما دی تھی:

صرف غائب، نحو عنقا اور سلاست ناپدید　　　　ان سب اجزاء سے مرکب ہے زبانِ قادیاں

ہر باطل تحریک مکر و فریب اور کذب و افتراء کے زور پر آگے بڑھتی ہے۔ مرزائیت نے بھی ایسے ہر ناجائز حیلے سے کام لیا۔ اس لیے اگر کچھ سادہ لوح اس کے دامِ فریب میں آ گئے، تو اس میں چنداں حیرت کی بات بھی نہیں۔ ظفر علی خاں سے اس سوال کا جواب سنیے:

لوگ حیران تھے کہ جب پھیکا ہے پکوان اس قدر　　　　ہو گئی پھر اتنی اونچی کیوں دکانِ قادیاں

جو فروشی کے لیے گندم نمائی شرط تھی ‌ ‌ تھا بڑا ہی کائیاں بازارگانِ قادیاں

قادیانیت کی تحریک کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بانی مرزائے قادیانی نے پہلے پہل اپنے آپ کو اسلام کے ایک مبلّغ کی حیثیت سے روشناس کرایا۔ پھر اس نے اپنے آپ کو مجدّد قرار دے دیا۔ کچھ عرصہ بعد وہ مسیح موعود اور مہدیٔ موعود بن بیٹھا اور اپنے آپ کو ظلّی و بروزی نبی کہنے لگا۔ جب کچھ سریع الاعتقاد لوگ اس کے حلقۂ فریب میں شامل ہو گئے تو اس نے "ظلّی نبی" کی جگہ "نبی" کی اصطلاح آزادانہ استعمال کرنا شروع کر دی۔ اس قسم کے غلط عقیدے پر عمل پیرا لوگوں کا انجام کیا ہوگا اور :

کیا سلوک اِن سے روا رکھتے ہیں منکر اور نکیر ‌ ‌ قبر میں خود دیکھ لیں گے مُنکرانِ قادیاں

"منکرانِ قادیاں" سے مراد "قادیاں کا انکار کرنے والے" نہیں بلکہ "قادیان کے انکار کرنے والے" ہے۔ یہ ترکیب بالکل اسی طرح ہے جیسا کہ کفارِ مکہ کی ترکیب ہے مولانا ظفر علی خان نے ردِّ مرزائیت کے سلسلے میں اپنی طبعِ رسا کا جو رنگ جمایا ہے اور اپنی شوخیِ تحریر کا جو اعجاز دکھایا ہے، اس مضمون میں آپ اس کی متعدد مثالیں دیکھیں گے :

اے طبعِ رسا آج ترا رنگ جما دوں ‌ ‌ اور شوخیِ تحریر کا اعجاز دکھا دوں
پہلے سبقِ حق تجھے قرآں سے پڑھا دوں ‌ ‌ تنہا تجھے پھر لشکرِ باطل سے لڑا دوں
اک گرز کی قدرت ہے مرے خامے کے اندر ‌ ‌ اس گرز سے البرز کو بھی سُرمہ بنا دوں
اکملت لکھ پڑھ کے زبانِ عربی میں ‌ ‌ ظلّی و بروزی کی نبوّت کو مٹا دوں
جن کو نہ ہو کچھ پاس پیمبرؐ کے ادب کا ‌ ‌ چُن چُن کے میں اُس قوم کو مٹی میں ملا دوں

"خلافتِ قادیانیہ" کے زیرِ عنوان مولانا ظفر علی خان نے طنزاً کہا :

خدا آباد رکھے قادیاں کو پھر غنیمت ہے ‌ ‌ کہ مضموں غیب سے کوئی نہ کوئی آہی جاتا ہے
بشیر الدین محمود اُس دبستاں کے معلّم ہیں ‌ ‌ مقنّع جس میں فرطِ عجز سے گردن جھکاتا ہے

دوسرے شعر کے مصرعِ ثانی میں مقنّع کا مطلب "نقاب پوش" ہے۔ یہ شخص نہایت بدشکل، پست قامت اور کانا تھا۔ اُس نے اپنے چہرے پر سونے کا خول چڑھا رکھا تھا۔ اس نے اپنے چہرے کی بدصورتی چھپانے کے لیے یہ تدبیر کی تھی، لیکن بے وقوف لوگ اس کے ظاہری رعب و جمال کے شیدا ہو گئے تھے۔ یہ شخص خلیفہ مہدی کے زمانے میں خراسان میں تھا۔ اُس نے خدا ہونے کا دعویٰ کیا تھا۔ ہزاروں بے وقوف اس کے پیرو ہو گئے جن میں بعض عالم و فاضل بھی شامل تھے۔ جب اُس نے کچھ لوگوں کی مدد سے بعض علاقوں پر قبضہ کر لیا، تو خلیفہ مہدی نے اس کے خلاف لشکر کشی کی۔ اس پر وہ سیام کے قلعے میں محصور ہو گیا۔ جب ہر طرف سے نا اُمید ہو گیا، تو اس نے اپنی بیویوں اور بچّوں کو زہر دے دیا اور لکڑیاں جمع کر کے ایک بہت بڑا الاؤ بنایا، پھر اُس میں آگ لگا دی اور اعلان کیا کہ میں اس آگ میں کود کر خدا کے پاس جا رہا ہوں جو میرے ساتھ جانا چاہے، وہ بھی اس آگ میں کُود جائے۔ اس پر کئی بے مغز لوگ اس کے ساتھ آگ میں کود کر جہنم رسید ہو گئے۔

مرزائے قادیان نے ایک قصیدے میں ایک زلزلے کی پیش گوئی کی تھی اور اس زلزلے کی ہلاکت خیزیاں بیان کرتے

ہوئے کہا تھا کہ

اُس گھڑی زارِ روس بھی باحالِ زار ہوگا۔

اس میں یہ بھی شرط تھی کہ یہ پیش گوئی میرزا صاحب کی زندگی ہی میں پوری ہوگی، لیکن یہ زلزلہ آنجہانی کی زندگی میں نہ آیا۔ مدت بعد انقلاب روس آیا تو مرزائیوں نے اسے اسی پیشگوئی کا نتیجہ قرار دیا۔ میرزا کی اس پیشگوئی کے بارے میں مولنا ظفر علی خاں نے ایک طویل نظم کہی جس کے بعض اشعار درج ذیل ہیں :

حال اُسی کو غیب کے اسرار کا معلوم ہے — بادشاہی اور گدائی پر ہے جس کا اختیار
لیکن ان باتوں سے مطلب قادیاں والوں کو کیا — جن کی منطق نے کیا دامانِ دانش تار تار
موسیو محمود کہتے ہیں کہ زارِ روس پر — اُن کے ابا کے قصیدے کی پڑی ہے آکے مار
کوئی ان حضرت سے پوچھے ہے گر ایسا ہی تو کیوں — آپ ولیم کو نہیں دیتے ہیں گدی سے اتار
فرڈیننڈ اسوقت تک کیوں صوفیہ میں ہے مقیم — آپ کیوں ڈھلتے نہیں اس کا بھی قصرِ زرنگار
زار کی تو آپ نے پہلے ہی دے دی تھی خبر — بلجیم کا قادیاں نے کیوں نہ بانٹا اشتہار
مانٹی نگرو کی نسبت کیا ہے ارشاد آپ کا — غیب دانی آپکی، اسکی ہوئی کیوں پردہ دار

اب بھی اس ھذیان سے للہ دست کش ہو جایئے
ورنہ کھو بیٹھیں گے سب آپ اپنا جالوتی وقار

ان اشعار میں جس ولیم کا ذکر ہے وہ جرمنی کا بادشاہ تھا اور وہ پہلی جنگِ عظیم میں شامل تھا۔ اسی طرح فرڈیننڈ آسٹریا کا بادشاہ تھا۔ وہ جرمنی کا حلیف تھا۔ بلجیم پہلی جنگِ عظیم میں تباہ ہو گیا تھا اور یورپ کی ریاست مانٹی نگرو کا تو نام و نشان ہی مٹ گیا تھا۔

مرزائیت کے علمبردار قرآن حکیم کی بعض آیات کا عجیب مطلب بیان کرتے تھے۔ اُنہوں نے لیس کمثلہ شئ" کی شرح بھی اپنے مطلب کے مطابق فرما دی۔ اس پر مولانا ظفر علی خان نے اس طرح گرفت فرمائی ہے :

معنیٔ لیس کمثلہ آپ ہیں — یعنی آپ اللہ میاں کے باپ ہیں
عرش کو جس نے کیا ہے پے سپر — آپ اُسی گھوڑے کی برقی ٹاپ ہیں
جو سبق بھی دے دیا طاغوت نے — موسیو محمود دیتے چھاپ ہیں
قادیاں ہے چشمۂ آبِ حمیم — باپ پانی تھے تو بیٹے بھاپ ہیں
فَاتَّبِعُوْہُ کی انگیٹھی گرم ہے — آگ اس کی آپ لیتے تاپ ہیں
دیکھئے ملتی ہے کب ان سے نجات — اور کب کہتے ہمارے پاپ ہیں

آج یقیناً مولانا ظفر علی خاں کی روح جنت میں خوش ہوگی کہ مرزائیت کے علمبرداروں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جا چکا ہے۔

مرزائیت دین کے پردے میں دراصل ایک سیاسی تحریک تھی۔ اس کی تاریخ شاہد ہے کہ مرزائیوں نے سیاسی حالات سے ہمیشہ فائدہ حاصل کرنے کی کوشش کی۔ ایک بار مرزا البشیر الدین محمود ایک خاص مقصد سے کر لندن گئے، تو مولانا ظفر علی خان نے لکھا :

عناد اور بغض کی تصویر بن کر — گئے لندن بشیر الدین محمود
یہ مقصد آپ کا ہے اس سفر سے — کہ سرحد پر بچھا دی جائے بارُود
دکھائے یورپ اسکو آ کے بتی — جہنّم کی پٹ جس میں ہو موجود
یہ ساری سرزمیں پھر بھک سے اُڑ جائے — اور افغانوں کی جمعیّت ہو نابُود

مرزائیت کی تحریک حقیقتاً نکوکاری کے پردے میں سیاہ کاری کا حیلہ تھی اور اس باطل نبوّت کا مقصد دراصل نصاریٰ کی رضاجوئی تھا۔ مولانا ظفر علی خان نے "حدیثِ قادیاں" کے عنوان سے آج سے تقریباً نصف صدی پیشتر اس راز سے پردہ اٹھا دیا تھا :

حقیقت قادیاں کی پوچھ لیجے ابنِ جوزی سے — نکوکاری کے پردے میں سیہ کاری کا حیلہ ہے
یہ وہ تلبیس ہے ابلیس کو خود ناز ہے جس پر — مسلمانوں کو اس رندے نے اچھی طرح چھیلا ہے
پلی ہے مغربی تہذیب کے آغوشِ عشرت میں — نبوّت بھی رسیلی ہے پیمبر بھی رسیلا ہے
نصاریٰ کی رضا جوئی ہے مقصد اس نبوّت کا — اور ابطالِ جہاد انجاح مقصد کا وسیلہ ہے

قادیانیوں نے انگریزی حکومت کے زیرِ سایہ اپنے مسلسل پروپیگنڈے سے مسلمانوں میں جا جا کر ایسا جال بچھایا کہ ان کی چالوں سے غافل اور سادہ لوح مسلمان والے دامے بھی مرزائیوں کی مدد کرتے رہے۔ مولانا ظفر علی خان نے ایک موقع پر ایسی ہی صورتِ حال دیکھ کر مسلمانوں کو متنبہ کیا کہ :

اپنی جیبوں سے رہیں سارے نمازی ہشیار — کچھ یہود آتے ہیں دو جون کو چندے کے لیے
شاہِ برطانیہ کی سالگرہ ہے اس دن — یہ اشارہ ہے ہر اللہ کے بندے کے لیے
گردنِ امّتِ مرحوم کو پھنساتا کا ہے — نامِ توحید پہ تثلیث کے پھندے کے لیے

ایک موقع پر مولانا ظفر علی خان نے مسلمانوں کو انگریزوں اور قادیانیوں سے اس طرح خبردار کیا :

خدا نے تم کو بصیرت اگر عطا کی ہے — تو قادیانیوں کے تیرِ بے کماں سے بچو
دمشقیوں سے خطرناک تر ہیں اندلسی — گر ان کی "ایں" سے بچے ہو تو انکی "آں" سے بچو
جو بات بات پہ تم کو حرامزادہ کہے — ہر ایسے سفلۂ بد اصل و بد زباں سے بچو
نبی کی غصّے میں ڈوبی ہوئی نگہ سے ڈرو — عتابِ حضرتِ آقائے دو جہاں سے بچو

مندرجہ بالا اشعار میں سے دوسرے شعر میں دمشقی اور اندلسی دونوں لفظ خاص اصطلاحوں کے طور پر استعمال کیے گئے ہیں۔ بنوامیہ کے دورِ خلافت میں ایک وقت ایسا بھی آیا جب ان کی حکومت دو حصّوں میں منقسم تھی۔ ایک کا دارالحکومت دمشق (شام) تھا اور دوسری اندلس (ہسپانیہ یا سپین) میں تھی۔ مولانا ظفر علی خان مرزائیوں کی قادیانی جماعت اور لاہوری جماعت کے لیے بالترتیب دمشقی اور اندلسی کے الفاظ استعمال کرتے تھے۔

اس سے پہلے یہ ذکر آچکا ہے کہ مرزائیت کی تحریک ایک سیاسی تحریک تھی۔ اس کے ثبوت میں متعدد مثالیں ملتی ہیں۔ اس سلسلے میں ایک واقعہ مشہور ہے۔ جس زمانے میں غازی امان اللہ خان حکمران تھے، ان دنوں علمائے اسلام نے ایک قادیانی مبلغ کو سنگسار کرا دیا تھا۔ اس واقعہ کے بعد اہلِ قادیان غازی امان اللہ خان کے دشمن ہوگئے۔ جب کچھ مدت کے بعد غازی امان اللہ خان کی حکومت کو زوال آیا تو قادیانیوں نے خوشی کی تقریب منائی۔ مولانا ظفر علی خان نے قادیانیوں کے اس ظاہر و باطن خبث پر لکھا کہ:

شمعِ کابل کی بجھ گئی جس رات — قادیاں میں چراغ گھی کے جلے
موسیو میرزا البشیر الدین — سجدہ کرنے کلیسیا کو چلے
مغربیت ہے آپ کی انّا — دودھ پی پی کے جس کا آپ پلے
زندہ کیوں رہ گیا امان اللہ — موسیو اس سوال سے نہ ٹلے
جاں بچا کر نکل گیا اسلام — کفِ افسوس کفر کیوں نہ ملے

بٹالہ ضلع گورداسپور کے پرجوش رضا کارانِ اسلام کے سالار ایک نوجوان حاجی محمد حسین تھے۔ ایک اسلام دشمن مرزائی محمد علی نے اسے خنجر کے وار سے شہید کر دیا۔ میرزا البشیر الدین محمود نے قاتل کو "غازی" کا خطاب دیا اور اس کی جان بچانے کے لیے پریوی کونسل تک مقدمہ لڑتے رہے لیکن آخر قاتل اپنے انجامِ بد تک پہنچا اور پھانسی پر لٹکایا گیا۔ میرزا محمود نے خود اس کی نمازِ جنازہ پڑھائی اور اسے اپنے نام نہاد "بہشتی مقبرۂ" میں دفنایا۔

مولانا ظفر علی خان نے محمد حسین شہید کے بارے میں یہ ایمان افروز اشعار کہے:

شہیدوں کا خوں رنگ لایا کرے گا — نشاں ظالموں کا مٹایا کرے گا
کہاں تک مسلماں کے قاتل کو شیطاں — خدا کے غضب سے بچایا کرے گا
بٹالہ میں اسلام کا زورِ بازو — حریفوں کے چھکے چھڑایا کرے گا
دکھایا کرے گا جلالِ محمّد — عَلَم قادیاں کا جھکایا کرے گا

مغلوں کے گھرانے میں ایک عزت دار خاتون محمدی بیگم تھیں۔ مرزا غلام احمد آنجہانی نے اس پاکباز خاتون کے بارے میں یہ مشہور کر دیا کہ اس کے ساتھ آسمان پر مرزا صاحب کا نکاح ہو چکا ہے، حالانکہ آسمان تو گیا زمین پر بھی یہ نکاح کبھی عمل میں نہ آیا اور میرزا صاحب ناکام و نامراد آنجہانی ہوگئے۔

مرزا غالب نے کہا تھا:

وفاداری بشرطِ استواری اصلِ ایماں ہے — مرے بت خانے میں تو کعبے میں گاڑو برہمن کو

ظفر علی خان نے پہلے مصرعے پر یوں گرہ لگائی ہے:

"وفاداری بشرطِ استواری اصلِ ایماں ہے"
مرے گر کعبے میں لندن میں گاڑو قادیانی کو

مرزا غلام احمد نے اپنی باطل نبوت کے پرچار کے ساتھ ساتھ مختلف انبیائے صادقین کا استخفاف کیا اور اس اہانت کے سلسلے میں

رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی آلِ مبارک کو بھی نہ چھوڑا۔ ظفر علی خان مرزائے قادیانی کی ان گستاخیوں پر علمائے امت سے شکوہ کرتے ہیں:

خدارا آنکھ کھول اور دیکھ تو اے ملّتِ بیضا — کہ تیری کیا روش ہے اور ہے کیا رفتار دنیا کی
اِدھر دنیا و مافیہا سے تو اس وقت تک غافل — اُدھر اسلام پر برسوں سے ہیہم یورشِ اعدا کی
بشیر الدین محمود اٹھ کے پھیلاتا ہے بے کھٹکے — فرنگستان کے سایے میں خرافات اپنے باوا کی
چھپے ہیں سو حسین ابنِ علی جس کے گریبان میں — رسائی جس کی منزل تک نہیں ہوتی مسیحا کی
کبھی حج ہو گیا ساقط، کبھی قیدِ جہاد اُٹھی — شریعت قادیاں کی ہے رضا جوئی نصاریٰ کی
قیامت بن چلا یہ فتنہ اور خاموش بیٹھے ہو — نہیں اے عالمانِ دیں! ایں تم سے بے سبب شاکی

مرزا غلام احمد نے ایک مصرعے میں کہا ہے:

صد حسین است در گریبانم

اور دوسری جگہ دعویٰ کیا ہے کہ ؎

عیسیٰ کجاست تا بہ نہد پا بہ منبرم

اوپر کے چوتھے شعر میں مرزا کے انہی جاہلانہ اور احمقانہ دعاوی کی طرف اشارے ہیں۔

مرزائیوں کے بعض عقائد اس قدر مضحکہ خیز ہیں کہ مسلمانوں کا کوئی بھی فرقہ اُن کی تائید نہیں کر سکے گا۔ مثلاً حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں مرزائیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ وہ بھاگ کر کشمیر میں آگئے تھے اور ان کی قبر بھی وہیں ہے۔ مولٰنا ظفر علی خان نے "قادیانی خرافات" کے عنوان سے مذکورہ عقیدے کی طرف اِس طرح نشاندہی فرمائی ہے:

آسماں پر یوسفِ نجّار کا بیٹا کہاں — کیا دھرا اُس نیلے نیلے گنبدِ بے در میں ہے
آ بسا تھا بھاگ کر کنعاں سے وہ کشمیر میں — آخری اُس کا ٹھکانا بھی اسی کشور میں ہے

مولانا ظفر علی خان اِس نشاندہی کے بعد مسلمانوں سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں:

عیسیٰؑ مریم کی اُس توہین کا سودائے خام — ایک مدّت سے سمایا قادیاں کے سَر میں ہے
چھپ رہے ہیں جس کے اندر محشرستاں سینکڑوں — اے مسلمانو! وہ فتنہ خود تمہارے گھر میں ہے

مرزا قادیانی نے ایک جگہ لکھا ہے۔ میں نے انگریزوں کی تائید و حمایت اور تعریف و توصیف میں اس قدر لکھا ہے کہ اس سے پچاس الماریاں بھر گئی ہیں، لیکن اس کے باوجود انگریزی حکومت نے میری خدمات کا اعتراف اس حد تک نہیں کیا جس قدر اسے کرنا چاہیے تھا۔ مولانا ظفر علی خان نے اسی نظم کے ایک شعر میں کہا:

جن پچاس الماریوں پر تھا غلام احمد کو ناز — حشر اُن کا کاتبِ تقدیر کے دفتر میں ہے

مرزائیوں کے مشہور اخبار "الفضل" میں کسی مرزائی شاعر نے مولٰنا ظفر علی خان کے بارے میں جلے دل کے پھپھولے اِس طرح پھوڑے کہ:

بُری طرح قادیاں کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں ظفر علی خاں — سمجھ پہ کیوں پڑ گئے ہیں پتھر یہ کیسے فتنے اٹھا رہے ہیں

جنابِ محمود کو بُرا کہہ کے کیا ملے گا سوائے ذلت — یہی نہ جو کچھ رہی تھی عزت، اُسے بھی دل سے گنوا رہے ہیں
وہ اپنی مسجد الگ چُنیں گے ہزار دُنیا بنے مخالف — انہیں یہ ضد ہے کہ کیوں مسلمان ایک مرکز پہ آ رہے ہیں

سات اشعار کی یہ نظم اسی طرح خرافات کا مجموعہ ہے۔ مولیٰنا ظفر علی خان کب خاموش رہنے والے تھے۔ اُنہوں نے اسی زمین میں آٹھ شعروں کی نظم سے جواب دیا۔ اُن میں سے پانچ اشعار پیشِ خدمت ہیں:

یہ فتنہ پرداز قادیانی نئے نئے گل کھلا رہے ہیں — اُدھر رقیبوں سے مل رہے ہیں، اِدھر ہمارے گھر آ رہے ہیں
منافقوں کی ہے یہ نشانی، زباں پہ دیں ہو تو کُفر دل میں — اسی نشانی سے قادیانی تعارف اپنا کرا رہے ہیں
رسولِ مقبول کی شریعت کے نام پر دیں ہمیں نہ دھوکا — اِسی شریعت کی آڑ لے کر وہ سب کو اُلو بنا رہے ہیں
خبر پیمبر نے جسکی دی تھی، وہ فتنہ اٹھا ہے قادیاں سے — خلیفہ محمود قادیانی اُسے قیامت بنا رہے ہیں
ظفر علی خاں کی آبرو کو نہ حرف آیا نہ آسکے گا — خدا نے دی ہے جب اُس کو عزت تو آپ کیوں تلملا رہے ہیں

ایک مجاہد مسلمان کے علاوہ ممتاز اور منفرد شاعر کی حیثیت سے بھی مولیٰنا ظفر علی خاں کو جو بلند مرتبہ اور آبرومندی حاصل ہے اس کا انکار ان کے دشمن بھی نہیں کر سکیں گے۔ مولیٰنا مرحوم نے مرزائیت کی مذمت کے سلسلے میں جو منظومات سُپردِ قلم کی ہیں، ان میں زباندانی کے علاوہ اُن کی مشاقی اور قادر الکلامی کے بھی بہترین نمونے موجود ہیں۔ وہ اپنی نظموں میں ایسے ایسے ادق قافیے لاتے ہیں کہ کسی نقاد کے قول کے مطابق انہیں شہنشاہِ قوافی تسلیم کرنے میں کوئی تامل نہیں ہوتا۔ اس سلسلے میں اُن کی مختلف نظموں سے متفرق اشعار ملاحظہ ہوں:

کان والو! انکر الاصوات ہے صوتِ الحمیر — گر یہ ڈھینچوں ڈھینچوں سننی ہو تو جاؤ قادیاں
عیسیٰؑ مریم کو گالی قادیاں دے لے مگر — یاد رکھے اُس کی بھی ہیں نانیاں اور دادیاں

ہم مسلماں ہیں ازل سے شرک ہے جن کا حریف — قادیاں کا اس میں ہیکل ہو کہ ہو متھرا کا دیر
بولہب کی شان ہو یا ہو غلام احمد کی آن — ملتِ بیضا کے ساتھ اُن کا ہے پہلے دن سے بیر
ہم نے اُن کے ساتھ نیکی کی، اُنہوں نے کی بدی — اور کر سکتے تھے کیا اسلام سے برتاؤ غیر

وہ افعی بانبیاں ضحاک کے شانوں میں تھیں جن کی — بروز اس عہد میں اُن کا غلام احمد سپیرا ہے
ہوئی ہے قادیاں کی مادیاں کی پرورش جس میں — بشیر الدین محمود اس طویلے کا بچھیرا ہے

پکڑ فولاد سے بھی ہے مری سخت — مرا سینہ ہے چکلا اور چوڑا
غلام احمد مرا لوہا گیا مان — اُٹھایا میں نے جب دیں کا ہتھوڑا
ہر اک میدان سے بھاگے قادیانی — کہ اُن کا پیشوا بھی تھا بھگوڑا

بشیر الدین کا ٹٹو ہت مریل — لگے چابک نہ لیکن پھر بھی دوڑا
چلی پنجاب میں جب دین کی گاڑی — تو اٹکا قادیانیت کا روڑا
کیا مرزا نے بدنام انبیاء کو — محمد مصطفےٰ تک کو نہ چھوڑا
ٹیلے اسلام کو چرکے جنہوں نے — انہی سے اُس نے اپنا رشتہ جوڑا
نبوت لنگڑی اور اندھی خدائی — ملا ہے خوب ان دونوں کا جوڑا
یہی اس کی نبوت کی ہے پہچان — کہ مر کر بھی نہ منہ لندن سے موڑا

مرزائیت کی گزشتہ تاریخ میں کشمیر کمیٹی کا واقعہ بھی خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ حُسنِ اتفاق (مرزائیوں کے حق میں سوءِ اتفاق) سے اُس کمیٹی کے صدر علامہ اقبالؒ تھے۔ علامہ مرحوم نے ایک موقعہ پر اس کمیٹی کو محض اس لیے توڑ دیا کہ اُس پر قادیانی چھائے ہوئے تھے اور اُن پر کشمیر میں مرزائیت کی تبلیغ کا الزام تھا۔

مولانا ظفر علی خان نے کشمیر کمیٹی کے بارے میں بھی ایک سے زائد نظمیں کہیں۔ چند اشعار پیشِ خدمت ہیں:

باطل کا جنازہ تھا بڑی دھوم سے نکلا — قائم ہوئی جس دن نئی کشمیر کمیٹی
نابود ہوئے اُندلسی اور دمشقی — دونوں نے بساط اپنی نحوست کی لپیٹی
مرزا کی نبوت کے لیے کھودی گئی قبر — گاڑی گئی جس میں یہ خرافات کی بیٹی

قادیاں خوش ہو کہ بر آئی ترے دل کی مُراد — آخر آ ہی گئی کشمیر میں فوجِ انگریز
اگر انگریز ہے دُولہا تو ہے تُو اس کی دُلہن — مل گیا تجھ کو ہری سنگھ کی دولت کا جہیز
کیوں نہ اب اڑنے لگے تیری نبوت کا سمند — چھیڑتی ہے جسے یورپ کی صلیبی مہمیز
خوانِ اسلام سے چننے کا نہ کر لقمہ طلب — جبکہ چُن دی گئی ہے تیرے لیے کفر کی میز
دھجیاں نامۂ سرکارِ دو عالم کی اُڑا — لے کہ تجھ کو نہ رہا یادِ مآلِ پرویز
آج تک خاک میں ملتی ہی چلی آئی ہے — ہر وہ طاقت جو مسلماں سے ہوئی گرمِ ستیز

مرزا غلام احمد قادیانی کے ساتھ ساتھ اُن کے "مقدس مآب" صاحبزادے مرزا بشیر الدین محمود احمد کی "رنگین شخصیت" اور اُن کے "سنہری کارناموں" کا ذکر مولانا ظفر علی خان کے اشعار میں جابجا ملتا ہے۔ بعض حد سے متجاوز رواداری قسم کے لوگوں کو مولانا مرحوم کے کلام پر یہ اعتراض رہا ہے کہ وہ مرزا محمود کی ذاتی زندگی کے بعض مشاغل کا ذکر بھی نہایت وانشگاف طور پر کر دیتے ہیں۔ اگر غور فرمایا جائے تو معلوم ہوگا کہ نبوت اور خلافتِ نبوت کے دعویداروں کے معاملے میں یہ طریقہ کسی طرح بھی قابلِ اعتراض نہیں ہونا چاہیے تاکہ عام لوگوں کو اُن کے دعاوی کی صداقت کو جانچنے کا موقعہ مل جائے اور وہ اُن کے اخلاق کو مسلمہ معیار پر پرکھ سکیں۔ مرزا بشیر الدین محمود کی سیرت میں مس ردفو کا "اغوا" یقیناً کوئی قابلِ تقلید یا قابلِ توصیف کارنامہ نہیں ہے۔ اس واقعے کی تفصیل یہ ہے کہ لاہور کے سیسل ہوٹل میں ایک اطالوی حسینہ مس ردفو منتظمہ تھیں۔ مرزا بشیر الدین محمود

نے ایک موقعے پر صرف ایک روز کے لیے وہاں قیام فرمایا۔ دُوسرے روز وہ حسینہ ہوٹل سے غائب تھی۔ بعد میں معلوم ہوا کہ وہ مرزا محمود کے بچّوں کی گورنس کے طور پر قادیاں میں ملازم ہوگئی ہے۔ اگر مولینا ظفر علی خاں، مرزا محمود کی اس خوش ذوقی کی داد نہ دیتے تو یہ مولینا مرحوم کی "بے ذوقی" کا ثبوت ہوتا۔ "داد" ملاحظہ فرمایئے:

اے کشورِ اطالیہ کے باغ کی بہار — لاہور کا دمن ہے ترے فیض سے چمن
پیغمبرِ جمال تری دلرُبا ادا — پروردگارِ عشق ترا چلبلا چلن
پروردۂ فسوں ہے تری آنکھ کا خمار — آوردۂ جنوں ہے تری بُوٹے پیرہن
پیمانۂ نشاط تری ساقِ صندلی — بیمانۂ سرور ترا مرمری بدن
جب قادیاں پہ تیری نشیلی نظر پڑی — سب نشۂ نبوّتِ ظلّی ہُوا ہرن
مَیں بھی ہوں تیری چشمِ پُر افسوں کا معترف — جادو وہی ہے آج جو ہو قادیاں شکن

مِس رُفو کے اچانک ہوٹل سے غائب ہو جانے کے بعد لوگوں کے دلوں میں یہ سوال اُبھرا کہ آخر وہ "برق" کہاں گری ہے۔ اس پر مولینا ظفر علی خاں نے لکھا:

عشاقِ شہر کا ہے "زمیندار" سے سوال — ہوٹل سسل کی "رونقِ عُریاں" کہاں گئی
اس کے جلو میں جاں گئی ایماں کے ساتھ ساتھ — کیا کیا نہ تھا جو لے کے وہ جانِ جہاں گئی
بن کر خروشِ حلقۂ رندانِ لم یزل — لے کر گئی وہ حشر کا ساماں جہاں گئی
روما سے ڈھل کے برق کے سانچے میں آئی تھی — اب کس حریمِ ناز میں وہ جانِ جاں گئی
یہ چیستاں سنی تو "زمیندار" نے کہا — اتنا ہی جانتا ہوں کہ وہ قادیاں گئی

اس سے پہلے اس بات کا ذکر اشارتاً آچکا ہے کہ مرزائی مسلمانوں سے اسلام کی اشاعت و تبلیغ کے نام پر چندہ اکٹھا کرتے تھے اور بعض لوگ جو اُن کے دامِ ہمرنگِ زمیں سے بے خبر تھے، انہیں چندہ دے دیا کرتے تھے۔ مولانا ظفر علی خاں نے "چندے کا دھندا" کے عنوان سے جو نظم کہی ہے، وہ اپنی فنّی خوبیوں اور خاص طور پر لطفِ قوافی کے اعتبار سے ایسی ہے کہ ان صفحات میں مکمل نقل کرنے کو جی چاہتا ہے۔ پڑھیے اور داد دیجیے:

اگر چندے کی حاجت ہے تو کر دعویٰ رسالت کا — بغیر اس ڈھنگ کے چندہ مہیّا ہو نہیں سکتا
سُنا ہے قادیاں میں بانسری بجتی ہے گوکل کی — مگر یہ بانسری والا کنہیّا ہو نہیں سکتا
یہ آساں ہے کہ بدلے جون اور بچھو بنے لیکن — کبھی بھی شہد کی مکھی تتیّا ہو نہیں سکتا
مجدّد الفِ ثانی سے غلام احمد کو کیا نسبت — ثریٰ کتنا بھی اونچا ہو ثریّا ہو نہیں سکتا
اگر کُتّے سے بھی کرتا وہ ڈھینچوں ڈھینچوں آجائے — یہ ظاہر ہے خرِ عیسیٰ گوّیا ہو نہیں سکتا
برادر خواندگی کی شرط اگر ہو میرزائیت — قیامت تک بھی ہم سے یہ تو بھیّا ہو نہیں سکتا
سرشتِ مردِ مومن کا بدلنا غیر ممکن ہے — چنبیلی کا یہ پودا بھٹ کٹیّا ہو نہیں سکتا

وطن کے پُوجنے والو! تعلق نوعِ انساں کا | سمندر ہے محبت کا، تلیّا ہو نہیں سکتا
جسے اسلام کی عزت پہ کٹ مرنا نہ آتا ہو | مسلمانوں کے بیڑے کا کھویّا ہو نہیں سکتا

پیغمبرِ اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جو فرشتہ وحی لاتا تھا، اس کا نام ہر مسلمان کو معلوم ہے کہ وہ جبریلؑ تھے۔ مرزا غلام احمد قادیانی آنجہانی پر جو فرشتہ وحی لاتا تھا، اُس کا نام "ٹیچی ٹیچی" تھا۔ مولینا ظفر علی خان کی ایک نظم کا عنوان یہی ہے۔

نبوّت مجھے بخشی انگریز نے | یہ پودا اُسی کا ہے خود کاشتہ
پلومر کی بھٹی سلامت رہے | ہے جس کی صبوحی مرا ناشتہ
کنہیا بھی ہوں اور مہدی بھی ہوں | ہے دونوں کی عزت مری داشتہ
دکھائے نہ توحید آنکھیں مجھے | کہ تثلیث ہے پرچم افراشتہ
یہ ہے ٹیچی ٹیچی کی بروقت ریچ | جو ہے میری تھیلی زرافراشتہ

اس نظم میں پلومر سے مراد مال روڈ لاہور کی مشہور دکان ای پلومر ہے۔ اِس دکان میں انگریزی ادویہ کے علاوہ اعلیٰ درجہ کی غیر ملکی شرابیں بکتی تھیں۔ آخری شعر میں ٹیچی ٹیچی نامی جس فرشتے کا ذکر ہے، اُس کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ آسمانِ قادیاں سے اُتر کر مرزا صاحب کی جیب روپوں اور نوٹوں سے بھر دیا کرتا تھا۔

مولینا ظفر علی خان نے باقاعدہ نظموں کے علاوہ مرزا اور مرزائیت کے بارے میں متفرق اشعار بھی کہے ہیں۔ اُنہوں نے مجموعی طور پر جو کچھ اس موضوع پر کہا ہے، اس کا مفصل ذکر ایک کتاب کی ضخامت کا طالب ہے۔ مرزائیت کے موضوع پر مولینا کے بعض متفرقات بھی خوب ہیں۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

منکرِ ختمِ نبوت ہو کے اہلِ قادیاں | اپنے وقتوں کے ثمود و عاد ہو جانے لگے

طوقِ استعمارِ مغرب خود کیا زیبِ گلو | اور گواہ اس پر ہیں مرزا کی پچاس الماریاں

بقائے وحدتِ اسلام ہے اگر منظور | تو قادیاں کی نبوّت کی روک تھام کرو

آخر میں مرزائے قادیانی کی موت پر ظفر علی خان نے جو معرکہ آرا نظم کہی ہے، اُس کے بھی چند اشعار ملاحظہ فرمائیے:

میرزائے قادیانی مرگیا | احمدی فتنے کا بانی مرگیا
ہو گیا اسلام کا اک رخنہ بند | سُنتے ہیں دجّالِ ثانی مرگیا
لے کے اپنے دل کے اندر سیکڑوں | آرزو لوٹے جوانی مرگیا
کرتے ہیں مرزائی تاویلیں عبث | آئی مرگِ ناگہانی، مرگیا

المختصر مولینا ظفر علی خان نے اہلِ اسلام کو مرزائیت کے فتنے سے بچانے کے لیے ہر ممکن کوشش فرمائی ع
آسماں اُن کی لحد پر شبنم افشانی کرے

تحریر: محمد صادق قصوری

جمعیت علماء پاکستان نے ہر آڑے وقت میں مذہب و ملت کے تحفظ کی خاطر سربکف ہو کر مردانہ وار میدان میں اُتر کر باطل قوتوں کا سرتوڑ مقابلہ کیا ہے۔ قیامِ پاکستان سے قبل جمعیت کے اسلاف نے فتنۂ ارتداد، شدھی تحریک، شہید گنج، سوشلزم، ردِ مرزائیت و دیگر طاغوتی طاقتوں کو کچلنے میں قابلِ فخر کارنامے سرانجام دیئے ہیں۔

قیامِ پاکستان کے بعد قادیانی فرقہ نے بال و پر نکالے، جس کے نتیجے میں ۱۹۵۳ء میں تحریک ختم نبوّت چلی۔ اس میں جمعیت کے مقتدر رہنماؤں مثلاً مولانا عبدالحامد بدایونی، مولانا ابوالحسنات، صاحبزادہ فیض الحسن، سید خلیل احمد قادری، مولانا غلام قادر اشرفی، مجاہدِ ملّت مولانا عبدالستار خاں نیازی وغیرہم نے جو خدمات انجام دیں، وہ تاریخ کا ایک سنہری باب ہے۔

۱۹۷۴ء میں قادیانیوں کو اقلیت دینے کے بارے میں پھر تحریک شروع ہوئی، تو جمعیت علماء پاکستان نے رات دن کام کیا۔ ذیل میں تاریخ وار جمعیت کی خدمات کی مختصر سی جھلکیاں پیشِ خدمت ہیں:

۳۰ مئی ۱۹۷۴ء: ۲۹ مئی کو ربوہ اسٹیشن پر ہونے والے واقعہ کی جمعیت کے مرکزی نائب صدر سیّد محمود شاہ گجراتی اور لائلپور جمعیت کے ممتاز رہنما چوہدری صفدر علی رضوی نے مذمت کی اور اس واقعہ کی مذمّت میں ہونے والے جلسوں سے خطاب کیا۔

(روزنامہ نوائے وقت لاہور ۳۱/۵/۷۴)

۳۱ مئی: سیّد محمود نے گجرات میں مرزائیت کے خلاف جلوس نکالا اور اختتام پر جلوس سے خطاب کیا۔ وزیر آباد میں مفتی عبدالشکور ہزاروی اور میانوالی میں صاحبزادہ جمال الدین کاظمی نے بھی عام جلسوں سے خطاب کیا۔

(روزنامہ نوائے وقت لاہور ۱/۶/۷۴)

۳ جون: شیرانوالہ گیٹ لاہور میں مختلف سیاسی و دینی جماعتوں کے نمائندوں نے سانحۂ ربوہ پر پریس کانفرنس سے خطاب کیا۔ جمعیت کی طرف سے مولانا عبدالستار نیازی اور سیّد محمود احمد رضوی نے نمائندگی

ایک بوڑھا حضرت ابراہیم ادھمؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ میں نے بہت گناہ کیے ہیں، توبہ کرنے آیا ہوں۔

فرمایا: "تم بہت دیر سے آئے۔"

بوڑھے نے کہا: "میں جلدی آیا ہوں، کیونکہ جو شخص موت سے پہلے آجائے اسے وقت سے پہلے آنے والا ہی سمجھنا چاہیے۔"

آپ نے یہ سن کر فرمایا: "تم نے خوب کہا اور خوب آئے۔"

کی۔ (روزنامہ نوائے وقت لاہور ۴-۶-۷۴)

۴ر جون۔ مسجد وزیر خاں میں مختلف جماعتوں کے رہنماؤں نے جلسۂ عام سے خطاب کرنا تھا، لیکن پولیس نے ان رہنماؤں کو پکڑ کر ۴ گھنٹے تک زیر حراست رکھا۔ ان میں جمعیت کے حضرت نیازی اور علامہ محمود احمد رضوی بھی شامل تھے۔ (روزنامہ نوائے وقت لاہور ۵-۶-۷۴)

۶ر جون، مولانا مفتی محمود نے پریس کانفرنس میں بتایا کہ سانحۂ ربوہ پر غور کرنے کے لیے ۹ر جون کو علماء کانفرنس لاہور میں طلب کر لی گئی ہے۔ پریس کانفرنس میں مولانا شاہ احمد نورانی بھی موجود تھے۔

(روزنامہ نوائے وقت لاہور ۷-۶-۷۴)

۹ر جون: کل پاکستان علماء و مشائخ کانفرنس ہوئی۔ مجلس عمل تحفظِ ختم نبوت کا قیام عمل میں لایا گیا۔ اجلاس کے فیصلوں کا اعلان مجاہد ملت مولانا عبدالستار خاں نیازی سیکرٹری جنرل جمعیت علماء پاکستان نے کیا۔ کہ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے اور انہیں تمام کلیدی اسامیوں سے برطرف کر دیا جائے، ورنہ ۱۴ر جون کو ملک گیر ہڑتال کی جائے گی۔ نیز مولانا عبدالستار خان نیازی کو مجلس عمل کا نائب صدر اور مولانا سید محمود احمد رضوی کو جنرل سیکرٹری چنا گیا۔

(روزنامہ نوائے وقت لاہور / مشرق لاہور ۱۰-۶-۷۴)

خانپور میں قادیانیوں سے بائیکاٹ کے لیے انجمن اسلامیہ کا قیام عمل میں لایا گیا جس کا صدر جمعیت کے ممتاز رہنما اختر حسین کو بنایا گیا۔ (مشرق لاہور ۱۰-۶-۷۴)

۱۰ر جون: جمعیت کے مرکزی نائب صدر و متحدہ جمہوری محاذ گجرات کے ضلعی صدر سید محمود شاہ گجراتی نے گجرات میں صوبائی وزیر زراعت بریگیڈیر صاحبداد خان کو احمدیت کے بارے مطالبات پیش کیے کہ احمدیت کو اقلیت و سیاسی جماعت قرار دیا جائے۔ ربوہ کو کھلا شہر قرار دیا جائے۔

سکھیکی ضلع گوجرانوالہ میں جمعیت کے مقامی صدر کی صدارت میں جلسۂ عام میں چھ قادیانیوں نے اسلام قبول کر لیا۔

سیّد محمود احمد رضوی کی قیادت میں دینی مدارس کے طلباء نے مسٹر منظور قادر بیرسٹر کے گھر پر مظاہرہ کیا کہ وہ مرزائیوں کی وکالت نہ کریں۔

ربوہ کیس کے ملزموں کو سخت سزا دی جائے اور ربوہ کالج میں مقیم سُنّی طلباء کے تحفظ کی ضمانت دی جائے۔ مولانا انور علی رکن جمعیت چنیوٹ کا مطالبہ۔

(نوائے وقت لاہور ۱۱-۶-۷۴)

۱۲ر جون: قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیئے جانے تک جد و جہد جاری رہے گی۔ ڈسکہ میں جمعیت کے مولانا محمد شریف کا خطاب۔ (نوائے وقت لاہور ۱۳-۶-۷۴)

۱۳ رجون: جمعیت کے ممتاز رہنما میاں جمیل احمد شرقپوری نے وزیراعظم سے اپیل کی کہ احمدیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔

قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے، مجلس عمل کے مطالبات تسلیم کیے جائیں اور لوگ جمعہ کو مکمل ہڑتال کریں۔ حضرت خواجہ محمد قمرالدین سیالوی کا بیان۔

۱۴ رجون کی ہڑتال کو اشتعال انگیزی یا وطن دشمنی قرار دینا نامناسب ہے۔ یہ ہڑتال مسلمان اپنے عقیدے کے اظہار کے لیے کر رہے ہیں۔ صاحبزادہ فیض القادری سیکرٹری اطلاعات پنجاب جمعیت کا بیان۔

(روزنامہ نوائے وقت لاہور ۱۴/۶/۷۴)

۱۴ رجون: جب تک قادیانیوں کو اقلیت قرار نہیں دیا جاتا مسلمان چین سے نہیں بیٹھیں گے۔ مسجد وزیر خاں میں بہت بڑے جلسہ عام سے مجاہد ملت مولانا عبدالستار خاں نیازی کا خطاب (روزنامہ وفاق لاہور ۱۵/۶/۷۴)

تحفظِ ختم نبوت کے لیے ہر بڑی سے بڑی قربانی دی جائے گی۔ تاخیری حربوں سے مسلمانوں کے جذبات سرد نہیں پڑ سکتے۔ قادیانیوں کا مسئلہ حل کرنے کے لیے حکومت کو ۳۰ جون تک مہلت دے دی جائے گی۔ ملک بھر میں قادیانیوں کا سماجی اور اقتصادی بائیکاٹ کیا جائے۔ مسجد وزیر خان میں جلسۂ عام سے مجاہدِ ملت مولانا عبدالستار خاں نیازی کا خطاب۔

گجرات میں جمعیت کے مرکزی نائب صدر سید محمود شاہ اور مولوی لیاقت علی وغیرہ کو ختم نبوت کے سلسلہ میں جلوس نکالنے کی کوشش کے الزام میں گرفتار کر لیا گیا۔

(روزنامہ نوائے وقت لاہور ۱۵/۶/۷۴)

۱۶ رجون: لائل پور میں مجلسِ عمل کا اجلاس ہوا جس

> ایک ولی نے ابلیس کو دیکھا اور پوچھا کہ دنیا میں کوئی ایسا انسان بھی ہے جو تمہارے شر سے محفوظ ہو؟ کہا میں نے تین آدمیوں کا پیچھا چھوڑ دیا ہے۔
>
> اوّل: جو سدا اپنی تعریف کرتا ہے۔
>
> دوم: جو اپنے چھوٹے سے نیک کام کو بڑھا کر کے بتائے۔
>
> سوم: جو گناہ کر کے اسے بھول جائے۔

میں وزیر اعظم کی تقریر پر عدم اطمینان کا اظہار کیا گیا اور مطالبہ کیا گیا کہ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کے لیے قرارداد کی بجائے بل پیش کیا جائے۔ ربوہ کو کھلا شہر اور مسلح قادیانی تنظیموں کو غیر قانونی قرار دینے کے لیے قومی اسمبلی کی بحث کا انتظار ضروری نہیں۔ قادیانیوں کو آرڈیننس کے ذریعے بھی غیر مسلم قرار دیا جا سکتا ہے۔ مجلس عمل نے آئندہ لائحہ عمل پر بھی غور و خوض کیا۔ جمعیت کی نمائندگی نورانی میاں، مولانا نیازی، قاضی محمد فیض رسول، چوہدری صفدر علی رضوی اور راولپنڈی کے مولانا سید حسین الدین نے کی۔

جمعہ کی ہڑتال کے بعد قومی اسمبلی سے رجوع کرنے کی ضرورت ہی نہیں رہی۔ حکومت فیصلہ کا فوری اعلان کرے۔ سلامت پورہ لاہور میں مولانا عبدالستار نیازی کا خطاب۔

اسی جلسہ سے صاحبزادہ فیض القادری، مولانا سلیم اللہ خان اور مولانا عارف اشرف نے بھی خطاب کیا۔

قادیانیوں کا مکمل بائیکاٹ کیا جائے۔ گول چوک مسجد سرگودھا میں شیخ الاسلام خواجہ محمد قمرالدین سیالوی کا عوام

سے خطاب۔ (روزنامہ نوائے وقت۔ لاہور ۱۷/۶/۷۴)

۱۷ جون: جماعت احمدیہ قائدآباد کے صدر ڈاکٹر مبارک علی شاہ اور سیکرٹری احمد علی شاہ نے بغدادی جامع مسجد میں جمعیت کے رہنما صاحبزادہ عبدالحق بندیالوی کے دست حق پر اسلام قبول کیا اور احمدیت سے بیزاری اور قطع تعلق کا اعلان کیا۔

گجرات کی حوالات میں سید محمود شاہ گجراتی سے ناروا سلوک کیا گیا۔

عیسیٰ خیل ضلع میانوالی میں جمعیت کے رہنماؤں مولانا محمد رمضان آف کمر مشانی اور صاحبزادہ محمد صدیق، سجادہ نشین بھور شریف کی قیادت میں ختم نبوت کے سلسلہ میں زبردست جلوس نکالا۔ اختتام جلوس پر رہنماؤں نے خطاب بھی کیا۔

(روزنامہ نوائے وقت لاہور ۱۸/۶/۷۴)

۱۸ جون: طالب علم لیڈر حافظ محمد تقی کو فوراً رہا کیا جائے۔ قادیانیت کو فوراً اقلیت قرار دیا جائے۔ قائد حزب اختلاف سندھ اسمبلی شاہ فریدالحق، ارکان اسمبلی ظہورالحسن بھوپالی، حاجی زاہد علی اور محمد عثمان کینیڈی کا مشترکہ بیان۔

(روزنامہ نوائے وقت، لاہور ۱۹/۶/۷۴)

۱۹ جون: قادیانی مسئلہ حل کرنے میں تاخیر نہ کی جائے اور قادیانیوں سے مکمل سماجی بائیکاٹ کیا جائے۔ ملک محمد اکبر ساقی کا سرگودھا غلہ منڈی و بلاک ۱۸ میں خطاب۔

(روزنامہ نوائے وقت لاہور ۲۰/۶/۷۴)

۲۱ جون: گجرات میں گیارہ علماء نے سید محمود شاہ کی گرفتاری اور جیل میں ناروا سلوک کے خلاف ایک جلوس نکال کر گرفتاریاں پیش کیں۔

ملتان میں تحریک ختم نبوت کی مجلس کا قیام عمل میں لایا گیا جس میں جمعیت کے مفتی ہدایت اللہ کو نائب صدر اور سید دبیر علی شاہ ایڈووکیٹ، صدر ضلعی جمعیت کو جنرل سیکرٹری منتخب کر لیا گیا۔

مجلس عمل حافظ آباد کے تحت جلسۂ عام میں جمعیت کے مولانا عبدالستار انصاری نے خطاب کرتے ہوئے احمدیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا مطالبہ کیا اور عوام سے اپیل کی کہ مرزائیوں کا سوشل بائیکاٹ کیا جائے۔ اسی جلسہ میں جمعیت کے رہنماؤں کے سامنے پیپلز پارٹی کے رکن اسمبلی میاں شہادت خاں بھٹی نے حلف اٹھایا کہ وہ قومی اسمبلی میں مرزائیوں کو اقلیت قرار دینے والی قرارداد کی بھرپور حمایت کریں گے۔

مرزا ناصر احمد کو ملک بدر کیا جائے۔ ربوہ کی خصوصی حیثیت ختم کی جائے۔ ظفراللہ خاں کی پاکستان آنے پر پابندی لگائی جائے۔ محمد اقبال سیکرٹری ضلعی جمعیت میانوالی کا مطالبہ۔

(روزنامہ نوائے وقت لاہور ۲۲/۶/۷۴)

۲۲ جون: مجلس عمل کے مطالبات پورے ہونے تک تحریک ختم نبوت جاری رہے گی۔ علامہ محمود احمد رضوی کا اعلان۔

جمعیت کے رکن قومی اسمبلی مولانا محمد ذاکر نے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کے لیے قومی اسمبلی میں قرارداد پیش کر دی کہ قادیانیوں کے عقائد آئین کی دفعہ ۲۳ جدول سوم سے متصادم ہیں۔ (روزنامہ نوائے وقت لاہور ۲۳/۶/۷۴)

۲۳ جون: ملک عمر حیات بلوچ ایڈووکیٹ وزیرآباد نے جمعیت کے ممتاز رہنما مفتی عبدالشکور ہزاروی کے روبرو مرزائیت سے برأت کا اظہار کیا اور کہا کہ میں مرزا غلام احمد قادیانی کو مرتد سمجھتا ہوں۔

(روزنامہ نوائے وقت لاہور ۲۴/۶/۷۴)

۲۴ جون: مجلس عمل گوجرانوالہ کے انتخابات میں جمعیت کے ممتاز رہنما مولانا ابوداؤد محمد صادق کو صدر اور

مولانا خالد حسن مجددی کو سیکرٹری اطلاعات چن لیا گیا۔

وزیرِ اعظم بھٹو قادیانیوں کو فی الفور غیر مسلم قرار دے دیں۔ قادیانیوں کے ساتھ ہر قسم کا لین دین حرام ہے۔ صاحبزادہ محمود شاہ کی گرفتاری اور ان پر تشدد کے بارے میں حکومت نے اپنا رویہ نہ بدلا تو ہم گجرات کو تحریک کا مرکز بنا دیں گے۔ مولانا غلام علی اوکاڑوی صدر و مفتی مختار احمد گجراتی نائب صدر پنجاب جمعیت کی گجرات میں جلسۂ عام میں تقاریر۔

علماء و طلباء کو غیر مشروط طور پر رہا کیا جائے۔ مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔ سید محمود شاہ گجراتی کی گرفتاری ناجائز ہے۔ چودھری اختر حسین گل ایڈووکیٹ ضلعی صدر لائل پور جمعیت و مولانا شیر محمد سیالوی کا مشترکہ بیان۔

جمعیت کے ممتاز رہنما حافظ محمد عالم سیالکوٹی کے ہاتھ پر پچیس مرزائی حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے۔

قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔ ان کا سوشل بائیکاٹ کیا جائے۔ ظفر اللہ خاں کا پاسپورٹ ضبط کیا جائے۔ جمعیت کے مولانا بشیر احمد سیالوی لائل پور اور ملک محمد اکبر ساقی کا مطالبہ

قادیانیوں کو اقلیت قرار دے کر ربوہ کو کھلا شہر قرار دیا جائے۔ وہاں مسلمانوں کو آباد کیا جائے۔ قادیانیوں کی تمام عسکری اور نیم عسکری تنظیموں کو غیر قانونی قرار دیا جائے۔ مرزائیوں کا ہر شعبۂ زندگی میں بائیکاٹ کیا جائے۔ مغربی مسجد سلامت پورہ لاہور میں پنجاب جمعیت کے نائب صدر و سیکرٹری اطلاعات مفتی مختار احمد اور صاحبزادہ فیض القادری کا جلسۂ عام سے خطاب (روزنامہ نوائے وقت لاہور، مشرق لاہور ۲۵؍۶؍۷۴)

۲۶ جون: لائلپور میں مسلمانوں پر فائرنگ کے سلسلے میں ڈی ٹائپ کالونی جمعیت نے اپنے اجلاس میں قادیانیوں کے اس اقدام کی مذمت کی۔ مرزائیوں کو اقلیت قرار دینے، اُن سے ناجائز اسلحہ برآمد کرنے اور کلیدی اسامیوں سے برطرف کرنے کا مطالبہ کیا۔ اجلاس کی صدارت محمد اعظم نے کی۔ (روزنامہ نوائے وقت لاہور ۲۷؍۶؍۷۴)

۲۷ جون: ملکی سالمیت کے تحفظ کی خاطر قادیانیوں کو جلد غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔ قادیانی خود کو مسلمانوں سے علیحدہ تصور کرتے ہیں۔ جمعیت کے رکن قومی اسمبلی مولانا محمد ذاکر کا تحریری بیان۔

وہی حکومت قائم رہے گی جو قادیانیوں کا مسئلہ حل کرے گی، اگر قومی اسمبلی کے ممبروں نے مقررہ وقت پر اتفاق رائے ظاہر نہ کیا، تو اپنی جانوں کی حفاظت وہ خود کریں گے۔ مولانا عبدالستار خاں نیازی کا چنیوٹ میں خطاب۔

(روزنامہ نوائے وقت۔ لاہور ۲۸؍۶؍۷۴)

۲۸ جون: ظفر اللہ خاں کو غداری کے الزام میں پھانسی کی سزا دی جائے۔ قادیانیوں کے بارے میں حکومت نے قوم کا مطالبہ تسلیم نہ کیا تو نتائج بہت سنگین ہوں گے۔ حیدر آباد سندھ میں شاہ فرید الحق قائد حزبِ اختلاف سندھ اسمبلی کا جلسۂ عام سے خطاب۔ (روزنامہ جسارت کراچی ۲۹؍۶؍۷۴)

۳۰ جون: قادیانی مسئلہ کے بارے میں قومی اسمبلی کی خصوصی کمیٹی تشکیل دے دی گئی۔ اس کمیٹی کی قرارداد نورانی میاں نے پیش کی تھی۔ نورانی میاں نے قومی اسمبلی کی خصوصی کمیٹی کی کارروائی میں بھرپور حصہ لینے کے لیے بلوچستان کا دورہ ملتوی کر دیا۔ (روزنامہ نوائے وقت لاہور ۱؍۷؍۷۴)

یکم جولائی: قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔ مرزا ناصر احمد کو گرفتار کر کے مقدمہ چلایا جائے۔ ربوہ کو کھلا شہر قرار دیا جائے۔ جمعیت علماء پاکستان ڈیرہ غازی خان کے ہنگامی اجلاس کے مطالبے۔

سلانوالی ضلع سرگودھا میں مجلسِ عمل تحفظِ ختم نبوت کے قیام کے سلسلہ میں جمعیت کے سید محبوب حسین شاہ کو نائب صدر چن لیا گیا۔ (روزنامہ نوائے وقت لاہور ۷۴/۷/۲)

۲ جولائی: قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دیا جائے۔ ربوہ کو کھلا شہر قرار دیا جائے۔ قادیانیوں کو کلیدی اسامیوں سے ہٹایا جائے۔ گرفتار شدہ علماء و طلباء کو رہا کیا جائے۔ واربرٹن ضلع شیخوپورہ کے ہنگامی اجلاس سے مولانا نور محمد اور چودھری محمد افضل کا خطاب۔

طلباء کو گرفتار کر کے اشتعال انگیزی نہ کی جائے۔ جو حکام ربوہ تحریک میں طلباء کی گرفتاریوں کا حکم دے رہے ہیں، انہیں محبِ وطن نہیں کہا جا سکتا۔ چودھری اختر حسین ایڈووکیٹ صدر ضلعی جمعیت لائلپور کا بیان۔

(نوائے وقت لاہور ۷۴/۷/۳)

۸ جولائی: صاحبزادہ سید محمود شاہ کی گرفتاری کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے اُن کے گیارہ مریدوں نے گجرات میں احتجاجی جلوس نکالا۔

ہمیں ملک و ملت کی حفاظت کے لیے اپنے نظریات کا تحفظ کرنا ہوگا۔ ختمیت احکام رسالت پر حملہ کرنا ملک و ملت کو پرزے پرزے کرنا ہے۔ احکامِ الٰہی کی قوتِ نافذہ ذاتِ رسالتمآب ہے۔ مولانا عبدالستار خاں نیازی کا بیان۔

(روزنامہ نوائے وقت لاہور ۷۴/۷/۹)

۱۸ جولائی: مولانا عبدالرحیم شاکر صدر جمعیت میاں چنوں ضلع ملتان کو ختم نبوت کے بارے میں تقریر کرنے کے الزام میں گرفتار کر لیا گیا۔ (روزنامہ نوائے وقت لاہور ۷۴/۷/۱۹)

۲۱ جولائی: صاحبزادہ سید محمود صاحب گجراتی کو گجرات سے میانوالی جیل میں منتقل کر دیا گیا۔

(روزنامہ نوائے وقت لاہور ۷۴/۷/۲۲)

۲۹ جولائی: پنجاب جمعیت کے نائب صدر، مفتی مختار احمد گجراتی کے خلاف خطبۂ جمعہ میں مجلس عمل کی ایک قرارداد پڑھ کر سنانے کے جرم میں مقدمہ درج کر لیا گیا۔ (نوائے وقت لاہور ۷۴/۷/۳۰)

۳۰ جولائی: نظر بند علماء و سیاسی رہنماؤں سید محمود شاہ گجراتی، مولانا اورنگ زیب راولپنڈی و طالبعلم رہنماؤں کو فوراً رہا کیا جائے۔ مولانا شاہ احمد نورانی کا مطالبہ

(روزنامہ امروز لاہور ۷۴/۷/۳۱)

۳۱ جولائی: قادیانی مسئلہ حل کرنے میں تاخیر ہوئی، تو اپوزیشن قومی اسمبلی کا بائیکاٹ کرے گی۔ بائیکاٹ اس بات کی دلیل ہوگا کہ اسمبلی میں کچھ نہیں ہو رہا۔ قصور ضلع لاہور میں مولانا شاہ احمد نورانی کا خطاب۔

(روزنامہ نوائے وقت لاہور ۷۴/۸/۱)

یکم اگست: قادیانیوں کا مسئلہ جلد حل ہونا چاہیے۔ گوجرانوالہ میں جلسہ عام سے نورانی میاں کا خطاب۔

(روزنامہ نوائے وقت لاہور ۷۴/۸/۲)

۴ اگست: مولانا عزیز احمد خاں آف ٹوبہ ٹیک سنگھ کو ختم نبوت پر تقریر کرنے کے الزام میں گرفتار کر لیا گیا۔

حکومت علماء و طلباء کو گرفتار کر کے فضا خراب کر رہی ہے۔ گرفتار شدہ لیڈروں و طلبا کو رہا کیا جائے۔ مولانا غلام علی اوکاڑوی صدر پنجاب جمعیت کا مطالبہ۔

(روزنامہ نوائے وقت، لاہور ۷۴/۸/۵)

۶ اگست: اوکاڑہ میں جمعیت کے صوبائی صدر مولانا غلام علی اوکاڑوی و دیگر سات ارکان کو دفعہ ۱۴۴ توڑنے کے الزام میں گرفتار کر لیا گیا۔ شہر میں غم و غصے کی لہر دوڑ گئی۔ (روزنامہ نوائے وقت لاہور)

۷ اگست: حکومت مسلمانوں کے جذبات کا احترام

کرے۔ عوام قربانیاں پیش کرنے کے لیے تیار ہیں۔ اسیر علماء و طلباء کو رہا کیا جائے۔ خانپور غلہ منڈی مسجد میں مولانا عبدالستار خاں نیازی کا خطاب (نوائے وقت لاہور ۸ اگست ۷۴ء)

۸ اگست: حکومت کی موجودہ پالیسی نے عوام کو شک و شبہات میں مبتلا کر دیا ہے۔ اسلام کے نام لیواؤں کو جیلوں میں ٹھونسا جا رہا ہے جو نظریہ پاکستان سے انحراف کے مترادف ہے۔ گول چوک مسجد سرگودھا میں مولانا عبدالستار خاں نیازی کا خطاب (روزنامہ نوائے وقت لاہور ۹ اگست ۷۴ء)

۹ اگست: مسٹر جسٹس چودھری محمد صدیق نے سید محمود شاہ گجراتی کی ضمانت پر رہائی کے احکام صادر کر دیے۔

ہم قانون کا احترام کرتے ہیں اور انتظامیہ اس کا غلط استعمال کرتی ہے۔ پُرامن شہریوں کو دھمکانا اور علماء کو گرفتار کرنا روز کا معمول بن چکا ہے۔ اگر حکومت کا رویہ ایسا ہی رہا، تو حالات مزید بگڑ سکتے ہیں۔ منڈی مرید کے ضلع شیخوپورہ کی جامع مسجد میں صاحبزادہ فیض القادری کا خطاب۔

(روزنامہ نوائے وقت لاہور ۱۰ اگست ۷۴ء)

۱۱ اگست: تمام اسیروں کو رہا کیا جائے۔ عوام پیر کو ہڑتال کریں۔ مولانا عبدالرحیم شاکر کا میاں چنوں میں جلسۂ عام سے خطاب۔

گوجرانوالہ جمعیت کے رہنماؤں نے ۱۲ اگست کو گوجرانوالہ میں ہڑتال کرنے کی اپیل کی۔ (نوائے وقت لاہور ۱۲ اگست ۷۴ء)

۱۲ اگست: مولانا غلام علی اوکاڑوی ضمانت پر رہا ہو گئے۔

گوجرانوالہ میں جمعیت کی اپیل پر ہڑتال ہوئی۔ شہریوں کے جلوس پر پولیس نے لاٹھی چارج کیا۔ شیرانوالہ باغ میں جمعیت کے مولانا رحمت اللہ نوری نے بہت بڑے اجتماع سے خطاب کیا۔ (نوائے وقت لاہور ۱۳ اگست ۷۴ء)

۱۹ اگست: قومی اسمبلی منکرینِ ختمِ نبوت کو غیر مسلم اقلیت قرار دے دے گی۔ اسمبلی کے پچانوے فیصد ممبر اقلیت قرار دینے کے حق میں ہیں۔ منڈی مرید کے میں جلسۂ عام سے نورانی میاں کا خطاب۔

(نوائے وقت لاہور ۲۰ اگست ۷۴ء)

۲۱ اگست: تحریک ختم نبوت کے سلسلہ میں اسیر علماء و طلباء کو رہا کیا جائے۔ مقدمات واپس لیے جائیں۔ مولانا غلام علی اوکاڑوی کا مطالبہ۔

(نوائے وقت لاہور ۲۲ اگست ۷۴ء)

۲۲ اگست: اسیرانِ ختم نبوت کو رہا کیا جائے۔ ربوہ کو کھلا شہر قرار دیا جائے۔ کامونکی میں نورانی میاں کا خطاب۔

ہر قسم کی مزاحمت اور تشدد کے باوجود ہم اپنی تحریک اس وقت تک جاری رکھیں گے جب تک تمام مطالبات تسلیم نہیں ہو جاتے۔ دارالعلوم مدینہ ڈسکہ میں ملک محمد اکبر ساقی کا خطاب (روزنامہ نوائے وقت لاہور ۲۳ اگست ۷۴ء)

۲۵ اگست: قادیانیوں کا مسئلہ حل کرتے وقت عوام کے احساسات کا خیال رکھا جائے۔ عوام کا مطالبہ پورا نہ ہوا تو مجلس عمل کا آئندہ لائحہ عمل مرتب کیا جائے گا۔ لائل پور سُنّی کانفرنس سے نورانی میاں کا خطاب۔

(روزنامہ نوائے وقت لاہور ۲۶ اگست ۷۴ء)

۳۱ اگست: قادیانیوں کو غیر مسلم قرار نہ دیا گیا، تو عوام کبھی مطمئن نہیں ہوں گے۔ مرزا ناصر احمد قومی اسمبلی کے سوالات سے گھبرا گئے تھے۔ سرگودھا میں نورانی میاں کا خطاب۔

(نوائے وقت لاہور ۱ ستمبر ۷۴ء)

یکم ستمبر: ۷ ستمبر کو فیصلہ عوامی خواہشات کے مطابق نہ ہوا تو تحریک چلائی جائے گی۔ ناموس رسالتؐ کی خاطر مسلمان

ہر قسم کی قربانی دینے کو تیار ہیں۔ قومی اسمبلی اور حکومت کو منکرینِ ختم نبوت کے بارے میں فیصلہ کرتے وقت مسلمانوں کی خواہشات کو مدِ نظر رکھنا ہوگا ــــ عقیدۂ ختم نبوت کی ہر قیمت پر حفاظت کی جائے گی۔ یہ حکومت اور عوام کے منتخب نمائندوں کی آزمائش کا وقت ہے۔ (روزنامہ نوائے وقت لاہور ۲/۹/۷۴)

۴ ستمبر: حکومت اکثریت کی رائے کا احترام کرتے ہوئے ۷ ستمبر کو صحیح فیصلہ صادر کرے۔ تشدد اور دھمکیوں سے عوام کو دبایا نہیں جا سکتا۔ اندرون موچی دروازہ اور لوہاری دروازہ میں جلسوں سے صاحبزادہ فیض القادری کا خطاب۔

(نوائے وقت لاہور ۵/۹/۷۴)

۵ ستمبر: حکومت حالات کی سنگینی کو سمجھے اور ملک کے مسائل کو عوام کی خواہشات کے مطابق حل کرے کیونکہ یہی جمہوریت کا قاعدہ ہے۔ شاہ فرید الحق کا بیان۔

ختم نبوت تحریک سے سیاسی مقاصد حاصل کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی ہم ملکی سالمیت کے خلاف کوئی قدم نہیں اُٹھائیں گے۔ علامہ محمود احمد رضوی کی جامع مسجد الصادق بہاولپور میں تقریر (روزنامہ جنگ کراچی ۶/۹/۷۴)

۸ ستمبر: قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے پر جمعیت کے رہنماؤں حضرت خواجہ محمد قمر الدین سیالوی، ظہور الحسن بھوپالی، حاجی زاہد علی، مولانا محمد حسن حقانی (ارکان سندھ اسمبلی) نے مسرت کا اظہار کیا۔

(روزنامہ امروز، لاہور ۹/۹/۷۴)

۱۳ ستمبر: کسی قادیانی کو حج بیت اللہ کے لیے نہ جانے دیا جائے۔ کراچی میں نورانی میاں کی پریس کانفرنس۔ گوجرانوالہ مجلسِ عمل کے اجلاس میں جمعیت کے مولانا عبدالعزیز چشتی نے خطاب کیا اور ارکان قومی اسمبلی و سینیٹ کو قادیانی مسئلہ حل کرنے پر خراجِ تحسین پیش کیا۔ (روزنامہ نوائے وقت لاہور ۱۴/۹/۷۴)

۱۴ ستمبر: مرزائیوں کو اقلیت قرار دینا تاریخ اسلام کا عظیم کارنامہ ہے۔ یومِ تشکر پر ملک محمد اکبر ساقی و مولٰینا غلام قادر اشرفی کے بیانات۔

(روزنامہ امروز لاہور ۱۵/۹/۷۴)

۱۵ ستمبر: تحریکِ ختم نبوت کا روح پرور اتحاد جاری رہنا چاہیے۔ ورلڈ اسلامک مشن کی تمام شاخوں کو قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دینے پر ہونے والے پروپیگنڈے کے توڑ کرنے کی ہدایت کر دی گئی ہے۔ تحریکِ ختم نبوت میں پنجاب کے عوام نے زبردست قربانیاں دی ہیں۔ مرکزی جامع مسجد کراچی میں نورانی میاں کا خطاب۔ علامہ ازہری نے بھی اس جلسہ سے خطاب کیا۔

(روزنامہ نوائے وقت لاہور ۱۶ ستمبر)

۱۶ ستمبر: جامعہ فریدیہ ساہیوال میں یوم تشکر کے موقع پر چراغاں کیا گیا۔ مولانا منظور احمد شاہ نے جلسۂ عام سے خطاب کیا۔ (نوائے وقت لاہور ۱۷/۹/۷۴)

۱۹ ستمبر: عقیدۂ ختم نبوت طے شدہ مسئلہ ہے، پارلیمنٹ نے اُسے صرف نافذ کیا ہے۔ پاکستان کے وفادار مرزائیوں کے جان و مال کی حفاظت کی جائے گی۔ ظفر اللہ خان کے بیان پر مولانا عبدالستار خان نیازی کی نکتہ چینی۔

روزنامہ نوائے وقت لاہور ۲۰/۹/۷۴

۲۰ ستمبر: تحریکِ ختم نبوت کے اسیروں کی رہائی کا اعلان ہی کافی نہیں۔ ان کے خلاف جھوٹے مقدمات بھی واپس لیے جائیں۔ علماء نے ثابت کر دیا ہے کہ وہ ملکی سیاست میں اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔ تحریک کے دوران مرزائیوں پر واضح ہو چکا ہے کہ وہ کس قوم کے خلاف سازش کر رہے ہیں۔ کراچی میں مختلف کالجوں کے منتخب نمائندوں کی طرف سے دیئے گئے استقبالیہ میں نورانی میاں

کا خطاب۔ (نوائے وقت لاہور ۲۱/۹)

۲۱ ستمبر: پاکستان میں قادیانی بالکل محفوظ ہیں ظفراللہ خان کا الزام جھوٹا ہے۔ قومی اسمبلی کو قادیانی مسئلے پر کوئی بھی فیصلہ کرنے کا مکمل اختیار ہے۔ مرزائی لیڈر نے ریڈکلف کے سامنے پاکستان کا مؤقف غلط طور پر پیش کیا تھا۔ نورانی میاں کا ظفراللہ خان کے انٹرویو پر تبصرہ۔ (نوائے وقت لاہور ۲۲/۹)

۲۲ ستمبر: قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دینا عالم اسلام کے جذبات کی صحیح ترجمانی ہے۔ اہل مدینہ منورہ پاکستان کی سلامتی کے لیے دعائیں مانگیں۔ قادیانی مسئلہ حل ہونے کے سلسلے میں مولانا فضل الرحمٰن مدنی کے تہنیتی تار کے جواب میں نورانی میاں کا تار (روزنامہ نوائے وقت لاہور ۲۳/۹)

۲۴ ستمبر: قادیانیوں کو اسلامی اصطلاحات کے استعمال سے قانوناً روکا جائے۔ تبلیغ کی خاطر بیرون ملک جانے والے قادیانیوں کو زرِمبادلہ ہرگز نہ دیا جائے۔ نورانی میاں کا بیان (روزنامہ نوائے وقت لاہور ۲۵/۹)

۲۵ ستمبر: پنجاب جمعیت کے نائب ناظم اعلےٰ مولانا احمد علی قصوری کی سیشن جج لاہور نے قبل از گرفتاری ضمانت منظور کر لی۔ مولانا پر تحریک ختم نبوت کے دوران قابل اعتراض تقریر کرنے کا الزام ہے۔ (نوائے وقت لاہور ۲۶/۹)

۳۰ ستمبر: عشقِ رسولؐ کے جذبے نے ہی تحریک ختم نبوت کو کامیابی سے ہمکنار کیا ہے۔ خدام الاحمدیہ اور الفرقان فورس پر پابندی عائد کی جائے۔ جامع مسجد نور اچھرہ لاہور میں مولانا نیازی، علامہ محمود احمد رضوی اور صاحبزادہ فیض القادری کا خطاب (روزنامہ نوائے وقت لاہور ۱/۱۰)

۵ اکتوبر: ربوہ میں عنقریب عظیم الشان ختم نبوت کانفرنس منعقد کی جائے گی۔ حکومت نے ابھی تک قادیانیوں کو کلیدی اسامیوں سے برطرف اور ربوہ کو کھلا شہر قرار نہیں دیا۔ بمبئی بازار چوک کھارادر کراچی میں عوام کے بہت بڑے اجتماع سے نورانی میاں کا خطاب۔

(روزنامہ نوائے وقت لاہور ۶/۱۰)

۱۴ اکتوبر: دستوری فیصلے کو قبول نہ کرنیوالی اقلیت کا محاسبہ کرنا حکومت کا فرض ہے۔ قادیانیوں نے مسلمانوں کے جذبات کو مشتعل کرنے کے لیے اپنی سرگرمیاں تیز کر دی ہیں۔ قادیانیوں نے ملک وملت کے خلاف اپنے جارحانہ عزائم ترک نہ کیے، تو ملک کے حالات خراب ہوسکتے ہیں۔ راولپنڈی مجلسِ عمل کے کارکنوں سے علامہ محمود احمد رضوی سیکرٹری جنرل مجلسِ عمل کا خطاب۔

(روزنامہ نوائے وقت لاہور ۱۵/۱۰)

۱۵ اکتوبر: ایڈیشنل سیشن جج لاہور عبدالسمیع صابر نے علامہ محمود احمد رضوی کی ضمانت قبل از گرفتاری منظور کر لی۔ (روزنامہ نوائے وقت لاہور ۱۶/۱۰)

۱۷ اکتوبر: مولانا عبدالرحیم شاکر، صدر جمعیت و مجلس عمل میاں چنوں ضلع ملتان کو تحریک ختم نبوت میں کام کرنے کے جرم میں گمنام خطوں کے ذریعے قتل کی دھمکی دی گئی۔ (نوائے وقت لاہور ۱۸/۱۰)

۱۹ اکتوبر: تحریکِ ختم نبوت کے دوران ہر طبقہ کے مسلمانوں نے اپنی ذمہ داری کا احساس کیا ہے۔ اہالیانِ فیڈرل بی ایریا کراچی کی جانب سے تحریک ختم نبوت کے دوران بے مثال کردار انجام دینے کے سلسلہ میں اپنے اعزاز میں دیے گئے ایک استقبالیہ میں نورانی میاں کا خطاب۔

(روزنامہ نوائے وقت لاہور ۲۰/۱۰)

۲۱ اکتوبر: حکومت مرزائیوں کی کارروائیوں کا سختی سے نوٹس لے۔ سرگودھا کے افسوسناک واقعات کی تحقیقات ہائیکورٹ کے جج سے کرائی جائے۔ تحریک ختم نبوت

کے کئی اسیروں کو ابھی تک رہا نہیں کیا گیا۔ علامہ محمود احمد رضوی کی لاہور میں پریس کانفرنس۔

(روزنامہ نوائے وقت لاہور ۲۲ نومبر)

۲۲ اکتوبر: پنجاب جمعیت کے نائب ناظم اعلیٰ اور خازن مولانا احمد علی قصوری اور قاری عبدالحمید کی ضمانت قبل از گرفتاری منظور کر لی گئی۔ ان رہنماؤں کے خلاف دھوبی گھاٹ لائلپور میں ختم نبوت کے سلسلہ میں اشتعال انگیز تقریر کرنے کا الزام ہے۔ (روزنامہ نوائے وقت لاہور ۲۳ نومبر)

۲۴ اکتوبر: مولانا عبدالرحیم شاکر آف میاں چنوں کی گرفتاری سراسر ناجائز اور انتقامی کارروائی ہے۔ ملک محمد اکبر ساقی کا بیان۔ (روزنامہ نوائے وقت لاہور ۲۵ نومبر)

۲۷ اکتوبر: ربوہ کو جلد کھلا شہر نہ بنایا گیا، تو دس لاکھ عاشقانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم قادیانیوں کے شہر کی طرف مارچ شروع کر دیں گے۔ رجسٹریشن ایکٹ، تعزیری اور انتخابی قوانین میں فوراً ترمیم کی جائے۔ قادیانی تحریک کا سہرا حکومت کے سر نہیں بلکہ عوام کے سر ہے، جنہوں نے بے بہا قربانیاں دی ہیں۔ مولانا نورانی اور علامہ ازہری کا جمعیت کے زیرِ اہتمام کراچی میں جلسہ عام سے خطاب۔

ختم نبوت کا عقیدہ پاکستان کی سالمیت کا علمبردار ہے۔ تحریک ختم نبوت کی کامیابی پاکستان میں سوشلزم اور کمیونزم کی شکست ہے۔ جامعہ نظامیہ رضویہ لوہاری گیٹ لاہور کے ایک استقبالیہ میں نورانی میاں، مولانا عبدالستار خاں نیازی، سید محمود شاہ گجراتی اور علامہ محمود احمد رضوی کا خطاب۔

(روزنامہ نوائے وقت / امروز لاہور ۲۸ نومبر)

رپورٹ : ہدایت اللہ مجاہد

ختمِ نبوّت اور انجمن طلبائے اسلام

خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ مسلمانانِ پاکستان کی پیہم جد و جہد سے تحریک ختم نبوّت کامیابی سے ہمکنار ہوئی اور پاکستان میں مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا گیا۔

اس تحریک میں اراکین پارلیمنٹ، مجلس عمل کے زعمار، علمار کرام اور اسلام پسند سٹوڈنٹس تنظیمیں پیش پیش تھیں حقیقت یہ ہے کہ انہی کی مسلسل کاوشوں کی بنا پر یہ تحریک کامیابی کی منزلوں تک پہنچی۔

اہل سنت والجماعت کے طلبار کی تنظیم انجمن طلبائے اسلام نے حالیہ تحریک تحفظ ختم نبوت میں جو غیر معمولی کردار سرانجام دیا ہے وہ انجمن طلبار اسلام کی تاریخ میں ہمیشہ سنہرے حروف سے لکھا جائے گا۔

انجمن کے رہنماؤں نے پشاور سے کراچی تک دن رات دوفود کی صورت میں دورے کئے اور ملک کے گوشے گوشے میں عام جلسے منعقد کرکے حکومت اور عوام پر اپنا موقف واضح کیا۔ ایک محتاط اندازہ کے مطابق انجمن طلبار اسلام نے اس تحریک کے دوران ملک میں تیرہ سو پچھتر عظیم الشان جلسہ ہائے عام کا انعقاد کیا۔ انجمن کے نڈر اور عشقِ مصطفےٰ سے سرشار طلبار نے ان جلسوں میں اس بات کا واضح اعلان کیا کہ ناموسِ رسالت پر ہرگز ہرگز آنچ نہیں آنے دیں گے. خواہ اس کی خاطر اپنی جانوں کا نذرانہ کیوں نہ پیش کرنا پڑے۔

علاوہ ازیں قادیانیوں کی اسلام دشمن سرگرمیوں کو اجاگر کرنے کے لئے اور آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کو علمی سطح پر ثابت کرنے کے لئے بے شمار پمفلٹ اور پوسٹر شائع کئے گئے جو ملک بھر میں تقسیم ہوئے۔ تحریک کو کامیاب بنانے کی خاطر انجمن طلبار اسلام کے رہنماؤں کو قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کرنی پڑیں۔ یہاں تک کہ اب بھی انجمن کے اکثر کارکنان کے خلاف ختم نبوت کے موضوع پر تقاریر کرنے کی پاداش میں مختلف شہروں میں مقدمات درج ہیں۔ انجمن کے کارکنان محمد اقبال اظہری۔ (ناظم انجمن صوبہ پنجاب) محمد خاں لغاری (سیکریٹری اطلاعات) کے علاوہ انجمن کے دیگر رہنماؤں حاجی محمد امین، سید لیاقت علی شاہ محمد بنیامین، محمد یعقوب قادری، محمد ارشاد جاوید، راؤ ارتضیٰ حسین اشرفی، قاری عطاءاللہ، امجد علی چشتی، محمد اقبال قمر، شوکت علی وحید، حافظ منظور الحق، زمان لیاقت علی، غلام ربانی قمر، محفوظ احمد منتظر، سید محفوظ، خالد محمود اور حافظ محمد یوسف نے تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور سچ یہ ہے کہ ان نوجوانوں کی سرگرمیوں سے تحریک کو نئی آب و تاب ملی۔

تحریک کے دوران سابق مرکزی صدر جناب حاجی

محمد حنیف طیّب بھی پنجاب کے دورے پر تشریف لائے انہوں نے یہاں پندرہ روز تک مختلف شہروں میں منعقدہ جلسوں میں اپنے خیالات کا اظہار فرمایا۔ نیز کارکنانِ انجمن کو اہم مشوروں سے نوازا۔ علاوہ ازیں حافظ محمد تقی ناظم کراچی اور امان اللہ خاں نیازی نائب ناظم بھی حالیہ تحریک کے دوران پنجاب کے دورہ پر تشریف لائے اور تحریک میں گرم جوشی سے حصہ لیا۔

قائد طلباء محمد اقبال اظہری، محمد خاں نغاری، ارتضیٰ حسین اشرفی، حافظ منظور الحق اور محمد ارشاد جاوید کو اس تحریک کے دوران متعدد بار پابندِ سلاسل کیا گیا۔ انجمن کے ان جیالے کارکنان نے جیل کے اندر اور عدالتِ عالیہ میں ڈنکے کی چوٹ یہ اعلان کیا کہ وہ قید و بند کی صعوبتیں برداشت کر سکتے ہیں مگر تحفظ ختم نبوت سے سرمو انحراف نہیں کر سکتے۔

تحریک تحفظ ختم نبوّت میں انجمن کا حالیہ کردار انجمن کے منشور کی واضح طور پر عکاسی کرتا ہے کیونکہ انجمن کا اوّلین نصب العین مقام مصطفیٰ کا تحفظ اور نظام مصطفیٰ کا نفاذ ہے۔ مقام مصطفیٰ کے تحفظ کے بعد اب انجمن طلبائے اسلام نے اپنی تمام تر توجہ پاکستان میں نظام مصطفیٰ کے نفاذ کی طرف مبذول کر دی ہے۔ انشاء اللہ وہ دن دور نہیں جب انجمن کے مخلص اور باہمت کارکنان کی جدوجہد سے مملکتِ خداداد پاکستان میں نظام مصطفیٰ کا نفاذ عمل میں آئے گا۔

آخر میں تمام طلباء کو اس بات کی دعوت دی جاتی ہے کہ وہ اپنے اسلاف کی درخشندہ تاریخ کو دہراتے ہوئے مملکت خداداد پاکستان میں نظام مصطفیٰ کے نفاذ کے لیے کمربستہ ہو جائیں اور ملک بھر کے تعلیمی اداروں میں خالص اسلامی نظام تعلیم رائج کرنے کے لئے انجمن طلباء اسلام کے پلیٹ فارم پر جمع ہو جائیں۔

تحریر: حافظ احمد بخش

تحریکِ ختمِ نبوّت میں "الفتح" کا حِصّہ

الفتح کا قیام عمل میں آنے سے پہلے جبس مں "سوشل بائیکاٹ" کا اعلان کر چکی تھی۔ مگر بعض عاقبت نا اندیش دعویٔ مسلمانی کے باوجود مرزائیت نوازی کر رہے تھے اور سوشل بائیکاٹ کو ناکام بنانا ان کا پسندیدہ مشغلہ بنا ہوا تھا۔ "الفتح" کے رضا کاروں نے اس کی اہمیت کو سمجھا اور اس کو کامیاب بنانے کے لیے مرزائی نوازوں کا سختی سے محاسبہ کیا۔ "الفتح" کی ہائی کمان کی طرف سے دو ٹوک اور واضح الفاظ میں یہ اعلان کر دیا گیا کہ ہم حکومت سے تعاون کرتے ہوئے مرزائیوں سے نہیں الجھیں گے، لیکن جو مسلمان ان سے معاملات کرتا ہوا پایا گیا یا جس نے سوشل بائیکاٹ کی مہم کو ناکام کرنے کی کوشش کی اسے "الفتح" کے تجویز کردہ طریقے سے رُسوا کیا جائے گا۔

"الفتح" کے انتھک اور بلند ہمت مجاہد دن کے وقت بازار کا چکر لگاتے کہ کوئی مرزائی نواز مرزائیوں کے لیے اشیائے ضرورت خرید نہ پائے۔ یہی نہیں بلکہ ساری ساری رات گلیوں کے کونوں پر کھڑے کھڑے گزار دیتے۔

تین ماہ گزر گئے لیکن ان مجاہدوں نے ایک دن بھی اپنے فرض میں کوتاہی نہ برتی۔ اس کے علاوہ "الفتح" کے رضا کار جلسوں کا انتظام بھی کرتے۔ بھیرہ شہر میں مجلس عمل کے تقریباً پچاس اجلاس منعقد ہوئے اور ان میں سے ہر دوسرا اجلاس پہلے کی نسبت زیادہ بارونق اور مؤثر تھا۔ ان کی کامیابی کا راز "الفتح" کے جیالوں کے وہ نعرے تھے جو فضا میں گونجتے تو دشمن دہل جاتے تھے۔

اور جب یہ نعرہ فضا میں گونجتا:

"ربوہ کی دیواروں کو، ایک جھٹکا اور دو"

تو صرف مرزائی کوچہ ہی نہیں بلکہ مرزائیت کا پورا ایوان ہی لرز جایا کرتا تھا۔

یہاں اس تاریخی کنونشن کا تذکرہ کر دینا ضروری ہے جس نے اہل اسلام کے دلوں کے اندر ایک نیا جوش اور ولولہ دیا۔

۱۸ اگست کی صبح ہر طرف گہما گہمی تھی۔ سارے بازار جھنڈیوں سے آراستہ تھے۔ روشوں پر چھڑکاؤ کیا جا رہا تھا۔ ہر شخص کا چہرہ عزیمت و استقامت کا مظہر تھا۔ فضا پر ایک کیفیت طاری تھی۔ "الفتح" کے رضا کار جوشِ عقیدت میں ہر چیز سے مستغنی انتظامات میں مصروف تھے۔ یہ سب کچھ کس لیے تھا؟ آج تنظیم "الفتح" کی طرف سے ضلعی سطح پر کنونشن منعقد کیا جا رہا تھا۔ مہمانوں کی سہولت کے لیے "بس سٹاپ" اور "ریلوے سٹیشن" پر استقبالیہ کیمپ قائم کر دیئے گئے تھے۔ "الفتح" کا لہراتا ہوا پرچم آنے والے مہمانوں کو فوراً ہی اپنی طرف متوجہ کر لیتا تھا۔ استقبالیہ کیمپ میں متعین رضا کار باہر سے آنے والے مہمانوں کو ملتے اور پروگرام کے مطابق دار العلوم محمدیہ غوثیہ میں پہنچا دیتے۔

مہمانوں کو ٹھہرانے کے لیے چند خاص انتظامات کیے گئے تھے۔ ہر علاقے کے لوگوں کے لیے الگ الگ جائے رہائش کا انتظام تھا انہیں دعوتی کارڈ ساتھ لانے کی تاکید کی گئی تھی تاکہ کوئی غلط عنصر داخل ہو کر نقصان نہ پہنچا سکے۔

نماز ظہر کے بعد دار العلوم محمدیہ غوثیہ کے دار الحدیث میں

ضلع بھر کے اراکین "الفتح" اکٹھے ہوئے ۔ اس اجتماع میں بعض دوسرے مسائل کے علاوہ بانی "الفتح" صاحبزادہ محمد امین الحسنات شاہ کو ضلعی سطح پر صدر چن لیا گیا ۔

۱۸ ، اور ۱۹ ، اگست کی درمیانی شب دار العلوم محمدیہ غوثیہ کی پرشکوہ و باوقار عمارت اپنے گلے میں برقی قمقموں کے ہار پہنے ماتھے پر "الفتح" کا جھومر سجائے دعوتِ نظارہ دے رہی تھی ۔ پختہ اینٹوں کی بنی ہوئی روشوں پر بچھی ہوئی خوبصورت بجری اور جابجا بنے ہوئے محرابی دروازے بڑے بھلے لگ رہے تھے ۔ آنے والوں کی راہنمائی کے لیے جگہ جگہ آویزاں اشارات حسن انتظام کا مظہر تھے ۔ سرِ شام ہی حاضرین نے اپنی اپنی نشستیں سنبھالنا شروع کر دیں تاکہ اپنے محبوب مقررین کی زیارت سے محروم نہ رہ جائیں ۔ نماز عشاء کے بعد حضرت علامہ پیر محمد کرم شاہ صاحب ایم ۔ اے الازہر مدظلہ العالی کی زیر صدارت عام جلسہ کی کارروائی شروع ہوئی ۔ "الفتح" کے ایک رضاکار نے اس والہانہ انداز سے تلاوت کی کہ مجمع جھوم جھوم گیا ۔ تلاوت کلام مقدس کے بعد سلیمان گیلانی نے اپنے مخصوص انداز میں ایک نظم پڑھی ۔ بعد ازاں اسٹیج سیکرٹری جناب ریاض احمد خاں نے "الفتح" کا تعارف کراتے ہوئے جذبہ جانثاری کا اعلان ان الفاظ میں کیا ۔ ؎

خونِ دل سے کے نکھاریں گے رخِ برگِ گلاب
ہم نے گلشن کے تحفظ کی قسم کھائی ہے

اور پھر نعروں کی گونج میں راؤ عبد المنان اسٹیج پر تشریف لائے اور اپنی سحر بیانی سے حاضرین کے دلوں کو ولولہ تازہ بخشا ۔ اسٹیج سیکرٹری کی آواز فضا میں گونجی ۔ قائد الفتح "تشریف لاتے ہیں ۔ حاضرین کا اشتیاق بڑھا اور بے تاب نگاہیں اسٹیج پر جم کر رہ گئیں ۔ جناب قائد مائیک کے سامنے تشریف لائے اور ان کی آواز فضا میں ابھری ۔

یارب بالمصطفیٰ بلغ مقاصدنا
واغفر لنا مامضیٰ یاواسع الکرم

انہوں نے اپنے مخصوص انداز میں فتنہ مرزائیت کی نقاب کشائی کی اور مقام مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو عوام کے سامنے پیش کیا ۔ ان کے بعد مجلس عمل کے دوسرے زعماء نے تقاریر کیں ۔

رات کا کافی حصہ گذر چکا تھا ، آخر میں صدر بزم مائک کے سامنے تشریف لائے اور اپنے حکیمانہ اسلوب میں خطبہ صدارت ارشاد فرمایا ۔

رات چوبیس سے پچیس اگست کی طرف کروٹ بدل رہی تھی ۔ سارے شہر پر ایک مہیب سکوت طاری تھا ۔ تاریکی نے ہر طرف اپنے دبیز پردے لٹکا رکھے تھے ۔ یکایک چند دھماکے سنائی دیئے اور ساتھ ہی "تڑ تڑ" کی آوازیں فضا میں گونجیں ۔ ہر طرف بے چینی اور اضطراب کی لہر دوڑ گئی ہر کسی کا جذبہ تجسس بیدار ہو چکا تھا ۔ جو کشاں کشاں سب کو جائے وقوعہ تک لے آیا ۔ دیکھتے ہی دیکھتے دار العلوم محمدیہ غوثیہ کے عقب میں انسانوں کا ایک بہت بڑا ہجوم جمع ہو چکا تھا اور یہ معلوم ہونے پر کہ دشمن نے اپنی روایتی بزدلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے رات کی تاریکی میں "الفتح" کے محبوب قائد پر حملہ کیا ہے ، وہ بے قابو ہو گئے ۔

جب لوگ بے قابو ہونے لگے تو حضرت العلامہ پیر محمد کرم شاہ صاحب مدظلہ العالی نے ان سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا ! اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے دشمن ، عزیز کا کچھ نہیں بگاڑ سکے ۔ اب ہمیں حالات کو مزید تلخ نہیں بنانا چاہیئے ۔ میں نہیں چاہتا کہ میرے بیٹے کی وجہ سے مسلمان مشکلات سے دوچار ہوں ۔ اسکے علاوہ ہم انتظامیہ کے لیے مشکلات پیدا کرنا نہیں چاہتے ۔ آپ کے جذبات و احساسات کا مجھے احترام ہے مگر قیام امن کی خاطر آپ کی خدمت میں یہی گذارش کروں گا کہ آپ اپنے گھروں کو چلے جائیں ۔ حالات سے آپ کو

باخبر رکھا جائے گا۔ تھوڑی دیر بعد لوگ بوجھل قدموں سے گھروں کو واپس جارہے تھے اور "الفتح" کے رضاکار جائے وقوعہ پر پہرہ دے رہے تھے کہ کوئی نابکار نشانات مٹانے کی کوشش نہ کرے۔

"الفتح" کے دیگر مجاہدوں نے تحریک ختم نبوت کے لیے گرانقدر کام کیا۔ ریاض احمد خاں، شاعر "الفتح" محمد مقبول، پیرزادہ احمد جنید شاہ، جناب عبدالوحید، تاجا خاں، سلیمان، رشید غرض کس کس کی جاں سپاری کا قصہ بیان کیا جائے۔ آخرالذکر تین مجاہدوں کو کئی دفعہ پابند سلاسل کیا گیا مگر ان کے پائے استقلال میں کبھی لغزش نہ آئی۔

اگر طوالت کا خطرہ نہ ہوتا تو میں ہر مجاہد کے لیے ایک الگ باب باندھتا اور اس کے عظیم کارناموں کو خراج عقیدت پیش کرتا۔ اب اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے تبرکاً ان کے اسمائے گرامی ہی زیب قرطاس کرنا اپنے لیے باعثِ فخر سمجھوں گا۔

محمد اقبال، عبدالستار، محمد رفیق بھیروی، افتخارالحسن سیالکوٹی، عبداللطیف اور صوفی محمد عظیم وغیرہ۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان سب کی کوششوں کو شرفِ پذیرائی بخشا اور آخر سات ستمبر کی مبارک صبح طلوع ہوئی۔ اس دن کا آفتاب ایک عہدِ سعید کے آغاز کی بشارت سناتا ہوا نمودار ہوا۔ ساڑھے چار بجے قومی اسمبلی کا اجلاس منعقد ہوا۔ جسمیں وزیراعظم نے بنفس نفیس شرکت کی اور اس میں وہ تاریخی بل پیش ہوا جس نے ختم نبوت کے ہر منکر کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا۔

بقیہ: علمائے جامع ازھر

مبلغوں نے مصر میں قادیانیت کے فروغ کے لیے کام شروع کردیا۔ ابتداءً انہوں نے دو عربی کتابچے تعالیم الأحمدية (احمدیت کی تعلیمات) اور الأحمدية كما عرفنا ها (احمدیت جیسا کہ ہم نے اس کو سمجھا) چھاپ کر مصری مسلمانوں میں پھیلانے کی کوشش کی۔ مصر میں قادیانیت کا یہ پہلا تعارف تھا۔

اسی زمانہ میں حکیم مشرق علامہ سید جمال الدین افغانی رحمۃ اللہ علیہ کے دستِ راست مفتی شیخ محمد عبدہٗ کے تلمیذ رشید اور علامہ اقبال کے دوست اور عظیم مفسرِ قرآن شیخ مصطفےٰ المراغی شیخ الازہر تھے۔ ان کو جب قادیانیوں کی اس حرکت کا علم ہوا تو انہوں نے کلیۂ اصول الدین کے سربراہ الشیخ عبدالمجید اللبان کی سرکردگی میں ایک خصوصی کمیٹی قائم کی۔ جس کے سپرد یہ کام ہوا کہ وہ ان دونوں "طالب علموں" کے معاملہ کی تحقیقات کرے کہ یہ کون لوگ ہیں، کس فرقہ سے ان کا تعلق ہے، ان کا دین و مذہب کیا ہے اور یہ لوگ کیا چاہتے ہیں۔ اس کمیٹی میں جامعۂ ازہر کے متعدد جید علماء شامل تھے۔ ان حضرات نے ان دونوں افراد کے سلسلہ میں مفصل تحقیقات کی۔ قادیانیوں کے سارے لٹریچر کا مطالعہ کیا اور آخر میں ایک جامع رپورٹ شیخ الازہر شیخ مصطفےٰ المراغی کو پیش کی۔ اس رپورٹ میں قادیانیوں کے عقائد کا جائزہ لینے کے بعد بتایا گیا کہ قادیانی کافر ہیں اور دائرۂ اسلام سے خارج ہیں۔ اس رپورٹ کے ملنے کے بعد مذکورہ دونوں "طالب علموں" کو بھی کافر و ملحد قرار دے کر جامعۂ ازہر سے خارج کردیا گیا اور آئندہ کے لیے حکم دے دیا گیا کہ کسی قادیانی کو جامعۂ ازہر میں داخلہ نہ دیا جائے۔ چنانچہ اس واقعہ کے بعد سے آج تک اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے کوئی قادیانی جامعۂ ازہر میں نہیں گھس سکا اور نہ انشاء اللہ العزیز آئندہ کبھی ان لوگوں کو یہ جرأت ہوگی۔

قادیانیوں کو دعوتِ اسلام

مولانا غلام رسول سعیدی

پاکستان کی تاریخ میں ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء کا دن انتہائی اہم اہمیت کا حامل ہے۔ اس دن پاکستان کی قومی اسمبلی نے پوری قوم کی نمائندگی کرتے ہوئے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا اور اب آئینی طور پر وہ مسلمانوں سے ایک الگ قوم شمار کیے جاتے ہیں۔ بہت سے ناواقف لوگ قادیانیت کو سمجھے بغیر اس سے وابستہ ہو گئے تھے۔

مرزا غلام احمد قادیانی نے قرآنِ کریم کی خانہ ساز تفسیر اور نبوت کی خود ساختہ اقسام بیان کر کے سادہ لوح لوگوں کو یہ باور کرایا کہ ان کا دعویٰ نبوت ختمِ نبوت کے عقیدے سے متصادم نہیں ہے۔ اس وجہ سے بہت سے ایسے لوگ جو دین کے اصول اور قواعد سے ناآشنا تھے۔ مرزا صاحب کی نبوت سے متفق ہو گئے لیکن اب جب کہ پوری ملّتِ اسلامیہ نے قادیانیوں کو کافر قرار دے دیا ہے اور پاکستان میں اس کی سرکاری حیثیت بھی منوالی ہے، تو اب ان حضرات کو یہ سوچنے کا موقع ملے گا کہ چند لاکھ قادیانیوں کے مقابلے میں کروڑوں مسلمان جھوٹے نہیں ہو سکتے۔

قرآنِ کریم نے مسلمانوں کے اجماعی مسلک کی مخالفت کو گمراہی قرار دیا ہے۔ پھر تمام مسلمانوں کے خلاف قادیانیوں نے جو راستہ اختیار کیا ہے۔ وہ ہدایت کیسے ہو سکتا ہے؟ ممکن ہے اس موڑ پر آ کر ان کا ذہن رُخ بدلے اور غور و فکر کرے۔ اور اگر وہ نہیں سوچتے تو ہم انہیں غور و فکر کی دعوت دیتے ہیں اور اس موقع پر یہ ضروری سمجھتے ہیں کہ ان کے سامنے از سرِ نو اسلام پیش کیا جائے اور انہیں بتایا جائے کہ حضور تاجدارِ مدنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم پر اللہ تعالےٰ نے نبوت کو ختم کر دیا ہے جس آخری اینٹ سے قصرِ نبوت مکمل ہونا تھا وہ لگ چکی ہے اور آپ کے بعد اب کسی شخص کے نبی بننے کا جواز نہیں رہتا اور جو دعویٰ نبوت کرے گا کافر ہوگا۔

اس بحث سے پہلے ہم نبی کی تعریف، اس کی شرائط اور صفات بیان کریں گے پھر ختم نبوت کا مفہوم واضح کریں گے۔ اس کے بعد اہم شبہات کا ازالہ کریں گے اور آخر میں اُنہیں حق و صداقت کے نام پر اسلام کی دعوت دیں گے۔ اس موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہیے کہ نبوت کا مسئلہ عقیدے سے متعلق ہے۔ لہٰذا اس کا اثبات صرف قرآنِ کریم کی آیات صریحہ اور احادیث متواترہ سے ہی ہو سکتا ہے۔ اخبارِ آحاد بھی عقائد کے اثبات کے لیے کافی

نہیں ہیں اور نہ ہی فلاسفہ کے مبہم اقوال اس بحث میں کوئی فائدہ پہنچا سکتے ہیں۔

حقیقتِ نبوّت

نبی اس انسان کو کہتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے شریعت کی تبلیغ پر مامور کیا ہو۔ خواہ وہ شریعت سابقہ ہو یا جدیدہ۔ چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

فبعث اللہ النبیین مبشرین و منذرین و انزل معھم الکتاب بالحق لیحکم بین الناس۔

اللہ تعالیٰ نے نبیوں کو بھیجا جو مومنوں کو بشارت دیتے تھے اور کفّار کو عذاب سے ڈراتے تھے اور ان پر کتاب نازل کی (یعنی مجموعہ احکام خواہ بصورت صحیفہ ہو یا بشکل وحی)، تاکہ وہ اس کے مطابق لوگوں کا فیصلہ کریں۔ نبوّت کا تحقق وحی الٰہی سے ہوتا ہے۔ اللہ عزّوجل فرماتا ہے:

وما ارسلنا من قبلک الا رجالاً نوحی الیھم (اور ہم نے آپ سے پہلے جو پیغمبر بھیجے وہ مرد ہی تھے جن کی طرف ہم وحی کرتے تھے) نیز فرمایا:

انا اوحینا الیک کما اوحینا الی نوح و النبیین من بعدہ (جس طرح ہم نے آپ کی طرف وحی نازل کی ہے۔ اسی طرح ہم نے نوح اور دیگر انبیاء علیہم السّلام کی طرف وحی نازل کی تھی۔

نبی کی شرائط میں سے یہ ہے کہ وہ اپنی صداقت پر معجزہ پیش کرے۔ کیونکہ بغیر معجزہ کے نبوّت صادقہ اور نبوّت کاذبہ میں امتیاز نہیں ہو سکتا۔ نیز صحیح بخاری میں ہے کہ انبیاء میں سے کوئی نبی نہ تھا، مگر اسے ایسی نشانیاں دی گئیں جو ایک بشر کے ایمان لانے کے لیے کافی تھیں، نبی کے لیے یہ بھی شرط ہے کہ وہ جس قوم کی طرف مبعوث ہو اس کی زبان جاننے والا ہو۔ کیونکہ اللہ فرماتا ہے:

وما ارسلنا من رسول الا بلسان قومہٖ (ہم نے کسی قوم کی طرف رسول نہیں بھیجا، مگر اسی قوم کی زبان میں)، اور یہ تو بالکل بدیہی بات ہے کہ نبی پر جو وحی ہوتی ہے، وہ اس کا مفہوم اور مطلب پوچھنے میں دوسروں کا محتاج نہیں ہوتا۔

اللہ تعالیٰ انبیاء کے حق میں فرماتا ہے:

ان اللہ اصطفیٰ آدم و نوحاً و آلِ ابراھیم و آلِ عمران علی العالمین۔ (اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم، حضرت نوح، آل ابراہیم اور آل عمران کو تمام جہانوں پر فضیلت عطا کی ہے۔) اس آیت سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام تمام مخلوق میں سب سے زیادہ پسندیدہ صفات کے حامل ہوتے ہیں اور فضائل و کمالات کے لحاظ سے دُنیا میں کوئی ان کا ہمسر نہیں ہوتا۔ اس آیت کے بموجب نبی کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے زمانے کے تمام لوگوں میں جسمانیت اور عقل کے لحاظ سے کامل ہو علم و فضل میں تمام لوگوں سے بڑھ کر ہو قابلِ نفرت صفات سے منزہ ہو۔ اس کی سیرت پاکیزہ اور اخلاق حمیدہ ہوں۔ حوصلہ مند اور جری ہو، کفّار سے مرعوب نہ ہو اور آوازۂ حق سنانے کے لیے بڑے سے بڑے فرعون کو بھی خاطر میں نہ لاتا ہو۔ نبی اللہ کا نائب ہوتا ہے۔ اس کی خوشنودی اللہ کی مرضی اور اس کا حکم اللہ کا فرمان ہوتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: من یطع الرسول فقد اطاع اللہ۔ جس نے رسُول کی اطاعت کی، اس نے اللہ کی اطاعت کی۔

ظلّی اور بروزی نبوّت

مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے اپنی نبوّت کو ثابت کرنے اور ولکن رسول اللہ و خاتم النبیین سے تعارض اٹھانے کے لیے غیر مستقل نبوّت

کا سہارا لیا ہے اور اس لحاظ سے وہ اپنے آپ کو کبھی
اُمتی نبی کبھی غیر تشریعی نبی اور کبھی ظلی اور بروزی نبی کہتے
ہیں۔ لیکن یہ تمام اصطلاحات غیر اسلامی ہیں۔ قرآن کریم
اور احادیث متواترہ سے ان کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔
نبی کی حقیقت اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ سے
وحی حاصل کر کے لوگوں کو پہنچائے۔ خواہ اسے شریعت
سابقہ کی وحی کی جائے۔ یا جدیدہ کی اور جس شخص کو اللہ
نے یہ منصب دے دیا وہ حقیقی، مستقل اور تشریعی نبی
ہے۔ ظل، بروز اور اُمتی نبی کا اسلام میں کوئی تصور نہیں؛
چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فرمان انا اوحینا الیک
کما اوحینا الی نوح والنبیین من بعدہ اور
وما ارسلنا من قبلک الا رجالاً نوحی الیھم سے
یہ ظاہر کر دیا ہے کہ نبی وہ ہوتا ہے کہ جس کی طرف اللہ
وحی فرمائے اور فبعث اللہ النبیین مبشرین و
منذرین وانزل معھم الکتاب لیحکم بین
الناس فرما کر یہ بتلا دیا کہ نبی کے ذمہ وحی سے حاصل شدہ
احکام کو بیان کرنا ہے۔

پس جو شخص وحی کا دعویٰ کرتا ہے وہ حقیقت میں
نبوت مستقلہ کا دعویٰ کرتا ہے۔ کیونکہ نہ نبوت کا اس کے
سوا کوئی اور مفہوم ہے اور نہ ہی نبوت غیر مستقل ہوتی ہے
جس طرح اللہ واجب اور مستحق عبادت ہے۔ اس کے
سوا الوہیت کا اور کوئی مفہوم نہیں ہے۔ اسی طرح وحی
اور اس کی تبلیغ کے سوا نبوت کا کوئی مفہوم نہیں اور جس
طرح کوئی شخص ظلی اور بروزی خدا نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح
کوئی شخص ظلی اور بروزی نبی بھی نہیں بن سکتا۔

ختم نبوت

اللہ تعالیٰ نے اس کائنات میں جس قدر چیزیں پیدا
فرمائی ہیں۔ ان کو تدریجاً
اپنے کمال طبعی تک پہنچایا ہے۔ جب تک کوئی شے اپنے
کمال طبعی تک نہیں پہنچتی اس وقت تک اس میں ارتقائی
تغیرات آتے رہتے ہیں اور جب وہ ارتقائی منازل
طے کرتی ہوئی اپنے منتہائے کمال تک پہنچ جاتی ہے تو
آخر عمر تک وہ اسی مرتبے پر رہتی ہے اور اس میں کوئی اضافہ
اور ترقی نہیں ہوتی۔ اسی نہج پر اللہ تعالیٰ نے نظام شریعت
قائم کیا۔ شرائع اور احکام کا سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام
سے شروع ہو کر ارتقائی منازل طے کرتا ہوا حضور سید
عالم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ کر اپنے
منتہائے کمال تک آ پہنچا۔ اس طرح رسالت، نبوت اور
شریعت کی جس قدر اصطلاحیں تھیں، وہ سب آپ کے
اوپر ختم ہو گئیں اور آپ کے بعد ان میں کوئی اضافہ
نہیں ہو سکتا۔

انبیاء سابقین علیہم السلام جن شریعتوں اور اسوہ ہائے
زندگی کو لے کر آتے رہے۔ وہ انسانی زندگی کے تمام

ختم نبوت

کے معنی یہ ہیں کہ کوئی شخص بعد اسلام اگر
یہ دعویٰ کرے کہ مجھ میں ہر دو اجزاء نبوت
کے موجود ہیں یعنی یہ کہ مجھے الہام وغیرہ ہوتا
ہے اور میری جماعت میں داخل نہ
ہونے والا کافر ہے تو وہ شخص کاذب
ہے اور واجب القتل۔ مسیلمہ کذاب
کو اسی بنا پر قتل کیا گیا تھا۔
(انوار اقبال ص ۴۵)

شعبوں پر محیط نہ تھے۔ مثلاً عیسیٰ علیہ السلام نے تجرّد کی زندگی گزاری اور ازدواجی سیرت کے لیے ان کی زندگی میں کوئی نمونہ نہ تھا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے شاہی کی زندگی گزاری ہے اور فقر کے لیے ان کی زندگی میں کوئی اسوہ نہیں۔ اس طرح سابقہ شریعتوں میں سیاست اور عبادت کا الگ الگ نظام تھا۔ یہ سب جزوی شریعتیں تھیں، اس لیے ایک جامع اور کامل نبی کی ضرورت تھی۔ جس کی سیرت میں انسان کی زندگی کے ہر شعبہ کے لیے ھدایت ہو، قیامت تک پیش آنے والے حالات اور مسائل میں کوئی مسئلہ نہ ہو، مگر اس نبی کی شریعت میں اس کے لیے رہنمائی موجود ہو، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلّم کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اس شریعت کو کامل اور مکمل کر دیا۔ اور کامل اور مکمّل ہونے کے یہی معنیٰ ہیں کہ انسانی ضروریات کے لیے وحی کے ذریعہ جتنی ھدایات دی جا سکتی تھیں، وہ سب دی جا چکی ہیں۔ اس کے بعد بھی اگر وحی کا دروازہ کھلا چھوڑ دیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ دینِ الٰہی کامل اور مکمل نہیں ہوا۔

پہلے زمانہ میں جب انبیاء کے آنے کا سلسلہ جاری تھا ایک نبی آتا اور بعض امور کے لیے ھدایت جاری کر دیتا اور کچھ امور رہ جاتے اور پھر دُوسرا نبی آتا اور بعض احکام جاری کرتا، لیکن ضابطۂ اخلاق وعادات ادھورا ہی رہتا، اس لیے ایک ایسے نبی کی ضرورت تھی جس کے وجود سے ادھورے اخلاق پورے ہو جائیں اور ناتمام نظام مکمّل ہو جائے۔ حتیٰ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم آئے اور دین و دُنیا کا ایک ایسا کامل نظام پیش کیا جس میں ایک عالم سے لے کر عابد تک، سپاہی سے لے کر سپہ سالار تک اور تاجر سے لے کر قاضی تک سب کے لیے ہدایت ہے، اگر تختِ سلطنت پر بیٹھنے والا حاکم یہ فخر کرتا ہے کہ میں حضور کی سیرت کا تابع ہوں تو ایک کلہاڑا چلانے والا مزدور بھی سینہ تان کر کہہ سکتا ہے کہ میں بھی حضور کی سُنّت کا پیروکار ہوں۔ انسانی اخلاق کے وہ تمام شعبے جو آپ کے آنے سے پہلے ناتمام تھے آپ کے آنے سے تمام اور کامل ہو گئے۔ اسی لیے آپ نے فرمایا:

بعثت لاتمم مکارم الاخلاق

"میں اس لیے آیا ہوں کہ ادھورے اخلاق کو پورا کردوں۔" پہلے نبیوں کی زندگی اور سیرت میں حیاتِ انسانی کا کوئی حصّہ رہ جاتا تھا جسے پُورا کرنے کے لیے دُوسرے نبی آتے تھے۔ اگر آپ کی زندگی میں بھی کوئی خلا ہوتا، تو اسے بھی پُورا کرنے کے لیے بعد میں کوئی نبی آتا، لیکن آپ نے ایسی جامع اور کامل زندگی گزاری ہے کہ اس میں بعد میں آنے والے کے لیے کوئی گنجائش نہیں چھوڑی اور اب اگر آپ کے بعد کوئی شخص کسی کی نبوّت کو تجویز کرتا ہے، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ آپ کی سیرت کے تمام اور کامل ہونے پر ایمان نہیں رکھتا۔

پہلے انبیاء بعض قوموں کے لیے مخصوص ہوتے تھے۔ جس قوم کے لیے وہ شریعت لے کر آئے اس کے سوا کوئی اور قوم اس ہدایت سے مستفید نہیں ہو سکتی تھی۔ لیکن رحمت خداوندی کا سیلاب تمام انسانوں کو اپنی آغوش میں لینا چاہتا تھا۔ اللہ کی ہدایت کا اُمڈتا ہوا دریا یہ چاہتا تھا کہ ایک ایسا نبی بھیجے جس کی شریعت میں رنگ و نسل، خاندان اور قبیلہ اور زبان و بیان کی کوئی قید نہ ہو۔ جس کی تبلیغ کی تند و تیز موجوں کی راہ میں زمانہ اور زمانیات رکاوٹ نہ

بن سکیں جس کا پیغام زمانۂ بعثت سے لے کر قیامت تک پیدا ہونے والے ہر انسان کے لیے ہدایت ہو۔ پس اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کو بھیجا اور فرمایا۔ قیامت تک کی نسلوں کو مخاطب کر کے کہہ دیجیے:

یاایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعاً۔

مَیں تم تمام لوگوں کے لیے رسول بن کے آیا ہوں۔ اب حضور کے بعد اگر کوئی فرقہ کسی شخص کی نبوت کو جائز رکھتا ہے، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ تمام انسانوں کے لیے حضور کی رسالت کو کافی نہیں سمجھتا اور وما ارسلنٰک الا کافۃ للناس پر ایمان نہیں رکھتا۔

اللہ تعالیٰ نے جتنی کتابیں پہلے بھیجیں ان میں سے کسی کی حفاظت کا انتظام نہیں فرمایا۔ کیونکہ ان میں مذکور ہدایت کی قیامت تک کے لیے ضرورت نہ تھی، لیکن قرآن چونکہ وقوعِ ساعت تک کے لیے ہدایت تھا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کا ذمہ لیا اور فرمایا: انا نحن نزلنا الذکر وانا لہٗ لحافظون۔ اسی لیے حضور سے فرمایا کہ آپ کہہ دیجیے واوحی الی ھذا القرآن لانذرکم بہٖ ومن بلغ۔ مجھ پر یہ قرآن اسی لیے وحی کیا گیا ہے تاکہ میں تمہیں اور قیامت تک جن کو اس کا پیغام پہنچے، انہیں عذاب آخرت سے ڈراؤں۔ پس معلوم ہوا کہ وحی قرآن قیامت تک کے لیے کافی ہے اور جو شخص اس کے بعد کسی اور وحی کا قائل ہے۔ وہ وقوعِ ساعت تک قرآن کے عموم اور شمول پر ایمان نہیں رکھتا۔

حضور سے پہلے جو نبی آتے تھے وہ کسی خاص علاقہ کے لیے نبی ہوتے تھے۔ جو نبی جس علاقہ کے لیے ہوتا، اسی علاقہ کے لوگ اس سے استفادہ کر سکتے تھے۔ اللہ نے چاہا کہ ایک ایسا نبی بھیجے جس کی تبلیغ میں علاقہ کی حدبندیاں حائل نہ ہوں۔ پس اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کو بھیجا اور فرمایا وما ارسلنٰک الا رحمۃ للعالمین۔ نیز فرمایا: تبارک الذی نزل الفرقان علی عبدہٖ لیکون للعالمین نذیراً۔ حضور علیہ السلام کی رحمت اور آپ کی ہدایت تمام جہانوں کے لیے ہے۔ لہٰذا جس چیز پر بھی عالم رنگ و بُو کا اطلاق ہوگا، اس کے لیے حضور کی ہدایت کافی ہے۔ اب اگر حضور کے بعد کسی علاقہ کے لوگ ایک نیا نبی تجویز کریں، تو اس کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ وہ لوگ تمام علاقوں کے لیے حضور کی نبوّت پر ایمان نہیں رکھتے۔

پہلے زمانے میں ایک شریعت آتی، پھر منسوخ ہو جاتی، پھر ایک اور شریعت آتی اور وہ بھی منسوخ ہو جاتی۔ ایک زمانہ میں کئی کئی شریعتیں چلتی رہتیں پھر اللہ تعالیٰ نے چاہا ایک ایسی شریعت بھیجے جو تمام شریعتوں پر غالب ہو، جسے بعد میں کوئی منسوخ نہ کر سکے۔ پس فرمایا:

ھو الذی ارسل رسولہٗ بالھدیٰ و دین الحق لیظھرہٗ علی الدین کلہ۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ کامل دے کر بھیجا تاکہ اسے تمام ادیان پر غالب کر دے۔ پس حضور کی شریعت اور آپ کا دین تمام ادیان پر غالب ہے اور حضور کے بعد جو شخص وحی کے ذریعہ اللہ سے احکام پانے کا دعویٰ کرتا ہے وہ حضور کے لائے ہوئے دین پر غالب ہونے کا ایمان نہیں رکھتا۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے مختلف اسالیب سے حضور کی ختمِ نبوت کو بیان فرمایا ہے۔ لیکن بالآخر گفتگو کو ختم کرنے کے لیے فرما دیا:

ماکان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلّم، تم میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں، لیکن وہ اللہ

کے رسول ہیں اور نبیوں کو ختم کرنے والے۔

خاتم کا صاف اور صریح مطلب یہ ہے کہ بعثت انبیاء کا سلسلہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوگیا ہے اور آپ کے بعد کوئی نبی مبعوث نہیں ہو سکتا۔ لیکن مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کہتے ہیں کہ خاتم کا معنی مُہر ہے اور مطلب یہ ہے کہ حضورؐ کو اللہ تعالیٰ نے نبوت کی مُہر بنایا ہے جس شخص پر حضور اپنی مہر لگا دیتے ہیں۔ وہ نبی بن جاتا ہے۔ چنانچہ میں بھی حضورؐ کی مُہر سے نبی بن گیا ہوں۔ اس کے جواب میں گذارش ہے کہ نبی بنانا اللہ کا کام ہے۔ حضورؐ کا منصب نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ۔ اللہ خوب جانتا ہے وہ کسے رسول بنائے گا۔ معلوم ہوا کہ رسالت کا جاعل اور خالق اللہ تعالیٰ ہے حضور نہیں ہیں۔ جس شئے کو بند کرنے کے بعد اس پر سیل اور مُہر لگا دیتے اُس کو عربی میں ختم سے تعبیر کرتے ہیں۔ جیسے فرمایا ختم اللہ علیٰ قلوبھم کفار کے دلوں پر اللہ تعالےٰ نے مُہر لگا دی ہے۔ یعنی اب ان میں ھدایت نہیں آسکتی۔ اسی طرح ختم نبوت کا مطلب یہ ہے کہ سلسلہ نبوت پر حضور کے ذریعہ مُہر اور سیل لگا دی ہے۔ اب حضور کے بعد اس میں کسی کی مزید نبوت کا اضافہ نہیں ہو سکتا۔

اشتباہ کا ازالہ

یوں تو مرزا صاحب کے پیروؤں کے متعدد شبہات ہیں، لیکن ان سب پر گفتگو اس مختصر مضمون میں ممکن نہیں ہے۔ اس موضوع پر ان کی جو معرکہ آرا دلیل ہے اور جس کو وہ بڑے طمطراق سے پیش کرتے ہیں۔ ہم اسے پیش کیے دیتے ہیں۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ومن یطع اللہ والرسول فاولٰئک مع الذین انعم اللہ علیھم من النبیین والصدیقین و الشھداء والصالحین وحسن اولٰئک رفیقا۔

اس آیت کا صاف اور صریح ترجمہ تو یہی ہے کہ جو شخص اللہ اور رسول کی اطاعت کرے وہ (آخرت میں) ان لوگوں کے ساتھ ہوگا جن پر اللہ نے انعام کیا جو انبیاء، شہداء اور صالحین ہیں اور ان کی رفاقت بہت اچھی ہے۔ مع کا معنی لغت عربی میں ساتھ ہونا آتا ہے اور اس معنی کو حسن اولٰئک رفیقا میں رفاقت کے مفہوم نے اور بھی موکد کر دیا ہے۔ لیکن مرزا صاحب کے پیروکار کہتے ہیں کہ مع کا معنی بننا ہے اور آیت کا مطلب ہے: اللہ اور اس کی اطاعت سے لوگ نبی بن جاتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ جب اطاعت الٰہی و رسول سے صدیق، شہید اور صالح بن سکتے ہیں، تو نبی کیوں نہیں بن سکتے؟ اس کے جواب میں اوّلاً گذارش ہے کہ اگر مع کا معنی بننا تسلیم کر لیا جائے تو ان اللہ مع الصابرین کا مطلب ہوگا: صبر کرنے والے خدا بن جاتے ہیں اور ان اللہ مع الذین اتقوا کا مطلب ہوگا: کہ متقی لوگ خدا بن جاتے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ یہ بداہتہً باطل ہے۔ ثانیاً اگر اللہ اور اس کی اطاعت سے لوگ نبی بن جاتے ہیں تو کیا چودہ سو سال کے عرصہ میں اللہ اور رسول کا اطاعت گذار کوئی نہ تھا۔ یہ کیا سبب ہے کہ اس عرصہ میں صدیق۔ شہید اور صالحین تو آتے رہے۔ نبی کوئی نہیں آیا۔ ثالثاً اگر اطاعت رسول سے نبوت ملتی ہو، تو ان لوگوں کو نبی ہونا چاہیے تھا۔ جو اطاعت میں سب سے کامل تھے۔ جنہوں نے نگاہ رسالت سے تربیت پائی، جن کے سامنے قرآن اُترا جن کو اپنی زندگی میں رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ کے ذریعہ اعمال کی مقبولیت کی سند مل گئی اور جب ایسے کامل حضرات اطاعت سے نبی نہ بن سکے تو

وہ شخص کیسے نبی بن سکتا ہے جس کے نہ ایمان کی ضمانت ہے نہ اعمال کی گارنٹی۔

عبارات صُوفیاء

محی الدین ابنِ عربی اور بعض دیگر صوفیا کی عبارات میں اولیاء اللہ کے لیے انبیاء الاولیاء کا لفظ ملتا ہے۔ مرزائی حضرات اس قسم کی عبارتوں سے یہ مطلب ثابت کرتے ہیں کہ صوفیاء کرام اولیاء اللہ کے لیے ظلی اور اُمتی نبوت کے قائل تھے۔ اس بات کا سب سے پہلا اور آخری جواب یہ ہے کہ قرآن وحدیث کی صریح عبارات کے بعد ہمیں ان مبہم اقوال میں اُلجھنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ یہ اقوال ضروریاتِ دین میں سے نہیں ہیں۔ ان میں سے جو چیز کتاب وسُنّت کے مطابق ہے وہ مقبول ہے اور جو چیز کتاب وسُنّت کے مطابق نہیں، اس کے بارے میں حسنِ ظن یہی ہے کہ یہ بعد کے لوگوں کا الحاق ہے۔ ان کی اصلی عبارت نہیں ہے۔ جس طرح زنادقہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں اپنی طرف سے گھڑ گھڑ کر کلام ملا دیا۔ اسی طرح ملاحدہ نے اکابر صوفیا اور علماء کی عبارات میں مختلف باتیں وضع کر کے شامل کر دیں۔ چنانچہ ملا علی قاری لکھتے ہیں:

واما ماحکی عن ابن العربی من خلافها ذالک محسن الظن بہ انہ من المفتریات علیہ المنسوبات الیہ (شرح فقہ اکبر صہ ۱۲۲)

(ہر مومن پر ولی کے اطلاق کی جو حکایت ابنِ عربی سے کی جاتی ہے، وہ ان جملہ افتراآت میں سے ہے جو انکی طرف منسوب ہیں)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ حضرت ابنِ عربی کی طرف بہت سی غلط باتیں منسوب کر دی گئیں ہیں۔ اس طرح حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کی طرف ایک پوری کتاب غنیۃ الطالبین کے نام سے منسوب کر دی گئی حالانکہ محققین نے تصریح کی ہے کہ وہ ان کی تصنیف نہیں ہے اور دیکھیے امام عبدالوہاب شعرانی کی زندگی میں ان کی تصنیف البحر المورود میں تحریف کر دی گئی جس کا شکوہ انہوں نے المیزان الکبریٰ میں کیا ہے۔ پس صوفیاء کرام کی جو ایسی عبارات منقول ہیں جو صریح قرآن وحدیث کے خلاف ہیں۔ ان کا اس کے سوا کوئی اور محمل نہیں کہ وہ محض جعلی وضعی اور الحاقی عبارات ہیں۔ انہیں کسی طور پر بھی حجت نہیں مانا جا سکتا۔

قرآن کی آیات صریحہ سے جب ظاہر ہو گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوّت ختم ہو چکی ہے تو آپ کے بعد جو شخص بھی وحی اور نبوّت کا دعویٰ کرے گا، وہ باطل ہوگا۔ اس شخص کو کافر اور مرتد قرار دیا جائے گا۔ اس لیے مرزا غلام احمد قادیانی کے دعوی وحی اور نبوّت کے بطلان کے لیے اتنا ہی کافی تھا، لیکن ہم عمومی دلائل پر اکتفا کرنے کے بجائے بالخصوص مرزا صاحب کی نبوّت پر گفتگو کرنا چاہتے ہیں تاکہ متلاشیانِ حق پر حق تمام پہلوؤں سے آشکارا ہو جائے۔

مرزا صاحب کی نبوّت

مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے پیروکار انہیں غیر تشریعی اور ظلّی نبی مانتے ہیں اور لاہوری حضرات سرے سے نبی ہی نہیں مانتے بلکہ مجدّد کہتے ہیں، لیکن یہ دونوں باتیں غلط ہیں۔ غیر تشریعی اور ظلی نبی کوئی نہیں ہوتا۔ وحی اور تبلیغ وحی ہی نبوّت اور تشریع کی حقیقت ہے اور جو شخص وحی پانے اور اس کی تبلیغ کا دعویٰ کرتا ہے۔ وہ

مستقل نبوت کا مدعی ہے اور مرزا صاحب نے جب وحی اور اس کی تبلیغ کا دعویٰ کیا۔ تو یہ تجدید کا نہیں نبوت مستقلہ اور تشریع کا دعویٰ تھا۔ اور اگر قادیانی حضرات نہ مانیں تو ہم مرزا صاحب کے کلام سے یہ بات منوائے دیتے ہیں۔

مرزا صاحب لکھتے ہیں:

"یہ بھی تو سمجھو کہ شریعت کیا چیز ہے جس نے اپنی وحی کے ذریعہ سے چند امر و نہی بیان کیے اور اپنی اُمت کے لیے ایک قانون مقرر کیا۔ وہی صاحب شریعت ہو گیا۔۔ میری وحی میں امر بھی ہے اور نہی بھی۔ اور اگر کہو کہ شریعت سے وہ شریعت مراد ہے۔ جس میں نئے احکام ہوں، تو یہ باطل ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ان ھذا لفی صحف الاولیٰ صحف ابراھیم و موسیٰ یعنی قرآنی تعلیم تورات میں بھی موجود ہے۔"

(اربعین نمبر ۴ صہ ۶-۷)

اس عبارت کے تیور بتا رہے ہیں کہ صاحب عبارت اپنے آپ کو کس پائے کا اولوالعزم نبی سمجھتا ہے جس پر وحی اترتی ہے جو صاحب شریعت ہے اور جو اپنے لیے ایک مستقل اور متوازی اُمت کا دعویٰ رکھتا ہے۔ آئیے اب ہم مرزا صاحب کی نبوت کا سراپا ان کے کلام کی روشنی میں پیش کرتے ہیں جس سے ان کی "نبوت" کی حقیقت آفتاب سے زیادہ روشن ہو جائے گی۔

مرزا کی وحی

مرزا صاحب لکھتے ہیں:

"اور یہ بالکل غیر معقول اور بے ہودہ امر ہے کہ انسان کی اصل زبان تو کوئی اور ہو اور الہام اس کو کسی اور زبان میں ہو جس کو وہ سمجھ بھی نہ سکتا ہو۔ کیونکہ اس میں تکلیف مالا یطاق ہے۔" (چشمہ معرفت صہ ۲۰۹)

پھر یہ بھی انہوں نے ہی لکھا ہے کہ "زیادہ تر تعجب کی بات یہ ہے کہ بعض الہامات مجھے ان زبانوں میں بھی ہوتے ہیں جن سے مجھے کچھ بھی واقفیت نہیں ہے، جیسے انگریزی، سنسکرت یا عبرانی وغیرہ۔" (نزول المسیح صہ ۵۷)

ایک مکتوب میں شکوہ کرتے ہیں کہ "چونکہ اس ہفتہ میں بعض کلمات انگریزی وغیرہ الہام ہوئے ہیں اور اگرچہ بعض ان میں سے ہندو لڑکے سے دریافت کیے مگر قابلِ اطمینان نہیں۔ (مکتوبات احمدیہ ج ۱ ص ۶۸)"

کیا مرزا صاحب کی ان عبارات سے یہ ظاہر نہیں ہو جاتا کہ جس کلام کو انہوں نے وحی کے نام سے دُنیا کے سامنے پیش کیا ہے۔ وہ ان کے اپنے قول کے مطابق غیر معقول اور بیہودہ باتوں کے سوا کچھ نہیں غور فرمائیے کہ کیا نبی کے کلام کی یہی شان ہوتی ہے۔

مرزا صاحب کا کلام

مرزا صاحب نے حق اور باطل کا ایک معیار پیش کیا ہے۔ وہ ہے تناقض۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ،

"جھوٹے کے کلام میں تناقض ضرور ہوتا ہے۔"

(ضمیمہ براھین احمدیہ حصہ ۵ صہ ۱۱۲)

اب غور کیجیے کہ مرزا صاحب ایک جگہ لکھتے ہیں کہ "پہلے زمانہ میں جو کوئی نبی ہوتا تھا۔ وہ کسی گذشتہ نبی کی اُمت نہیں کہلاتا تھا، گو اس کے دین کی نصرت کرتا تھا۔" (چشمہ معرفت ضمیمہ ۹)۔ دوسری جگہ لکھتے ہیں۔ اس طرح تو ماننا پڑے گا کہ نعوذ باللہ آنحضرت کی قوت قدسی کچھ بھی نہ تھی اور آپ حضرت موسیٰ سے بھی گرے ہوئے تھے، بلکہ ان کے بعد ان

(ارشاد مرزا غلام احمد صاحب قادیانی بجواب سوال مندرجہ اخبار الحکم قادیان مورخہ ۱۷ اپریل ۱۹۰۳ء)

کی اُمت میں سے سینکڑوں نبی آئے۔"

پہلے کلام میں ہے کہ گذشتہ نبیوں میں کوئی اُمتی نبی نہ تھا۔ دوسرے میں ہے سینکڑوں امتی نبی تھے اور یہ کھلا ہوا تناقض ہے اور مرزا صاحب کی تحریر کے مطابق یہ صرف جھوٹے شخص کا ہی حصّہ ہے۔ ایک اور تناقض ملاحظہ فرمایئے۔ مرزا صاحب لکھتے ہیں:

"اگر خدا تعالیٰ سے غیب کی خبریں پانے والا نبی کا نام نہیں رکھتا تو پھر بتلاؤ کس نام سے اس کو پکارا جائے۔ اگر اس کا نام محدث رکھنا چاہیے تو میں کہتا ہوں کہ تحدیث کے معنی کسی لغت کی کتاب میں اظہارِ غیب نہیں ہے مگر نبوت کا معنی اظہارِ غیب ہے۔"

(ایک غلطی کا ازالہ صـ۷)

اس عبارت کا مفاد یہ ہے کہ محدث پر اظہارِ غیب نہیں ہوتا۔ اب دوسرا قول ملاحظہ فرمایئے:

"اور محدث بھی ایک معنی سے نبی ہی ہوتا ہے۔ گو اس کے لیے نبوت تامہ نہیں مگر تاہم جزئی طور پر وہ ایک نبی ہی ہے کیونکہ وہ خدا تعالیٰ سے ہمکلام ہونے کا شرف رکھتا ہے اور امورِ غیبیہ اس پر ظاہر کیے جاتے ہیں۔"

(توضیح مرام صـ۱۸)

مرزا صاحب کا کلام متناقض ہے اور خود اُن کی تصریح کے مطابق تناقض جھوٹے کلام میں ہوتا ہے پس سوچنا چاہیے کہ ایک جھوٹا شخص دعویٰ نبوت میں کس طرح سچا ہو سکتا ہے۔

کذب صریح

انبیاء علیہم السلام صادق اور صدیق ہوتے ہیں۔ نبوت سے قبل اور بعد ان کے کلام میں کذب راہ نہیں پاسکتا۔ قرآن کریم میں ان کے صدق کو متعدد آیات سے بیان کیا گیا ہے لیکن ..... اختصار کے پیشِ نظر مرزا صاحب کی صرف ایک مثال پیش خدمت ہے۔ لکھتے ہیں: "بخاری میں لکھا ہے کہ آسمان سے اس کے لیے آواز آئے گی کہ ھذا خلیفۃ اللہ المہدی اب سوچو کہ یہ حدیث کس پائے اور مرتبہ کی ہے جو اس کتاب میں درج ہے۔ جو اصح الکتب بعد از کتاب اللہ ہے)

(شہادت القرآن صـ۴۱)

حالانکہ بخاری میں ایسی کوئی حدیث نہیں)

مرزا صاحب کی جرأت اور حوصلہ

نبی کی صفت یہ ہوتی ہے کہ پیغامِ حق سنانے میں وہ کسی سے نہیں ڈرتا۔ حضرت ابراہیم کا نمرود جیسے جابر بادشاہ کو للکارنا، حضرت موسیٰ کا فرعون کے دربار میں گرجتے ہوئے کلمۂ حق سنانا اس حقیقت کے واضح شواہد ہیں۔ اس کے خلاف مرزا صاحب کی جرأت اور حوصلہ ملاحظہ فرمایئے:

ڈاکٹر مارٹن کلارک نے اگست ۱۸۹۷ء میں مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے خلاف عدالت میں دعویٰ دائر کر دیا کہ وہ ایسے الہامات شائع کرتے ہیں جن سے لوگوں کی عزت پر حرف آتا ہے اور ان کی تذلیل ہوتی ہے۔ چنانچہ گورداسپور کے ایک عیسائی ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے انہیں حکم دیا کہ وہ ایسے الہامات شائع نہ کریں لہٰذا انہوں نے عدالت کے روبرو اقرار کیا کہ میں مرزا غلام احمد قادیانی بحضور خداوند تعالیٰ اقرار صالح کرتا ہوں کہ آئندہ میں ایسی پیشگوئی شائع کرنے سے پرہیز کروں گا جس کے یہ معنی ہوں یا ایسے معنی خیال کیے جا سکیں کہ کسی شخص کو (یعنی مسلمان ہو خواہ ہندو یا عیسائی وغیرہ) ذلت پہنچے گی یا وہ موردِ عتاب الٰہی ہوگا۔"

(تریاق القلوب صد ۱۳۰)

غور فرمائیے کیا نبی ایسا ہی ہوتا ہے کہ وہ ایک کافر حاکم کے خوف سے اپنے الہام اور وحی کا دروازہ بند کرلے۔ یاد رکھیے نبی کی شان ہے: فاصدع بما تومر یعنی جو آپ کو حکم دیا گیا ہے۔ اس کا پوری قوت سے اعلان کیجیے۔ جو شخص کفار کے خوف سے اپنی مزعوم وحی کو چھپاتا پھرے وہ نبی نہیں ہو سکتا۔

معاونت کفّار

کفّار کی معاونت کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے۔ اگرچہ نبی کا کفّار کی معاونت کرنا امر محال ہے۔ تاہم اللہ تعالےٰ نے برسبیل فرض جگہ جگہ فرمایا ہے کہ اگر نبی نے کفار کی موافقت یا معاونت کی تو اس کا شمار بھی ظالموں میں سے ہوگا۔ چنانچہ ارشاد ہوا:

ولئن اتبعت اھوائھم من بعد ما جاءک من العلم انک اذا لمن الظالمین۔ لیکن مرزا صاحب نے انگریز کی تائید اور حمایت میں اس قدر کتابیں لکھی ہیں کہ خود ان کے قول کے مطابق ان سے پچاس الماریاں بھر سکتی ہیں؛ چنانچہ لکھتے ہیں:

"انگریزی سلطنت تمہارے لیے ایک رحمت ہے۔ ایک برکت اور خدا کی طرف سے تمہاری وہ سپر ہے۔"

(تبلیغ رسالت ج ۱۰ ص ۱۲۳، ازالہ اوہام صد ۵۰۹)

نیز لکھتے ہیں:

"میں سولہ برس سے برابر اپنی تالیفات میں اس بات پر زور دے رہا ہوں کہ مسلمانان ہند پر اطاعت گورنمنٹ فرض ہے اور جہاد حرام ہے۔" (اشتہار مورخہ ۱۰ دسمبر ۱۸۹۴ء)

یہ عبارات کسی تبصرہ کی محتاج نہیں ہیں۔ جس انداز سے ان عبارات میں کفّار کی چاپلوسی اور خوشامد کی گئی ہے۔ نبی کا تو خیر ذکر ہی کیا۔ کسی باعزت مسلمان سے بھی اس کی توقع نہیں کی جا سکتی۔

مرزا صاحب کی پیشگوئیاں

انبیاء علیہم السلام نے جس قدر اپنی قوم کو پیشگوئیاں کیں وہ سب پوری ہوئیں اور دُنیا پر ان کی نبوت کا صدق ظاہر ہوگیا۔ مرزا صاحب نے بھی پیشگوئی کے صدق کو نبوت کی دلیل مانا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

"میں بار بار کہتا ہوں کہ نفس پیشگوئی داماد احمد بیگ (سلطان محمد کی موت) کی تقدیر مبرم ہے اس کا انتظار کرو اور اگر میں جھوٹا ہوں تو یہ پیشگوئی پوری نہیں ہوگی اور میری موت آجائے گی۔" (انجام آتھم صد ۳۱)

مرزا صاحب نے محمدی بیگم سے نکاح کی پیشگوئی کی، لیکن اس کا نکاح مرزا سلطان محمد سے ہوگیا۔ پھر مرزا صاحب نے پیشگوئی کی کہ مرزا سلطان محمد شادی کے ڈھائی سال بعد مر جائے گا اور محمدی بیگم ان کے نکاح میں آجائے گی، لیکن مرزا صاحب فوت ہوگئے اور سلطان محمد ان کی موت کے بعد دیر تک بفضلہ تعالیٰ زندہ رہا۔

اسی طرح انہوں نے عیسائی پادری آتھم کی موت کے بارے میں پیشگوئی کی کہ وہ ۵ ستمبر ۱۸۹۴ء کے دن مر جائے گا۔ لیکن وہ زندہ رہا اور عیسائیوں نے بڑی شان و شوکت سے اس کا جلوس نکالا۔ چنانچہ مرزا صاحب کے ایک مرید نے مضمون میں لکھا:

"میں نے امرتسر جا کر عبداللہ آتھم کو خود دیکھا عیسائی اسے

گاڑی میں بیٹھائے ہُوئے بڑی دھوم دھام سے بازاروں میں
لیے پھرتے تھے، لیکن اسے دیکھ کر میں سمجھ گیا کہ واقعہ میں یہ
مرگیا ہے اور یہ صرف اس کا جنازہ ہے جسے لیے پھرتے
ہیں، آج نہیں، تو کل مرجائے گا۔"

(مضمون رحیم بخش قادیانی مندرجہ الحکم جلد ۲۵
صفحہ ۴ ۳ مورخہ ۷ ستمبر ۱۹۲۳ء)

جو پیشگوئیاں پُوری نہ ہوسکیں، ان کا سلسلہ بہت طویل
ہے۔ اب ہم صرف ایک پیشگوئی نقل کرتے ہیں، جو مرزا صاحب
نے اپنی موت کے بارے میں کی ہے۔ لکھتے ہیں:

پس خدا مارا ہشتاد سال عمر داد یا شاید ازیں زیادہ۔
اللہ تعالےٰ نے مجھے اسّی سال کی عمر دی ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ۔
(مواہب الرحمان صد۲۱)

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

اور پھر آخر میں اُردو میں فرمایا کہ میں تیری عمر بڑھادونگا۔
یعنی دشمن جو کہتا ہے کہ صرف جولائی ۱۹۰۷ء میں ۱۴ مہینے
تک تیری عمر کے دن رہ گئے ہیں یا ایسا ہی جو دُوسرے دشمن
پیشگوئی کرتے ہیں۔ ان سب کو جھوٹا کروں گا اور تیری عمر کو
بڑھادوں گا۔

(اشتہار مؤلفہ مرزا صاحب بنام تبصرہ ۱۹۰۷ء)

پہلی بشارت کے بموجب مرزا صاحب کی عمر ۸۰ سال سے
زیادہ ہونی چاہیے اور دوسری کے مطابق مرزا صاحب کو ستمبر
۱۹۰۸ء کے بعد تک زندہ رہنا چاہیے تھا لیکن دونوں پیشگوئیاں
غلط ثابت ہوئیں اور مرزا صاحب مئی ۱۹۰۸ء میں ۶۸ سال
زندگی گزار کر راہیٔ ملکِ عدم ہُوئے۔

جن پیشگوئیوں کا یہاں ذکر کیا گیا ہے۔ ان میں سے
ہر ایک پیشگوئی مرزا صاحب نے بڑے طمطراق سے پیش
کی لیکن وہ پیشگوئی پُوری نہ ہوئی اور مرزا صاحب خود اپنے
قول کے مطابق جھوٹے قرار پائے۔ ہم قادیانی حضرات سے
درخواست کرتے ہیں کہ اگر آپ واقعی مرزا صاحب کو مانتے
ہیں تو خدا را سوچیے اور سمجھیے اور مان لیجیے کہ ان کا دعویٰ
نبوت جھوٹا تھا۔ اُنھوں نے جن پیشگوئیوں کے پُورے نہ
ہونے پر اپنے جھوٹ کو معلق کیا تھا وہ پُوری نہ ہوئیں اور
مرزا صاحب کے دعویٰ نبوت کا جھوٹ اور بطلان آشکارا ہوگیا

مرزا صاحب کی موت

نبی کی موت قابلِ رشک ہوتی ہے۔ جس طرح نبی کی
زندگی رحمت ہوتی ہے۔ اسی طرح اس کی موت بھی رحمت
ہوتی ہے، لیکن مرزا صاحب کی موت بڑی عبرتناک تھی
اور مرزا صاحب کی اپنی تعبیر کے مطابق ان کی موت خدا کی
سزا اور اس کے عذاب کی ایک بھیانک تصویر تھی۔

مرزا صاحب نے مورخہ ۱۵ اپریل ۱۹۰۷ء میں مولانا
ثناء اللہ امرتسری کے خلاف ایک اشتہار شائع کیا اور اس میں
انھیں مخاطب کر کے لکھا اگر میں ایسا کذاب اور مفتری ہوں،
جیسا کہ اکثر اوقات آپ اپنے ہر ایک پرچہ میں مجھے یاد کرتے ہیں
تو میں آپ کی زندگی میں ہی ہلاک ہوجاؤں گا ... اگر وہ سزا
جو انسان کے ہاتھوں نہیں بلکہ محض خُدا کے ہاتھوں سے ہے،
جیسے طاعون ہیضہ وغیرہ مہلک بیماریاں۔ آپ پر میری زندگی
میں وارد نہ ہوسکیں، تو میں خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں۔

(اشتہار بنام تبصرہ ۱۹۰۷ء ملخصاً)

اسی اشتہار میں مرزا صاحب نے ہیضہ کو خدا کی سزا قرار
دیا ہے۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری مرزا کی وفات کے بعد دیر
تک (تقریباً چالیس سال) بخیروعافیت زندہ رہے اور مرزا
صاحب خود اسی ہیضہ کی بیماری میں مبتلا ہو کر فوت ہو گئے۔
چنانچہ مرزا صاحب کے خسر میر ناصر صاحب قادیانی مرزا صاحب

کی سوانح میں لکھتے ہیں:

"جب آپ کو بہت تکلیف ہوئی تو مجھے جگایا گیا تھا۔ جب میں حضرت مرزا صاحب کے پاس پہنچا اور آپ کا حال دیکھا، تو آپ نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا میر صاحب مجھے وبائی ہیضہ ہو گیا ہے۔ اس کے بعد آپ نے کوئی ایسی صاف بات میرے خیال میں نہیں فرمائی یہاں تک کہ دوسرے روز دس بجے آپ کا انتقال ہو گیا۔ (حیات ناصر صلا)

غور فرمایئے مرزا صاحب نے اپنی اشتہاری اقرار میں تین باتیں کہی تھیں:

۱۔ ہیضہ میں مرنا خدا کی سزا ہے۔

۲۔ اگر مرزا صاحب مولانا ثناء اللہ کی زندگی میں فوت ہو گئے، تو وہ مفتری اور کذاب ہیں۔

۳۔ اگر مولوی ثناء اللہ پر ان کی زندگی میں ہیضہ نہ آیا تو وہ خدا کی طرف سے نہیں۔

لیکن مرزا صاحب ہیضہ میں مبتلا ہو کر مولوی ثناء اللہ صاحب کی زندگی میں فوت ہو گئے اور مولوی ثناء اللہ پر ان کی زندگی میں ہیضہ نہ آیا۔ اب ہم قادیانی حضرات سے گذارش کرتے ہیں کہ آپ مرزا صاحب کو سچا سمجھتے ہیں یا جھوٹا اگر جھوٹا سمجھتے ہیں تو جھوٹے شخص کی نبوت سے دستبردار ہو جائیں اور اگر سچا سمجھتے ہیں، تو ان کی عمر کی آخری بات کو تو مان لیجیے کہ وہ اللہ کی طرف سے نہیں ہیں کیونکہ مولانا ثناء اللہ پر ان کی زندگی میں ہیضہ نہیں آیا اور یہ کہ وہ کذاب اور مفتری ہیں کیونکہ وہ خود مولوی ثناء اللہ کی زندگی میں فوت ہو گئے اور یہ کہ وہ بصورت ہیضہ خدا کی سزا میں مبتلا ہو کر فوت ہوئے۔

قادیانیوں کو دعوتِ اسلام

کسی شخص کے مسلمان ہونے کے لیے جس قدر باتوں کو ماننا ضروری ہے وہ سب امور قرآنِ کریم نے بیان کر دیئے ہیں۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے بعد کسی اور نبی کی بعثت بھی ہوتی، تو قرآن میں اس کا بھی ذکر ہوتا اور جب قرآن کریم میں حضور کے بعد کسی نبی کی بعثت کا ذکر نہیں ہے تو معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے بعد کوئی نبی مبعوث نہیں ہو سکتا آخر جن چیزوں کے ماننے سے صحابۂ کرام اور خیر القرون کے اخیار مومن ہو گئے۔ ان چیزوں کا ماننا آج کیسے ناکافی ہو گیا۔ کیا ان کا اسلام اور تھا اور اب کوئی اور اسلام ہے۔ اگر ہم قرآن کو ناقص اور اسلام کو ناتمام دین نہیں مانتے، تو ہمیں ماننا ہو گا۔ کہ قرآن کریم نے جن چیزوں پر ایمان لانے کا حکم دیا ہے۔ ان کے سوا کسی اور پر ایمان لانا جائز نہیں ہے اور مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی نبوّت چونکہ قرآن کا ماموٗ نہیں ہے، اس لیے ان کو نبی ماننا قرآن، ایمان اور اسلام سب کے مخالف ہے۔

یاد رکھیے نبی غیر نبی سے افضل ہوتا ہے۔ اگر مرزا غلام احمد قادیانی نبی ہوتے تو صحابہ کرام سے افضل ہوتے کیونکہ وہ نبی نہ تھے۔ اور قرآن بتلاتا ہے کہ صحابہ کرام کے بعد آنیوالے لوگ ان سے افضل تو کجا ان کے برابر بھی نہیں ہو سکتے۔ چنانچہ فرمایا: لا یستوی منکم من انفق من قبل الفتح و قاتل اولٰئک اعظم درجۃ۔ جن لوگوں نے فتح مکہ سے پہلے صدقہ دیا اور قتال کیا تم لوگ ان کے برابر نہیں ہو سکتے ان کے درجات بہت بلند ہیں۔

عموماً نبی کی اولاد نبی ہوتی ہے۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے صاحبزادگان زندہ رہتے تو وہ بھی نبی ہوتے، لیکن چونکہ آپ پر نبوّت کو ختم کرنا تھا، اس لیے انہیں زندگی نہیں دی گئی اور بچپن میں فوت کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کو ان کی وفات پر صدمہ ہوا۔ کفار نے آپ کو لاولد اور ابتر

کے طعنے دیے اور اللہ تعالیٰ نے یہ ظاہر کر دیا کہ یہ سب کچھ برداشت کیا جا سکتا ہے لیکن ختمِ نبوت میں رخنہ گوارا نہیں ہو سکتا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد اور آپ سے براہ راست فیض لینے والے صحابہ جب نبی نہیں ہو سکتے تو وہ شخص کیسے نبی ہو سکتا ہے جو آپ سے چودہ سو سال دُور کی نسبت رکھتا ہے جس کے نہ ایمان کی ضمانت ہے نہ اخلاق کی گارنٹی۔ اگر قادیانی حضرات نے واقعی ایک نئی اور الگ ملت کی طرح نہیں ڈالی ہے تو انہیں چاہیے کہ وہ اسی دین اور ملت کی طرف لوٹ جائیں۔ جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے ہیں۔ جس دین میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اور کسی نبی کی بعثت کا تصور نہیں ہے۔ ایک ایسے شخص کی خاطر جس کا کلام تناقض اور متضاد، جس کی ہر پیشگوئی غلط اور جھوٹی، جس کی زندگی کفار کی چاپلوسی، بزدلی اور جھوٹ کا مرقع اور جس کی موت عذابِ الٰہی کی بھیانک صورت ہے۔ اس نبی کو نہ چھوڑیں جس کی باتیں جوامع الکلم اور پیشگوئی حق و صداقت، جس کی زندگی افتخارِ رسل اور جس کا وصال اللہ کے اشتیاق سے عبارت ہے۔

ہم انتہائی درد کے ساتھ قادیانی حضرات سے گذارش کرتے ہیں کہ ایمان ایک قیمتی دولت ہے۔ اس دولت کو اس شخص پر لٹا کر ضائع نہ کریں جس کی نبوت تو کجا ایمان بھی ثابت نہیں ہے۔ آؤ جعلی اور وضعی نبوت کو چھوڑ کر صرف اس کی نبوت پر قناعت کرو جس کی نبوت ہر قسم کے شک و شبہ سے بالا، دلائل سے مبرہن اور آئندہ بعثت کے ختم ہونے کی علامت ہے۔ وہ نبی جو کوثر کا مالک، لواءِ حمد کا حامل اور انبیاء کا خاتم ہے اسے چھوڑ کر کسی کذاب، مفتری اور کفر رسیدہ شخص کو نبی مان لینا ہرگز نجات کا راستہ نہیں ہے پس اے راہ نوردانِ شوق! اگر تم واقعی حق کی تلاش رکھتے ہو تو آؤ اور قادیان کو چھوڑ کر طیبہ کی طرف لوٹ آؤ۔

بقیہ : پیرانِ تونسہ شریف

ایک بار کوٹ قیصرانی تحصیل تونسہ شریف میں احراری مبلغ مولانا محمد شریف بہاولپوری نے مسئلہ ختم نبوت پر تقریر کی وہاں کے بااثر قادیانیوں نے مولانا کی سخت اہانت اور تذلیل کی، آپ کو معلوم ہوا تو اس قدر رنجیدہ ہوئے جیسے آپ کی ہی بے حرمتی ہوئی ہے۔ ساتھیوں سے فرمایا یہ معمولی بات نہیں، ہم قادیانیوں کو ایسی سزا دیں گے کہ زندگی بھر یاد رکھیں گے۔ چند روز بعد معلوم ہوا کہ وہی قادیانی خان صاحب بڑے کروفر سے تونسہ شریف میں آئے ہیں آپ نے حکم دے دیا کہ جہاں نظر آئے بچھا دیا جائے نام لیواؤں نے خان جی کو بھری سڑک پر للکارا کہ غلامانِ نظام عالم دین کی توہین کا بدلہ لینے آ رہے ہیں پھر اس کو ہمراہیوں سمیت ایسی عبرت ناک سزا دی کہ قادیانی آج بھی اسے نہ بھولے ہوں گے۔ قادیانی آپ کی ذات سے اس قدر خائف تھے کہ رات دن تونسہ شریف کو نقصان پہنچانے کی تدبیریں سوچتے رہتے تھے۔